دُنیا کے سب سے زیادہ ہیبتناک ناول ڈراکیولا

کے سِلسلہ کا تیسرا ناول

قصرِ ڈراکیولا

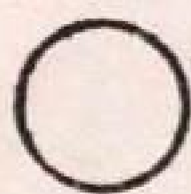
مصنّف

انگس ہال



مترجم

[illegible] علوی



قیمت

پندرہ روپیہ

ناشر:-

نسیم بکڈپو - لاٹوش روڈ - لکھنؤ

ٹیلیفون } آفس —— ۲۴۵۵۹
رہائش —— ۲۵۳۳۴

ناشر:- نسیم انہونوی　　بار چہارم دسمبر ۱۹۷۷ء　　پرنٹر:- نظامی پریس لکھنؤ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایڈمن ٹیم - راحیل - آپ سے مخاطب ھے

گروپ قوانین کی پابندی لازمی کریں بصورت دیگر گروپ سے ریموو کر دیا جائے گا

گروپ میں کتابیں انٹرنیٹ سے ڈاؤنلوڈ کر کے بھیجھی جاتیں ہیں،اور جو کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں یا برائے فروخت دستیاب ہوتیں ہیں ان کے لئے معزرت کر لی جاتی ہے،جس کے لئے ٹائم بھی لگتا ہے اور محنت بھی، ممبران سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے

گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت سے کسی بھی قسم کا لنک،آڈیو،ویڈیو،میسج فارورڈ کرنا اور کسی بھی قسم کی گفتگو کی اجازت نہی ہے ایسا کرنے والے کو بغیر وارننگ ریموو کر دیا جائے گا

سب سے اہم بات

گروپ میں کسی مرزائی،احمدی،قادیانی۔گستاخ رسولﷺ،گستاخ اہل بیت،گستاخ صحابہ،گستاخ امہات المومنین، اور ایسے تمام افراد جو اسلام اور ملک پاکستان کے خلاف کسی بھی قسم کی سرگرمی میں مصروف عمل ہیں وہ ہمارے گروپس سے دور رہیں پتہ چلنے پر فوری ریموو کر دیا جائے گا

گروپ جوائن کرنے کے لئے نیچے دئے ہوئے گروپ کے نام یا تصویر پر کلک کریں



کتاب میلہ



عمران سیریز



بچوں کی کھانیاں



اخبار پاکستان



گپ شپ پوائنٹ



آداب عشق

پہلا باب

سُرخ، کچّا اور تنگ راستہ یوں آگے کی طرف ایک دم سے ڈھل گیا تھا جیسے یہ کسی عفریت کی لٹکتی ہوئی لال لال زبان ہو۔ یہ ایک چھوٹی سی دیہاتی بستی کا ایسا ہی راستہ تھا جیسا کہ ہر دیہات میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ابھی دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن راستے پر اور میدانوں میں پیلے ہوئے درختوں کے موٹی سلاخوں کی طرح دکھائی دیتے ہوئے سائے لمحہ بہ لمحہ لمبے ہوتے جارہے تھے اور اپنی دم بہ دم بڑھتی ہوئی لمبائی سے جیسے اس بات کا اعلان کر رہے تھے کہ رات کا اندھیرا صرف ایک منزل دور اور تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ چاروں طرف موت کی سی گہری خاموشی طاری تھی اور ٹرانسلوانیا علاقے کے اس دور افتادہ حصے میں تو یہ خاموشی مافوق الفطرت معلوم ہوتی تھی۔ یہاں کی مکمل ترین خاموشی سے ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے انسانی زندگی ابھی وجود میں آئی تھی بلکہ وقت کی کوکھ میں تھی اور وجود میں آنے کی منتظر۔ یہ خاموشی ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے دنیا میں انسان نہ بستے تھے۔ جیسے دنیا ابھی بے جان تھی۔ اس خاموشی کے جمود میں کبھی کبھی بہتی ہوئی ہوا کی کراہیں ارتعاش پیدا کر دیتی تھیں اور بس، یا کبھی کبھار کوئی پرندہ اپنی تنہائی کے احساس کو برداشت نہ کرکے یکبارگی چیخ اٹھتا اور پھر جیسے خود اپنی ہی آواز سے سہم کر خاموش ہو جاتا۔

اور چاروں طرف پھر مکمل ترین اور لرزہ خیز خاموشی طاری ہو جاتی۔

یہ وقت تھا اور یہ سماں، درختوں کے سائے انچ بہ انچ لمبے ہوتے جا رہے تھے اور جب دن کی روشنی بجھنے لگی تھی تو دھندلے ہوتے ہوئے افق کے پس منظر میں دفعتًہ ایک سایہ نمودار ہوا۔

ایک تنہا انسان جو افق اور ارد گرد کے منظر کی وسعتوں میں بے حد حقیر معلوم ہوتا تھا۔

یہ تنہا انسان اپنے بازوؤں پر کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھا۔ دور سے یہ چیز کپڑوں کا ایک گٹھڑ معلوم ہوتی تھی۔ بے جان اور بے ڈول۔

وہ تقریبًا بے جان ٹانگوں سے لڑکھڑا لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ اس کی چال میں ایک قسم کی جھجک تھی اور اس کا ہر قدم یوں اٹھ رہا تھا جیسے اس کے ٹخنوں سے من من بھر کے پتھر بندھے ہوئے ہوں جنھیں ہر قدم کے ساتھ اسے گھسیٹنا پڑتا ہو چنانچہ اس نے تھوڑا سا فاصلہ بہت دیر میں طے کیا اور اب مرتی ہوئی روشنی میں اس کے خدوخال نظر آئے۔

مٹ میلے اور کھدر کے لباس اور بڑے بڑے کھردرے ہاتھوں اور دھوپ میں جھلسی ہوئی رنگت نے ظاہر کر دیا کہ یہ شخص ایک کسان تھا اس علاقے کے ان سیکڑوں لوگوں میں سے ایک جو دھرتی کا سینہ چیرتے، اس میں اپنا خون پسینے کی صورت میں عمر بھر ٹپکاتے رہتے اور پھر آخر میں اسی دھرتی کی گود میں جا سوتے ہیں۔

یہ شخص نوجوان تھا۔ اس کی عمر کسی طرح تیس سال سے زیادہ نہ تھی اس کے باوجود موسموں نے اور کڑی توڑ مشقت نے اس کے گالوں پر قبل از وقت ہی جھریاں ڈال دی تھیں زندگی اسے شکست پر شکست دیتی چلی آئی تھی لیکن اس کے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ نوجوان ہتھیار ڈال کر شکست قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔ کسی دن ان

کا مقابلہ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ہی ختم ہو جائے گا اور پھر اسے منوں مٹی تلے دبا دیا جائے گا اور یوں آخر کار وہ اس کا حریف ایک ہو جائیں گے۔

اس کے چہرے کے پٹھے کھنچے ہوئے تھے اور اس وقت اس کے بشرے سے پتھر کو پگھلا دینے والا عزم عیاں تھا لیکن وہ رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل بہتے ہوئے آنسو لڑھک کر رخساروں کی جھریوں کی نالیوں میں ہو کر ٹھوڑی پر آتے اور پھر وہاں سے اس گٹھڑی پر ٹپک پڑتے جو وہ اپنے بازوؤں پر اٹھائے ہوئے تھا۔

وہ خاموشی سے اور بے تابی سے رو رہا تھا۔ اس کے آنسو کے ہر قطرے کے ساتھ اس کے جسم کی گرمی اور اس کے دل میں اٹھتی ہوئی شدید ٹیسیں ٹپک رہی تھیں۔ وہ وقتاً فوقتاً اس گٹھڑی کی طرف دیکھ لیتا تھا جسے وہ اٹھائے ہوئے تھا اور جب بھی وہ اس گٹھڑی کی طرف دیکھتا اس کا مٹ میلے کپڑوں میں لپٹا ہوا جسم انتہائی خوف اور انتہائی غم سے کانپ جاتا۔

کیونکہ وہ اپنے بازوؤں پر جو اٹھائے ہوئے تھا وہ ایک لاش تھی جو خود اپنے بھورے رنگ کے لباس میں لپٹی ہوئی تھی۔ یہ لاش ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کی تھی۔ دور سے جو چیز سڑک پر ایک رومال کی طرح گھٹتی دکھائی دیتی تھی وہ در اصل اس لڑکی کے بال تھے۔ ان کی چمک سڑک پر کی دھول نے، جس پر وہ گھسٹ رہے تھے بلکہ جھاڑو سی دے رہے تھے، ماند کر دی تھی۔ لیکن اس لڑکی کی لاش میں جو لرزہ خیز بات نمایاں تھی اور جو اس روتے ہوئے نوجوان کو بار بار کپکپا دیتی تھی وہ اس لاش کی تقریباً غیر ارضی سفیدی تھی۔ جوان لڑکی کے چہرے پر، مرنے کے بعد بھی، جوانی کی سرخی اور دمک ایک حد تک قائم رہتی ہے۔ موت کا سرد ہاتھ بھی جوانی کی اس سرخی اور دمک کو مٹا نہیں سکتا۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس لاش کا چہرہ دھلی ہوئی چادر کی طرح سفید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون کسی نے چوس لیا، یا نچوڑ لیا ہو چنانچہ

یہ لاش ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے موم کی بنی ہوئی پتلی ہو۔ سرد اور سفید۔ تاہم یہ وہ تھی جو کبھی گرم، سرخ وسفید اور جوانی سے بھرپور تھی اور جس کو دیکھ کر وس سوتے ہوئے نوجوان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں اور وہ ہر کام چھوڑ کر اور اپنے ہاتھ کی ہر چیز پھینک کر اس گرم اور جوانی سے بھرپور لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے اور اس کے سرخ ہونٹ چومنے کے لئے اس کی طرف دوڑ پڑتا تھا لیکن اب ــ اور وہ ایک بار کانپ گیا۔

ایک بار پھر کسان نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے لاش کی طرف دیکھا اور اس دفعہ اس کے آنسوؤں کے پیچھے شدید نفرت کی بجلیاں سی کوند گئیں کیونکہ اس دفعہ اس کی نظر ان دو سرخ سوراخوں پر مرکوز ہو گئیں جو لڑکی کی لاش کے گلے پر عین اس جگہ تھے جہاں کبھی اس وقت جب یہ لڑکی زندہ تھی، ایک رگ پھڑپھڑایا کرتی تھی۔

پہلی نظر میں یہ سوراخ بے ضرر سے معلوم ہوتے تھے اور اگر کوئی ناواقف شخص بھی ان سوراخوں کی طرف دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ کسی جنگلی جانور نے یا شاید کسی باؤلے کتے یا وحشی بلی نے اس لڑکی پر حملہ کر دیا ہو گا اور اپنے نکیلے دانت لڑکی کی شہ رگ میں اتار دیئے ہوں گے۔

لیکن نوجوان کسان اس سوراخوں سے واقف تھا کیونکہ اس کی عمر اسی علاقے میں گزری تھی۔

چنانچہ وہ جانتا تھا کہ اس کی پیاری کی ــ جس کی یہ لاش تھی ــ اب ایک دوسری زندگی شروع ہو گی۔ وہ بے شک مر گئی تھی لیکن اب بہت جلد وہ پھر زندہ ہو گی ــ زندہ مردہ ــ وہ اپنی قبر میں سے نکل آئے گی۔ اور اس کی یہ دوسری زندگی بڑی ہولناک، بڑی نفرت انگیز اور بے حد خوفناک ہو گی۔

اس کا اسے یقین تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لاش کے گلے پر یہ دو سرخ نشانات

ویمپائر کے دانتوں کے تھے۔

ایک عفریت کے دانتوں کے جو نوجوان لڑکیوں کا خون چوسنے کے لئے اپنی قبر میں سے نکل آتا تھا۔ اسی عفریت نے اس کی پیاری کو بھی کاٹ لیا تھا۔ ایک عفریت جو مردہ ہوتے ہوئے بھی زندہ تھا۔ ایک زندہ مردہ۔ اسی نے اس کی پیاری کی شہ رگ میں اپنے دو لانبے، تیز اور نکیلے کتا دانت اتار دیئے تھے۔ اور اس کے جسم کا سارا خون چوس لیا تھا تاکہ وہ دوسری لڑکیوں کا خون چوسنے کے لئے زندہ رہے، تاکہ وہ ہر رات اپنی قبر سے نکل سکے اور اپنے شکار کو تلاش کرتا رہے۔ ایک نیا شکار۔ ایک دوسری نوجوان لڑکی۔ اس عفریت نے اس کسان کی پیاری بیوی کا خون بھی چوس لیا تھا۔ اب وہ مر گئی تھی۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن سب سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ اس کی بیوی اب پھر زندہ ہو گئی تھی۔ وہ بھی اس عفریت کی طرح ہر رات اپنے شکار کی تلاش میں اپنی قبر سے نکل آئے گی اور اس کے شکار ہوں گے معصوم بچے جن کا خون اب یہ چوسے گی۔ کیونکہ ـــــ کیونکہ ـــــ وہ اس عفریت کی دلہن بن چکی تھی جس کے دانتوں کے یہ نشانات تھے۔ اس کسان کی بیوی اب چڑیل بن چکی تھی۔

اور اسے چڑیل بنانے والے عفریت کا نام تھا:۔

"کونٹ ڈراکیولا"

دن کی ختم ہوتی ہوئی روشنی افق مشرق پر اندھیرے سے دست و گریباں تھی کہ نوجوان کسان اپنا خوفناک بوجھ اپنے بازوؤں پر سنبھالے سڑک کے اختتام پر پہنچ کر اس طرف مڑ گیا جس طرف ذرا ہٹ کر ایک پرانی سرائے تھی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ صدیوں پہلے کسی خاص مقصد کے تحت یہ سرائے بنائی گئی تھی لیکن جب یہ علاقہ اجڑ گیا تو سرائے کا مالک اپنی عمارت مقامی کسانوں کے حوالے کر کے کسی اور طرف نکل گیا۔ ہو سکتا ہے کہ

کسی زمانے میں یہ اجاڑ اور ویران سڑک آباد رہی ہو اور اس پر سے انگلستان روس اور خود ٹرانسلوانیا کے مسافروں کی مسلسل آمدورفت رہتی ہو اور وہ رات گزارنے کے لئے اس سرائے میں ٹھہر جاتے ہوں۔ لیکن اب یہ سڑک اجاڑ پڑی تھی۔ بہت کم مسافر اس پر سے گزرتے تھے اور اگر کبھی کوئی بھولا بھٹکا مسافر اس طرف سے گزرتا بھی تھا تو وہ سرائے میں قیام کرنے کے بجائے تیزی سے اس شہر کی طرف نکل جاتا تھا جس کا نام کلینن برگ تھا اور جو یہاں سے دس لیگ۔ اور یہ دس لیگ یہاں کے دیہاتیوں کے لئے ایک دنیا کے سفر کے برابر تھے۔ دور اور دیہات کی سرحد پر کھڑے ہوئے گھنے جنگل کے اس طرف تھا۔ چنانچہ اب اگر اس سرائے کی دیواروں پر سیاہی مائل کائی اُگ آئی تھی اور کوئی اس کی طرف دھیان نہ دیتا تھا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔

لاش اٹھائے ہوئے کسان کی حالت انتہائی غم سے ایسی ہو رہی تھی کہ وہ جیسے میکانکی طور پر سرائے کے پھاٹک میں سے گزر کر سرائے کے صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں نانک چندی اینٹیں جڑی ہوئی تھیں اور اینٹوں کا یہ فرش بھی موسموں کے ردوبدل سے نہ صرف سیاہ ہو رہا تھا بلکہ کسانوں کی بے تعلقی کا شکار تھا کہ اس میں جگہ جگہ ہاتھ ہاتھ بھر گہرے کھڈ پڑ گئے تھے جن میں سے گھاس کی پتیاں سر اٹھا کر جھانک رہی تھیں۔ نوجوان کسان اس چھکڑے کے قریب سے، جسے کسی نے سرائے کی دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا تھا، گزرتا ہوا سرائے کی عمارت کے بیچوں بیچ دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک سکنڈ کے لئے رکا، اپنے بازوؤں پر کے بوجھ کی طرف دیکھا، اداسی سے سر ہلایا اور لات مار کر دروازہ کھولنے کے لئے اپنا ایک پیر اٹھایا......

سرائے میں شام کی زندگی کی گہماگہمی شروع ہو چکی تھی۔ دن بھر کھیتوں میں کام

کرنے کے بعد کاشتکار فوراً ہی اپنے گھر جانا ناپسند کرتے تھے کیونکہ ان کی جھونپڑیاں اندھیری اور سرد تھیں جہاں ان کی تیز مزاج اور چڑچڑی بیویاں منتظر رہتی تھیں کہ کب ان کے شوہر آئیں اور وہ ان کے ساتھ جھگڑا کریں ان کے ساتھ سونا تو خیر بعد کی بات تھی۔ چنانچہ اپنی جھونپڑیوں میں ان کاشتکاروں کی راتیں اس طرح گزر جاتی تھیں کہ میاں بیوی میں صبح تک ایک بات نہ ہوتی تھی آپس میں جسمانی تعلق قائم کرکے سکون حاصل کرنے کا تو پھر سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا اور اگر کبھی کسان کی بیوی اس سے بات کرتی بھی تو محض جھگڑا کرنے کی غرض سے۔ چنانچہ اس علاقے کی فضا میں ایک عجیب طرح کی خباثت رچی ہوئی تھی جو اس دھند کے ساتھ، جو شام ہوتے ہی اس علاقے میں اتر آتی تھی، بستی میں اور پھر وہاں سے جھونپڑیوں کے کواڑوں اور کھڑکیوں کی درزوں میں سے جھونپڑیوں کے اندھیرے میں گھس آتی تھی۔

چنانچہ کاشتکار کھیتوں میں دن بھر کا کام ختم کرنے کے بعد اپنے گھر جانے کے بجائے سرائے میں آنا پسند کرتے تھے کیونکہ یہاں کے آتشدان میں آگ بڑی تیز ہوتی تھی اور بوزہ شراب اس سے بھی زیادہ تیز۔ اس کے علاوہ سرائے کی ملازمائیں جو شراب پیش کیا کرتی تھیں، جوان تھیں اور بڑی خوش مزاج اور آزاد خیال تھیں چنانچہ کاشتکار اپنے کھردرے ہاتھوں سے ان کے گال سہلاتے یا ان کے کولہوں پر چٹکی بھر لیتے تو برا ماننے کے بجائے بڑی دلفریبی سے مسکرا کر ایسی نظروں سے دیکھتی تھیں کہ گاہک دل مسوس کر رہ جاتے تھے چند خادمائیں تو بڑی منچلی تھیں چنانچہ شراب کے پیالے رکھتے وقت وہ کچھ اس طرح جھکتی تھیں کہ ان کے ڈھیلے گریبانوں میں سے ان کی بڑی بڑی چھاتیاں دکھائی دے جاتی تھیں اور ایسے میں اگر کوئی جوان بے قابو ہو کر اپنے ہاتھ بڑھا کر خادمہ کی دونوں چھاتیوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا تو سرائے کی چھت قہقہوں، تالیوں اور چیخوں کے شور سے اڑ جاتی تھی۔

علاقے کی یہ تنہا سرائے کاشتکاروں کی دلچسپی کا واحد مرکز تھی اور اس وقت تک کھلی رہتی تھی جب تک کہ آخری گاہک اپنا بل ادا کرنے کے بعد شراب کے نشے سے لڑکھڑاتا ہوا بستی اور اپنے گھر کی طرف نہ چلا جاتا۔ چند گاہک ایسے بھی تھے جو رات گئے تک سرائے میں بیٹھے رہتے تھے اور ایک گاہک ایسا بھی تھا جو رات بھر اسی سرائے میں رہتا تھا۔ اور یہ گاہک تھا ایک بوڑھا جس کا نام کارل تھا۔ اس کی اکثر راتیں سرائے کے ایک کونے میں خراٹے لیتے گزرتی تھی۔ چنانچہ اس کے لئے آتشدان میں ایک موٹا لکڑی کا کندا ڈال دیا جاتا جو صبح تک سلگتا رہتا اور بچی ہوئی شراب کو ایک جگ میں انڈیل کر کارل کے قریب رکھ دیا جاتا تاکہ وہ صبح ٹھکرا سے پی سکے

لیکن اس وقت کوئی سونا نہ چاہتا تھا۔ بے حد دلچسپ شام شروع ہو چکی تھی اور شراب اور ہنسی مذاق کے یادگار گھنٹے سامنے تھے۔ کاشتکاروں کی باتوں کی آواز سرائے کے کمرے میں بھنبھناتی ہوئی گونج رہی تھی، ان کے لطیفے اور قہقہے بار میں سے نکل کر باورچی خانے تک پہنچ رہے تھے۔ دن بھر کی تھکن پگھلنے لگی تھی اور ہر طرف بے تکلفی کا سماں تھا اور یہ بے تکلفی بڑھتی جا رہی تھی کہ دفعتہً دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا۔ ہر شخص کی نظر اس طرف اٹھ گئی۔

دروازے میں نوجوان کسان اپنی شریک حیات کی لاش رکھے یوں کھڑا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھے ہوئے ہر شخص کو اس کی موت کا الزام دے رہے ہو۔

قہقہے یکے بعد دیگرے دب کر تھم گئے۔ چیخ چیخ کر بولنے کی آوازیں ایک دم سے سرگوشیوں میں تبدیل ہو گئیں اور پھر سرگوشیاں خاموشی میں تحلیل ہو گئیں اگر نوجوان کے حواس بجا ہوتے تو وہ دیکھتا وہاں موجود ہر شخص بت بن گیا تھا۔ پیالوں میں شراب انڈیلتی ہوئی خادمائوں کے ہاتھ اٹھے کے اٹھے رہ گئے تھے، قہقہہ لگاتے ہوئے لوگوں کے منہ یوں کھلے رہ گئے تھے جیسے وہ اب بھی بے آواز قہقہہ لگا رہے ہوں، آنکھیں کھلی

کی کھلی رہ گئی تھیں اور کوئی پلک تک نہ جھپک رہا تھا اور پھر ان سب کے چہروں پر رفتہ رفتہ حیرت اور خوف اتر آیا۔

وقت جیسے معلق ہو کر رہ گیا تھا اور یہ کہنا ممکن نہ رہا تھا کہ اس حالت میں کتنا وقت گزر گیا۔ اور پھر اُس پادری نے، جو اپنے ایک پرانے حریف اور دوست کے ساتھ ڈومینو کھیل رہا تھا، اس خاموشی کو توڑ دیا اور بے جان بتوں میں جیسے جان پڑ گئی۔

"میرے خدا" پادری نے بے حد بلند آواز میں، جو چیخ سے مشابہ تھی، کہا۔

اور پھر اس نے سرخ تھلتھلاتے ہوئے گالوں والے اور توندیل سرائے کے مالک کی طرف دیکھا جس کی قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی تھی۔ سرائے کے مالک کے عقب میں اور باورچی خانے کے دروازے میں اس کی بیوی یوں کھڑی تھی جیسے فریم میں جڑی ہوئی ہو۔ سرائے کے مالک کی بیوی عمر میں اس سے نہ صرف بہت کم تھی۔ بلکہ جوانی اور قوتِ حیات سے بھرپور تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں پر کھانے کی قابوں کی ٹرے اٹھائے تھی۔ قابوں میں سے اشتہا انگیز بھاپ اٹھ رہی تھی۔ وہ قدرے ہچکچاہٹ کے بعد اس تنی ہوئی فضا میں یوں آگے بڑھی جیسے اپنے سامنے سے کسی نظر نہ آنے والی روک کو پیچھے دھکیل رہی ہو۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا لیکن اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

نوجوان کسان اپنے بوجھ کو لے کر آگے بڑھا اور اس میز کے قریب پہنچ گیا جو کمرے کے عین بیچ میں تھی۔ میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ اپنے اپنے شراب کے مگ اٹھا کر ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میز کی سطح پر ان لوگوں کے مگوں کے پیندوں کے گول اور گیلے نشانات موجود تھے لیکن نوجوان نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ کوئی آ کر انھیں کپڑے سے صاف کر دے اور لاش کو اس پر رکھ دیا۔ وہاں موجود ہر شخص خوفزدہ

نظروں سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نوجوان کسان نے فوراً ہی ان کا شک دور کر کے ایک اشارے میں ان کی آنکھوں میں تڑپتے ہوئے سوال کا جواب دے دیا۔ اس نے لڑکی کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ سے گھما دیا تو لاش کی شہ رگ پر کے دو سرخ سوراخ نمایاں ہو گئے۔

نوجوان کسان کو یہ کہنے یا سمجھانے کی ضرورت نہ تھی کہ یہ سرخ اور ابھرے ہوئے کناروں والے زخم کیسے تھے اور کس طرح سے آئے تھے۔

لمحے بھر کے لئے کاشتکاروں کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اور وہ بے اختیار نیز سے کئی قدم دور ہٹ گئے اور اگر سرائے کا مالک اور اس کی بیوی آگے نہ بڑھتے ہوتے تو وہ سب کے سب بھرّا مار کر وہاں سے بھاگ جاتے۔

ہمت سمیٹ کر چند دوسرے بھی آگے بڑھے۔ ان کی نظریں لاش کے گلے پر کے زخموں پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے بشروں سے انتہائی خوف اور صدمے کے آثار عیاں تھے پادری اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے لاطینی زبان میں دعائیں بڑبڑا رہا تھا سب سے پہلے سرائے کے مالک کی بیوی کے حواس قدرے بجا ہوئے چنانچہ سب سے پہلے اسی نے لب کشائی کی۔

"یہ ۔۔۔ یہ ۔۔۔ تو ۔۔۔ جوان ہے" وہ بولی اور پھر کانپ کر اضافہ کیا: "خدایا اس لعنت سے ہمیں کبھی نجات نہ ملے گی؟"

اس کے شوہر نے غصّے سے شانے جھٹکے اور تذبذب کو جھٹک دیا۔

"خود ہمیں نجات حاصل کرنا ہے۔ ہم خود اپنے آپ کو آزاد کرالیں گے"

وہ بولا "ہم جانتے ہیں کہ یہ لعنت کون سے تابوت میں آرام کر رہی ہے"۔

اس نے غصیلی نظروں سے کاشتکاروں کی طرف دیکھا جو گردنیں جھکائے اپنے اپنے شراب کے مگوں میں یوں دیکھ رہے تھے جیسے ان کے پیندوں میں سونے کے

سکے پڑے ہوئے ہوں۔

"ہمیں اس لعنت سے نجات حاصل کرنی ہے۔ ابھی۔ اسی وقت" سرائے کے مالک نے پھر کہا۔

دیہاتی بدستور گردنیں جھکائے مگوں میں جھانکتے رہے۔ ان سب کی طرف سے پادری نے جواب دیا۔ کیونکہ وہ ان سے زیادہ دانا اور عالم تھا۔

"نہیں میرے بیٹے" اس نے بے تابی سے کہا "نہیں"

اس کی نہیں کے جواب میں سرائے کے مالک کی بیوی نے جلدی سے کہا۔

"اور کوئی دم میں رات ہونے والی ہے"

"تو پھر ہمیں جلدی کرنی چاہیے" اس کے شوہر نے "تم ایسا کرو کہ عورتوں کو لے کر گرجا میں چلی جاؤ"

یہ دیکھ کر کہ اس کے شوہر کی مردانگی جوش میں آچکی ہے اور اس کا ارادہ پختہ ہو چکا ہے مالکن خادماؤں کی طرف گھوم گئی جو باوجود کوشش کے لاش پر کے گلے پر کے زخموں پر سے اپنی نظریں ہٹا نہ سکتی تھی۔ ان سب کے دماغوں میں ایک ہی خیال سنسنا رہا تھا "آج یہ تو کل ہماری باری ہوگی"

سرائے کے مالک کی بیوی ان لڑکیوں کی طرف بڑھی ان کی سلامتی کا انحصار اب سرائے کے مالک کی بیوی کے تندرست اور مضبوط بازوؤں پر تھا۔

لیکن پادری اس اصول کا قائل تھا کہ کسی کے ایک جرم سے اس کے دوسرے جرائم کا اندازہ لگانا حماقت ہے۔ چنانچہ اس نے ایک آخری کوشش کی۔

"یسوع مسیح کے لئے۔ تم لوگ۔ نہ جاؤ" اس نے گڑگڑا کر کہا اور کاشتکاروں کی طرف دیکھا "تمھاری جرأت اور تمھارے تشدد سے جھنجلا کر وہ اور بھی زیادہ ظلم کرنے پر اتر آئے گا"

"مقدس باپ اس عفریت کا خاتمہ کر دینا ضروری ہے۔ سرائے کے مالک نے تیز لہجے میں کہا۔

اور کاشتکاروں نے اتفاق کر کے اثبات میں سر ہلا دیے۔

وہ لوگ جو کرنے جا رہے تھے اس کے خیال سے خوفزدہ تھے لیکن اس خیال سے سہمے ہوئے تھے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا، اگر وہ عفریت ہر رات اپنے شکار کی تلاش میں اپنے بلٹ میں سے نکلتا رہا، تو خدا جانے کیا ہو گا۔ پادری نے دیکھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ان لوگوں کو اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تو اس کی آنکھوں میں اداسی کے بادل منڈلانے لگے۔ یہ خلاف توقع بات ہوئی تھی۔ آج پہلی دفعہ ان سادہ لوح دیہاتیوں نے اس کے دانشمندانہ اور عالمانہ مشورے کو قبول نہ کیا تھا۔ لیکن بہر حال وہ اپنی ان "بھیڑوں" کا ساتھ ایسے موقع پر نہ چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اس وقت انھیں اپنے مذہبی راہنمائی ضرورت خصوصیت سے تھی۔

"بہت اچھا۔ میں بھی چلتا ہوں تم لوگوں کے ساتھ" وہ بولا "خدا ہمارے حال پر رحم کرے"

دوسرا باب

دھندلکا اتر آیا تھا اور سرائے یوں پوری طرح خالی ہو گئی تھی کہ پہلے کبھی کسی رات کو خالی نہ ہوئی تھی۔ کلینس برگ جانے والی سڑک پر اندھیرا اچھا گیا تھا اور اس اندھیری سڑک پر انسانوں کی ایک بھیڑ یوں تیزی سے گزر رہی تھی جیسے انھیں خوف ہو کہ یہ سڑک جس پر وہ چل رہے تھے، کوئی دم میں جل اٹھنے والی ہو۔ اول تو یہ لوگ بڑی تیزی سے چل رہے تھے اور پھر مختلف قسم کے جذبات

نے ان کے گلوں میں پھندے سے ڈال دیئے تھے چنانچہ وہ آپس میں باتیں نہ کر رہے تھے، اگر چاہتے بھی تو شاید نہ کر سکتے۔ چیونٹی اور پرندوں کی آوازیں ان لوگوں کے پیروں کی چاپ کا سایہ دیے رہی تھیں اور چاپ کی آواز میں آواز ملا رہی تھیں۔ دوسری آواز جو ان آوازوں کا ساتھ دے رہی تھیں وہ ایک ہاتھ سے کھینچے جانے والے چھکڑے کی تھی جسے چند آدمی اس گلی اور ناہموار سڑک پہ کھینچ بلکہ گھسیٹ رہے تھے۔ اگر کوئی سمت مخالف سے اس طرف آرہا ہوتا تو وہ دور سے ہی اس بھیڑ کو دیکھ کر اور وحشت زدہ ہو کر بھاگ جاتا۔

حالانکہ انتظام کرنے اور مسلح ہونے کا ان کے پاس بہت کم وقت تھا اس کے باوجود دیہاتیوں کا یہ جم غفیر ایک عجیب لرزہ خیز منظر پیش کر رہا تھا اس بھیڑ میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو موٹا ڈنڈا، لٹھ، درانتی یا کھرپا غصے کے عالم میں ہلا رہا ہو۔ ان کی راہبری سرائے کا مالک کر رہا تھا۔ اس کے چند قدم پیچھے وہ نوجوان کسان تھا جس کی بیوی کی لاش اس وقت بھی سرائے کی ایک میز پہ پڑی ہوئی تھی ان کے پیچھے وہ لوگ تھے جو چھکڑے کو کھینچ رہے تھے۔ چھکڑے میں خالی پیپے اور چھپٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ چیزیں انھوں نے سرائے کے صحن اور راستے کے کھنڈروں میں سے اٹھا کر چھکڑے میں لادی تھیں اور یہ پیپے اور چھپٹیاں اتنی بہت سی تھیں کہ چھکڑے میں ان کا ایک اہرام سا تیار ہو گیا تھا اور یہ اہرام چھکڑے کی اچھل کود کی وجہ سے بری طرح سے ڈول رہا اور اب گرا کہ گرا ہو رہا تھا۔ اور اگر یہ انبار سڑک پر گر پڑتا تو دیہاتی بڑی پھرتی سے اسے اٹھا کر دوبارہ چھکڑے میں لاد دیتے۔

جب یہ جلوس قدرے پھیل کر پس منظر کا ایک حصہ بن گیا تو دکھائی دیا کہ پادری انتقام کے پیاسے ان لوگوں کے عین بیچ میں چل رہے تھے۔ اس کی نگاہیں جھکی

ہوئی تھیں اور وہ اپنے خاص الخاص ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ ایک چھوٹی سی صلیب جو اس کے گلے میں پڑی ہوئی دانوں کی مالا کے سرے پر بندھی اس کے سینے پر لٹک رہی تھی۔

انتقام کی آگ سے بھرے ہوئے یہ لوگ اب اس قربان گاہ کے قریب سے گزر رہے تھے جو سڑک کے کنارے اور اس سے ذرا ہٹ کر بنی ہوئی تھی۔ چند لوگوں نے اسے دیکھا ہی نہیں، بقیہ نے دیکھا تو دوسری طرف نظریں پھیر لیں لیکن پادری، جب وہ قربان گاہ کے متوازی پہنچا، بھیڑ میں سے نکل کر قربانگاہ کی طرف بڑھا۔ قربان گاہ کے قریب پہونچ کر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور سر جھکا کر اور آنکھیں بند کر کے رحم، قوت اور انصاف کی دعائیں مانگنے لگا۔

دیہاتی رکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے اور جب پادری اپنی دعائیں ختم کر کے اور بھاگ کر ان کے قریب پہونچا تو دہ شاہراہ کو چھوڑ کر ایک چھوٹے سے راستے پر ہولئے تھے۔

سرائے کا مالک بھیڑ کو ایک تنگ راستے بلکہ پگڈنڈی پر لے آیا تھا جو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی ایک مٹیالے پہاڑ کی ڈھلان چڑھ رہی تھی۔ حالانکہ اس بات نے پادری کو حیرت زدہ نہ کیا۔ کیونکہ وہ بہر حال جانتا تھا کہ وہ لوگ کہاں جا رہے تھے — تاہم اس نے اپنا سانس روک لیا اور اس دفعہ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔

پگڈنڈی زیادہ سے زیادہ عمودی اور راستہ زیادہ سے زیادہ دشوار گزار بنتا جا رہا تھا اور اب اس پر چڑھنا قدرے دشوار ہو رہا تھا۔ راستہ بعد بھی تنگ ہوگیا اور اب یہ لوگ ایک کے پیچھے ایک، ایک لمبی قطار میں چلنے پر مجبور ہو گئے۔

اور پھر دفعتہً انھیں اپنے سروں پر، اس مٹیالے پہاڑ کی چوٹی پر، اپنی منزلِ مقصود دکھائی دی۔ ایک قدیم اور مہیب قصر جس کے برجوں اور فصیل کو شام کی دھند رفتہ رفتہ اپنی آغوش میں لے رہی تھی۔ آہستہ آہستہ بہتی ہوئی سرد اور بھوری دھند۔

جب وہ لوگ قصر کے قریب پہونچے اور اس کے پہلو کی طرف مڑے تو بھیڑ میں سے چند آدمیوں نے خوف بھری نظروں سے پہلے اس قدیم قصر کی طرف اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان میں چند لوگ ایسے بھی تھے جن کی ہمت جواب دے گئی اور جی چھوٹ گئے چنانچہ ان کا جی چاہا کہ وہ یہیں سے پلٹ کر بستی کی طرف بھاگ جائیں۔ لیکن اب اس کا وقت نکل چکا تھا اور پھر پیچھے آتے ہوئے لوگ انھیں آگے ڈھکیل رہے تھے۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ لوگ قصر کے سامنے پہنچ گئے اور انھوں نے اوپر دیکھا۔ پتھر کا بنا ہوا ایک زبردست اور خوفناک پہاڑی کوّا برج کی چوٹی پر اور کاشتکاروں کے سروں کے عین اوپر اپنے بازو پھیلائے یوں بیٹھا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی دم میں ان لوگوں پر جھپٹ پڑے گا۔ پہاڑی کوّے کے نیچے قصر کے منقش اور مضبوط کواڑ تھے۔ یہ کواڑ اتنے بلند تھے کہ ان کے قریب پہنچ کر اچھا خاصہ بلند قامت انسان بونا معلوم ہونے لگتا تھا۔ اس نظارے سے دم بخود ہو کر دیہاتیوں کے قدم لڑکھڑا کر تھم گئے اور پھر وہ خوف سے ایک دوسرے میں جیسے گھسنے کی کوشش کرنے لگے اس سے بھی ان کا خوف دور نہ ہوا تو وہ کسی پناہ گاہ کی تلاش میں، ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگے۔

چند ثانیوں تک تو ان کی یہ حالت رہی کہ کوئی بھی سرائے کے مالک کے ساتھ آگے بڑھنے کو تیار نہ تھا۔ اور پھر وہ نوجوان، جس کے لئے اب دنیا میں گنوانے کو کچھ نہ رہ گیا تھا، آگے بڑھا لیکن سرائے کے مالک نے نفی میں سر ہلا کر اشارے سے اسے پیچھے ہٹ جانے کو کہا۔

جو کچھ بیتے گی مجھ پر بیتے گی۔ سرائے کے مالک نے دل میں کہا، کیا ضروری ہے

کہ میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی مارے جائیں یا زخمی ہوں"۔

دل میں یوں کہنے کے بعد سرائے کا مالک بے دھڑک آگے بڑھا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کی رگوں میں ہمت اور توانائی بجلی بن کر دوڑ رہی ہو۔ وہ ــ اور کوئی بھی ــ پہلے کبھی اس قصر کے اتنے قریب نہ آیا تھا۔ سرائے کا مالک اُس دروازے کے ماتھے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہاں کہیں اس قصر کے مالک کے نام کی پتھر کی تختی لگی ہوئی ہوگی۔ اور وہ جانتا تھا کہ اس قصر کا مالک کون تھا۔

"کونٹ ڈراکیولا"

لیکن وہاں ایسی کوئی تختی نہ تھی۔ فلک بوس اور سیاہ دیوار کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ قصر کی جناتی پھاٹک میں ایک چھوٹی سی چور کھڑکی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک بے حد پرانی مگر منقش زنجیر لٹک رہی تھی۔ یہ اس گھنٹی کی زنجیر تھی جو اس قصر کے خدا جانے کون سے حصے میں تھی۔

قریب پہونچ کر سرائے کے مالک نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر زنجیر پکڑلی اور اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ وہاں کی مکمل ترین خاموشی میں فوراً ہی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ بے حد مدھم جیسے گھنٹی کہیں بہت دور بج رہی ہو۔ دیہاتیوں کی نظریں سرائے کے مالک پر جمی ہوئی تھیں۔ چند ثانیوں کے انتظار کے بعد سرائے کا مالک دوسری دفعہ زنجیر کھینچنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ دفعتہً ایک کواڑ میں کی چور کھڑکی کھل گئی اور اس کھڑکی کے پیچھے سرائے کے مالک نے جو کچھ دیکھا اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو روک نہ سکا اور بے اختیار کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

چور کھڑکی سرائے کے مالک کے ماتھے کے متوازی تھی اور اس نے دیکھا کہ دو چمکدار، خوفناک اور دیوانی آنکھیں اس میں سے جھانک رہی تھیں۔ یہ آنکھیں پلک جھپکے بغیر اسکی

طرف دیکھ رہی تھیں اور ان میں کچھ ایسا اثر تھا کہ سرائے کا مالک بہت کوشش کے بعد اور بڑی مشکل سے اپنے آپ کو مزید پیچھے ہٹنے سے روک سکا۔ ایک یا دو سکنڈ تک اس کے منھ سے ایک لفظ اور اس کے حلق سے کوئی آواز تک نہ نکل سکی۔ اور پھر بڑی کوششوں کے بعد اپنے حلق سے چند اٹکل پچو الفاظ گھسیٹنے میں کامیاب ہوگیا "کھولو۔ دروازہ۔ کھولو" اس نے قدرے ہکلا کر کہا "میں۔ میں۔ کچھ لایا۔ ہوں۔ تمھارے لئے"۔

حتیٰ کہ خود سرائے کے مالک کو اپنی آواز اور لہجہ عجیب سا اور غیر اطمینان بخش معلوم ہوا۔ چنانچہ جب ان بھیانک آنکھوں نے مزید چند لمحوں تک ٹکٹکی لگا کر اس کی طرف دیکھا تو تعجب نہ ہوا اور پھر چور کھڑکی بڑی بے مروتی سے دھڑ سے بند کر دی گئی سرائے کے مالک کو احساس ہوا کہ اس کے ساتھی اُس سے اِس سے کچھ زیادہ کے ہی متوقع تھے چنانچہ اس نے پھر زبان کھولی۔ اس دفعہ اس کی آواز بلند اور لہجہ تحکمانہ تھا۔

"میں کہتا ہوں دروازہ کھولو" اس نے حکم دیا" میں بالکل اکیلا ہوں چنانچہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے"۔

پھر دروازہ مضبوطی سے بند رہا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ اور اب سرائے کے مالک نے اپنے پیچھے سے چند آوازیں سنیں۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے ساتھی بے چینی سے پہلو بدل رہے اور خوف بھری نظروں سے اندھیرے ہوتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں اتنا اندھیرا ہو جانے والا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے سامنے ایک فٹ سے آگے نہ دیکھ سکے گا۔ اس کے بعد انھیں واپس گھر جانے کے لئے مشعلیں سلگانی پڑیں گی۔

سرائے کے مالک کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چنانچہ وہ اعلان شکست

کرنے ہی والا تھا کہ ایک بار پھر چوبی کھڑکی کھلی اور انہی بھیانک دیوانی آنکھوں نے نمودار ہو کر بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ سامنے کھڑے ہوئے سرائے کے مالک کے علاوہ وہاں کوئی اور نہ تھا آنکھیں پیچھے ہٹ گئیں اور کھڑکی ایک بار پھر بند ہو گئی۔

چند لمحوں تک کچھ نہ ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے، قصر کا دروازہ بہر حال نہ کھلے گا۔ لیکن پھر ایک کمزور سی چیخ نما چرچراہٹ کے ساتھ بغلگیر کواڑ ذرا سے الگ ہوئے اور تب سرائے کے مالک نے دیکھا کہ ایک زنجیر دونوں کواڑوں کو آپس میں جوڑے ہوئے تھی اور انھیں زیادہ کھولنے سے روک رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ، جو کواڑ کے پیچھے تھا، اپنی بھیانک نظروں سے پیچھے کھڑے ہوئے ٹولے کو دیکھ کر پیچھے سے ہٹ سکتا اور دروازہ بند کر سکتا، سرائے کا مالک چیتے کی طرح جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے اندر والے کی گردن اس کی آہنی گرفت میں تھی۔

اور اب سرائے کے مالک نے دیکھا کہ جس کی گردن اس نے دبوچ لی تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ بدصورت اور کبڑا کلیو تھا جو کبھی کبھار سرائے میں آجاتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو نہ تو کسی سے ملتا تھا اور نہ کسی سے کوئی بات کرتا تھا بلکہ ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ اکیلا بیٹھا رہتا تھا۔

غالباً اس انکشاف پر کہ اس کی گرفت میں عفریت نہیں بلکہ اس کا ملازم تھا، سرائے کے مالک کو غصہ آگیا۔ اور اس نے اپنی گرفت اور بھی سخت کر دی۔ کلیو کے منھ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور وہ اس آہنی گرفت میں تقریباً بے جانی سے پھڑپھڑانے لگا کلیو جسمانی طور پر خاصا مضبوط تھا لیکن اس کا اور سرائے کے مالک کا کوئی مقابلہ نہ تھا جو ہر صبح چھے بجے بیدار ہو کر سرائے کے تہ خانے میں سے شراب کے پیپے نہا[illegible]

اوپر لایا کرتا تھا۔

"زنجیر کھول دو" سرائے کے مالک نے دانت پیس کر کہا۔ "ورنہ خدا کی قسم میں تمھاری گردن توڑ دوں گا۔"

اور یہ دکھانے کے لئے کہ اس کی یہ دھمکی محض گیدڑ بھبھکی نہ تھی اس نے اپنی گرفت اور بھی مضبوط کر دی۔ کلیو کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن دو آہنی حلقوں میں پھنس گئی ہو جو اس کے گوشت اور ہڈیوں میں اترتے جا رہے ہوں۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور پھر اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر زنجیر کھول دی۔

دوسرے ہی لمحے دیہاتی اپنی مشعلیں سلگا چکے تھے اور وہ اب خوشی اور کامیابی سے دمکتے چہرے لئے قصر میں گھس پڑے۔

لدا ہوا چھکڑا ابھی وہ اندر گھسیٹ لائے۔

وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر قصر کے درمیانی ہال میں پہنچے۔ اور اب وہ مٹی کے تیل میں بھیگی ہوئی چھپیاں اور کپڑے کے چیتھڑے دروازوں اور کھڑکیوں کے قریب رکھ رہے تھے اور دیواروں کے قدموں اور ہر کونے کھڑکیوں میں سے دوسری طرف مارنے شروع کئے۔

چند سکنڈ بعد تیل آلودہ چھپیوں اور چیتھڑوں کو آگ لگائی جا چکی تھی اور جلتی ہوئی مشعلوں کو پتھروں کے ساتھ قصر کے اندرونی حصے میں پھینک دیا گیا۔

کلیو نے جب دیکھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا تو اس کا چہرہ غصے سے اور بھی زیادہ بگڑ گیا سرائے کے مالک کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اب کوئی چیز قصر کو جلنے اور خاک سیاہ ہونے سے نہ روک سکتی تھی چنانچہ اس نے کلیو کی گردن چھوڑ دی۔ فوراً ہی وحشی سا ملازم اچھل کر سرائے کے مالک سے دور جا کھڑا ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ جلتی ہوئی گزرگاہوں اور کمروں میں گھس پڑے گا۔ لیکن چند قدم آگے بڑھنے کے بعد وہ

یکایک یوں رُک گیا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ گھوم گیا اور اس نے سرائے کے مالک پر تھوک دیا۔

"بیوقوف!" کلیو غرایا۔ "تم سمجھتے ہو کہ اس طرح تم میرے آقا کو فنا کر دو گے؟ بیوقوف! یہ آگ میرے آقا تک کبھی نہ پہنچے گی"۔

سرائے کا مالک مسکرایا۔

"یہ ہمیں اور تمھیں بھی بہت جلد معلوم ہو جائے" وہ بولا۔

کلیو نے ایک بار پھر اس کی طرف تھوک دیا اور اس سے پہلے کہ سرائے کا مالک آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیتا کلیو پلٹ کر ٹیڑھا میڑھا بھاگا اور اس دھوئیں میں گھس پڑا جو کھڑکیوں اور دروازوں میں سے نکل رہا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھڑکیاں اور دروازے بے آواز ڈکاروں کے ساتھ دھوئیں کے بنٹ اگل رہے ہوں کچھ ہی دیر بعد وہ آگ کے بطن میں پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

اور اب سرائے کا مالک اپنے ساتھیوں کی طرف گھوم گیا جو خود اپنے اس کام سے دم بخود اور سہمے کھڑے تھے۔

"چلو" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا "اندھیرا اترنے لگا ہے چنانچہ اب چلو یہاں سے"۔

ان لوگوں کو دوسری دفعہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور جب وہ لوگ قصر سے باہر آئے ہیں تو برجوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ نوجوانوں نے ایک بار پھر چھکڑا سنبھال لیا جواب خالی تھا اور معمر دیہاتی کام ختم ہو جانے اور باہر آنے کے بعد تھکن سے ہانپ رہے تھے۔ وہ لوگ پیچھے، قصر کی طرف، دیکھے بغیر تنگ پگڈنڈی پر چل پڑے اور تیزی سے ڈھلان اترنے لگے جب تک وہ شاہراہ پر نہ پہنچ گئے ان میں سے کسی نے بھی پیچھے نظر نہ کی۔

شاہراہ پر پہونچ کر وہ رُکے اور گھوم کر اوپر دیکھنے لگے۔

اور انھوں نے دیکھا کہ اب قصر شعلوں کے کفن میں لپٹے ہوئے ایک کھنڈر کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ وہ لوگ دم سادھے دیکھ ہی رہے تھے کہ قصر کے بڑے ہال کی چھت اندر کی طرف بیٹھ گئی اور بے شمار چنگاریاں آتشی فوارے کی طرح بلند ہو کر اندھیری ہوتی ہوئی فضا میں بکھر گئیں۔ ظاہر تھا کہ اب تک جو بھی اس قصر میں تھا اب اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔

قصر کا ڈھانچہ کچھ دیر تک بدستور کھڑا رہا۔ اس کے ننگے برجوں کو شعلے چاٹتے رہے اور پھر سرائے کے مالک اور اس کے ساتھیوں کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اپنی بنیادوں پر ڈھے گیا۔ دیہاتی چند لمحوں تک وہیں کھڑے قصر کی طرف دیکھتے رہے اور جب وہ پلٹ کر شاہراہ پر اور بستی کی طرف چلے ہیں تو ان میں سے ہر ایک یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے دل پر سے ایک کرب ہٹ گیا ہو اور اس کی روح پر سے ایک بوجھ اٹھ گیا ہو۔

اور اس دفعہ جب وہ سڑک کے کنارے والی قربان گاہ کے سامنے پہنچے تو وہ سب کے سب پادری کے ساتھ دعا میں شریک ہو گئے۔

"ہمیں خدا کے سامنے شکر کا سجدہ کرنا چاہیے" پادری نے کہا۔ "کہ اس نے ہمیں اس لعنت سے نجات حاصل کرنے کی ہمت اور قوت دی۔"

"ٹھیک ہے مقدس باپ" سرائے کے مالک نے کہا۔

"تو پھر آؤ ہم گرجا میں جاکر اپنی ماؤں، بیٹیوں، اور بیویوں کو یہ خوشخبری سنائیں کہ اب وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔"

اور دیہاتیوں نے سر ہلائے اور اب وہ آپس میں باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے بستی کی طرف جا رہے تھے۔

تیسرا باب

وہ لوگ آگے بڑھے۔ جیسے جیسے ان کے اور جلتے ہوئے قصر کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا سرائے کے مالک اور اس کے ساتھیوں کی بشاشت رخصت ہونے لگی اور ایک عجیب قسم کا انجانا خوف بڑھنے لگا تھا۔ کچھ اور آگے بڑھنے کے بعد ان لوگوں نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر اور رات کے اندھیرے آسمان کے پس منظر میں آگ کی سُرخی دکھائی دے رہی تھی۔ اگر سرخی کو دیکھ کر ایک بار پھر ان کے شکوک اور ان کا خوف دور ہو گیا۔ لیکن قصر کے بڑے ہال کی چھت بیٹھنے سے پہلے کچھ ہوا تھا۔ ایک ایسی بات جس سے اگر یہ لوگ کسی طرح واقف ہو جاتے تو ان کی ساری خوشی اور بشاشت انتہائی خوف اور مایوسی میں تبدیل ہو جاتی۔

قصر کی مغربی دیوار کے انتہائی سرے پر ایک کھڑکی تھی اور یہ کھڑکی اس تہ خانے کی تھی جس سے نہ تو کوئی واقف تھا اور نہ ہی آج تک کوئی اس تہ خانے میں گیا تھا یہ تہ خانہ ان بارہ تیرہ تہ خانوں یا حجروں کی طرح ہی تھا جو اس قصر میں بنے ہوئے تھے اور جنھوں نے اس قصر کو اتنا دہشت ناک بنا دیا تھا کہ لوگ دن کے وقت بھی اس کے قریب سے گزرتے ڈرتے تھے۔

قصر کا یہ تہ خانہ چھوٹا سا تھا اور اس کی دیواروں سے نمی پھوٹ رہی تھی اور اس کے فرش پر صدیوں کی بوسیدہ اور مردہ دھول کی تہہ تھی۔ کسی زمانے میں یہ تہ خانہ سیاسی قیدیوں یا نمک حرام مصاحبوں، خادموں اور خادماؤں

کے قید خانے کا کام دیتا ہو گا۔ تہ خانے کی ایک کالی دیوار سے چند زنگ آلودہ
اور موٹی زنجیریں آہنی حلقوں میں بندھی لٹک رہی تھیں جو اس بات کی شاہد
تھیں کہ آدمی، بدنصیب اور مظلوم انسان ان زنجیروں سے اس وقت تک بندھے
رہے تھے جب تک کہ ایک نعمت جیسی موت نے انھیں بے رحم آقاؤں کی قید اور
قید حیات سے بھی بہ یک وقت آزاد نہ کر دیا اگر کوئی اس تہ خانے میں آجاتا تو پہلی
نظر میں اسے کوئی ایسی بات نظر نہ آتی اور نہ ہی اسے کوئی ایسا احساس ہوتا جس
سے وہ بے چین ہو کر باہر بھاگ آتا۔ تہ خانے کی فضا میں وہ بو رچی ہوئی تھی جو
مدت سے بند پرانے مقبروں میں پائی جاتی ہے۔

البتہ کوئی متجسس شخص اس تہ خانے میں آجاتا تو وہاں وہ اس تابوت کو
دیکھ کر دم بخود رہ جاتا جو تہ خانے کے عین بیچ میں اور ایک چبوترے پر رکھا ہوا
تھا۔ یہ چبوترہ اور اس پر رکھا ہوا تابوت تہ خانے کے اندھیرے سایوں ایک
اور مہیب سائے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس چبوترے اور اس پر کے تابوت
کو ایک دفعہ دیکھ لینے کے بعد یہ بات سمجھ میں آجاتی تھی کہ اس تہ خانے کو کس مقصد کے
لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس تہ خانے کو تاریخ کے کسی انجانے دور میں قید خانے اور دار العقوبت
سے مقبرے میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور ڈریکولا خاندان کے افراد صدیوں تک
یہاں دفن کئے جاتے رہے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چبوترے پر رکھا
ہوا تابوت خالی تھا کیونکہ ڈھکن کھلا ہوا تھا لیکن چبوترے کے قریب پہنچ کر
اور اپنی گردن ذرا سی لمبی کر کے اگر کوئی تابوت میں دیکھتا تو .... تابوت میں
ایک لاش لیٹی ہوئی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ یہ لاش کسی رئیس کی تھی۔

اس کا چہرہ لمبوترہ اور رنگت زرد تھی اور بشرے پر منجمد رعب سے پتہ چلتا تھا کہ تابوت میں لیٹا ہوا کسی امیر اور شریف خاندان کا فرد تھا جس کے خون میں کسی دوسرے خون کی ملاوٹ نہ ہوئی تھی اس کے رخساروں کی ہڈیاں قدرے ابھری ہوئی تھیں جن پر زرد کھال کھنچی ہوئی تھی لیکن اس سے ایک عجیب طرح کا تکبر عیاں تھا۔ لانبی اور پتلی ناک عالم موت میں بھی حقارت اور گھن سے اوپر چڑھی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ہونٹ حیرت انگیز حد تک سرخ اور بھرے بھرے تھے اور ان کے کونوں سے دو دانتوں کی نوکیں جھانک رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لاش کے کتنا دانت زندگی میں غیر معمولی طور پر لانبے اور نکیلے رہے ہوں گے۔ لاش کے کالے اور لانبے بال کھوپڑی سے چپکے اور پیچھے کی طرف جیسے کنگھی کیے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن سب سے نمایاں وہ سنگدلی تھی جو لاش کے بشرے بلکہ ایک ایک خط سے ٹپکی پڑ رہی تھی۔ یہ شخص اپنی زندگی میں بڑا ہی ہوشیار اور زیرک رہا ہوگا لیکن صاف ظاہر تھا کہ اس کی ساری ہوشیاری اور زیرکی غلط موڑ مڑ کر ایک ایسے سنگلاخ راستے پر ہوئی تھی جہاں رحم جیسی کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ یہ شخص، جس کا بے جان جسم اسوقت تابوت میں لیٹا ہوا تھا، اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے سامنے آسانی سے نہ صرف جھکا لیتا بلکہ انھیں اپنا غلام بھی بنا لیتا ہوگا۔

تہ خانے کے باہر سے اور جیسے کہیں دور سے ان دیہاتیوں کے شور کی آوازیں آرہی تھیں جو قصر کو آگ لگانے کے بعد پہاڑ کی ڈھلان اتر رہے تھے۔ حالانکہ وہ آگ، جو دیہاتیوں نے لگائی تھی، تہ خانے میں سے نظر نہ آتی تھی لیکن شعلوں کی سنسناہٹ اور لکڑیوں اور پتھروں کے چٹخنے کی آواز سنائی دیتی تھیں۔

لیکن تابوت میں لیٹے ہوئے موم کے پتلے جیسے بے حس و حرکت جسم کے لئے ان آوازوں کا نہ کچھ مطلب تھا اور نہ اسے ان کی پرواہ تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے اپنے اطمینان سے لیٹا ہوا تھا۔

اور پھر دو عجیب و غریب واقعات ہوئے۔

دفعتہً اور بغیر کسی وجہ کے تہ خانے میں اندھیرا چھا گیا اور پھر ایک عجیب سی بھیانک اور تقریباً غیر ارضی سی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز تیز ہوتی گئی اور قریب آتی گئی دوسرے ہی لمحے بازوؤں کی سائیں سائیں سنائی دی اور ایک غیر معمولی طور پر بڑی چمگادڑ تہ خانے کی کھڑکی کے سامنے نمودار ہوئی۔ ایک لمحے تک وہ کھڑکی کے سامنے منڈلاتی رہی اور پھر کھڑکی کے عین سامنے اپنے بازو ہولے ہولے ہلا کر ہوا میں جیسے معلق ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دو چراغوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس کی آنکھوں کی یہ روشنی دو تقریباً واضح شعاعوں کی طرح تہ خانے کے اندھیرے میں در آئی۔ یہ دو شعاعیں تہ خانے کے اندھیرے کو چیرتی اور وہاں لٹکتے ہوئے جالوں میں سے گزرتی ہوئی تابوت میں لیٹنے والے کی بند آنکھوں پر پڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چمگادڑ کی آنکھوں سے نکلی ہوئی ان شعاعوں نے تابوت والے کی آنکھوں کو جکڑ لیا ہو۔

ایک لمحے تک آنکھوں کے دو جوڑے — ایک جوڑا چمگادڑ کی آنکھوں کا اور دوسرا مردے کی بند آنکھوں کا — ان شعاعوں کے ذریعہ آپس میں جڑے رہے۔

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

تابوت میں لیٹے ہوئے آدمی کی بند آنکھیں رفتہ رفتہ اپنی ہیئت تبدیل کرنے لگیں اور پھر وہ یکسر تبدیل ہو کر چمگادڑ کی آنکھوں کی طرح بن گئیں۔

قصر ڈراکیولا

چند سکنڈ بعد وہ دونوں، آدمی اور چمگادڑ، ایک ذات تھے۔

مردے کا جسم گھٹنے اور سڑنے لگا۔ اس کے اعضا الگ ہونے لگے۔ عناصر کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا اور پھر تابوت میں لیٹے ہوئے کے منتشر اعضا سمٹنے لگے، عناصر یکجا ہونے لگے اور پھر اس نے، اس مردے نے ایک نیا روپ اختیار کیا۔ تابوت میں انسان کی لاش کے بجائے اب ایک خوفناک اور زبردست چمگادڑ تھی۔

تابوت میں لیٹنے والا چمگادڑ میں تبدیل ہو چکا تھا۔

چند سکنڈ اور گزر گئے۔

اور انسان سے چمگادڑ بنی ہوئی یہ چیز نے اپنے بازو پھیلائے۔ وہ تابوت میں سے نکلی، پرواز کرتی ہوئی اوپر اٹھی، تہ خانے کی کھڑکی میں سے باہر آئی اور اپنے بڑے بڑے بازو ہلاتی اور چمکدار سرخ آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتی اور تیزی سے پرواز کرتی آگے بڑھ کر اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گئی۔

دیہاتیوں کا ٹولا قصر سے دور آ چکا تھا۔ وہ راستے کے کنارے پر کی قربان گاہ کے سامنے جھک کر شکر ادا کر چکا اور وہاں سے ہٹ کر جب یہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے تو اس وقت ایک غیر معمولی طور پر بڑی چمگادڑ، جس کی آنکھوں سے نفرت اور غصے کی چنگاریاں سی جھڑ رہی تھیں، ان لوگوں کے عین سروں پر سے اپنے بڑے بڑے بازو ہلاتی اور آہستہ آہستہ پرواز کرتی ہوئی ان سے آگے نکل گئی۔

اس چمگادڑ کو ان میں سے کسی نے نہ دیکھا اور نہ ہی کسی نے اس کے بازوؤں کی سنسناہٹ سنی۔ اور اگر سنتے بھی تو وہ اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے کیونکہ وہ سمجھتے کہ یہ کوئی اُلو ہو گا جو کسی بھولے بھٹکے چوہے کی تلاش میں نکلا ہو گا یا کوئی کوہر گا جو دور پر نظر آتے ہوئے بلند اور کالے درختوں کی طرف رات گزارنے کے لئے جا رہا

ہو گا۔ اور اگر وہ اسے چمگادڑ بھی سمجھتے یا اسے دیکھتے بھی تو کچھ زیادہ دھیان نہ دیتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس علاقے میں چمگادڑیں کثرت سے تھیں جو اندھیرا اترتے ہی نکل آتی تھیں۔ چنانچہ چمگادڑ کا نظر آنا کوئی غیر معمولی یا خوفناک بات نہ تھی۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے جب یہ لوگ بستی کے چھوٹے سے گرجا کے سامنے پہونچ گئے۔ اس علاقے میں بس یہی ایک گرجا تھا جہاں ایک دن شادی کا خطبہ پڑھا جاتا اور مبارک سلامت کا شور بلند ہوتا تھا تو دوسرے دن جنازے کی آخری دعائیں پڑھی جاتیں اور ماتم کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

باہر سے گرجا کی عمارت ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسی کہ اسے ہونا چاہیے۔ دنیا کی ساری برائیوں اور شیطانوں سے محفوظ ایک پرسکون اور اطمینان بخش پناہ گاہ۔ پھاٹک پر لکڑی سے تراشا ہوا مسیح مصلوب کا مجسمہ تھا۔ قصر ڈراکیولا کے پھاٹک پر پڑے ہوئے مہیب اور سنگین کوے کے مقابلے میں دل کو تسلی دینے اور خوف دور کرنے والا اور اب پادری ٹولے کے آگے تھا۔ وہ ٹولے کو اپنی راہبری میں گرجا کی طرف لے جا رہا تھا جہاں ان لوگوں کے بیوی بچے مسیح کی حفاظت میں اور محفوظ تھے۔ اور یہ لوگ بھی اپنے بیوی بچوں کو سلامت دیکھنے اور انھیں یہ خوشخبری سنانے کے لیے بے تاب تھے کہ وہ خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا تھا جو انھیں راتوں کو سونے نہ دیتا تھا۔ نہ صرف اس عفریت کا خاتمہ ہو گیا تھا بلکہ اس کا بھیانک بھٹ بھی ڈھے گیا تھا

لوگ دروازے کے سامنے بے قراری سے منتظر کھڑے رہے اور پادری نے اپنے دل میں خوشی اور اطمینان کی لہریں محسوس کر کے گرجا کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ لیکن فوراً ہی وہ چیخ کر الٹے قدموں واپس باہر آیا۔ ایک جناتی چمگادڑ نے گرجا کے اندرونی حصے میں سے نکل کر پادری پر حملہ کر دیا تھا اور اس کے چہرے پر اپنے پنجے مار مار کر اسے الٹے پاؤں باہر دھکیل لائی تھی

پریشان اور خوفزدہ پادری اور لوگوں نے دیکھا کہ چمگادڑ کے دونوں پنجوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر پادری پر جھپٹی اور پھر اپنے غصے کی جھونجھ میں بیٹھ کر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑی جو حیرت اور خوف سے بت بنے کھڑے تھے۔

وہ پے بہ پے اپنے خونخوار اور تیز پنجوں سے دیہاتیوں پر حملے کرتی رہی۔ ان لوگوں نے اس کے پنجوں سے اپنی آنکھیں بچانے کے لئے اپنے چہروں پر ہاتھ رکھ لئے اور تب وہ جناتی چمگادڑ شعلہ بار آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی دور کے پہاڑوں کی طرف پرواز کر گئی۔

سب سے پہلے پادری اور سرائے کا مالک سنبھلا۔ اور وہ دونوں بھاگ کر گرجا میں داخل ہو گئے۔

اور وہاں پہنچ کر۔۔۔ عین گرجا میں۔۔ انھوں نے جو منظر دیکھا وہ بھوتوں کی کہانیوں کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔

گرجا کی دیواروں پر، بنچوں پر اور قربان گاہ پر خون کے بے شمار چھینٹے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ گرجا نہ ہو بلکہ جانوروں کا مذبح ہو۔ بستی کی عورتوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا تھا۔ عورتوں کی لاشیں پورے گرجا میں پڑی ہوئی تھیں، ان کے اعضا خوفناک اور غیر قدرتی زاویے سے مڑے ہوئے تھے اور چمگادڑ نے اپنے خونخوار پنجوں سے ان کے چہروں کی کھال کی دھجیاں اڑا دی تھیں یا نکال کر پھینک دی تھیں۔

پادری لاشوں اور خون کے درمیان ادھر ادھر گھومتا اور غم اور مایوسی سے سر ہلاتا رہا۔ سرائے کا مالک اس کے پیچھے تھا اور پھر ایک لاش سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ اس کی ٹھوکر سے پہلو کے بل پڑی ہوئی لاش لڑھک کر چت ہو گئی۔

سرائے کے مالک نے جھک کر دیکھا تو وہ یوں چیخا جیسے اسے دوزخ میں دھکیل

دیا گیا ہو۔ یہ لاش، جس کا چہرہ چمگادڑ کے نکیلے پنجوں نے مسخ کر دیا تھا، کسی اور کی نہیں بلکہ خود اس کی بیوی کی تھی۔ سرائے کا مالک دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھامے لڑکھڑاتی ٹانگوں سے دروازے کی طرف بھاگا۔

پادری غمناک نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ہمارا خیال غلط تھا" پادری نے اونچی آواز میں کہا "فتح ہماری نہیں بلکہ اس عفریت کی ہوئی ہے۔"

چوتھا باب

قصر ڈراکیولا کو آگ لگانے اور پھر گرجا میں دیہاتیوں کی عورتوں کے قتل عام کے چند ہفتوں بعد کلینس برگ کے ایک شاندار ہوٹل کے ایک بڑے اور خاص کمرے میں ایک شاندار دعوت ہو رہی تھی۔

اس دعوت کا اہتمام ایک خوبصورت اور امیر لڑکی سارہ فرامسن کی بیسویں سالگرہ منانے کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ اس وقت وہاں اور بھی بہت سی حسین اور فوق البھڑک لباس میں ملبوس لڑکیاں موجود تھیں لیکن بے شمار موم بتیوں سے روشن اس کمرے میں اور ان چھپاتی ہوئی لڑکیوں کے درمیان سارہ سب سے الگ نظر آتی اور پہچانی جاتی تھی۔ اس نے آج ہی بیسویں سال میں قدم رکھا تھا اور اس کے رخسارہ کی دمک کے سامنے موم بتیوں کی روشنی ماند نظر آتی تھی اور اس کے جوان بدن سے کچھ ایسی بھرپور مقناطیسی کشش پھوٹ رہی تھی کہ ہر مرد بے اختیار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ سارہ کے گرد مردوں کا جمگھٹا تھا۔ وہ لوگ بار بار اسے سالگرہ کی مبارکباد دے رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک اس کا جام بھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور یہ در اصل سارہ

کے قریب رہنے اور اس کے جسم کے کسی حصے کو چھونے کا ایک بہانہ تھا۔

اور پھر ایک اشارہ پاکر، جو پہلے سے ہی طے شدہ تھا، ساری موم بتیاں بجھا دی گئیں۔

سارے ویٹروں نے پھونکیں مار کر بہ یک وقت ساری موم بتیاں بجھائیں تو ان کی پھونکوں کی آواز سانپ کی ایک زبردست پھنکار کی طرح کمرے کی فضا میں اس سرے سے اس سرے تک تیر گئی۔ اور پھر اس اندھیرے میں دعوت میں شریک ہونے والے مہمانوں نے ایک آواز ہو کر کہا:۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سارہ"

اور پھر:۔

"سالگرہ مبارک ہو سارہ"

اور پھر:۔

"خوش رہو اور پھولو پھلو سارہ"

اور آخر میں:۔

"زندگی کی مسرتیں تم پر نچھاور ہوں سارہ"

چند سکنڈ بعد موم بتیوں کو دوبارہ روشن کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا ایک خوبرو اور جامہ زیب نوجوان نے اپنا جام بلند کیا۔ اس نوجوان کا نام سائمن کارلی تھا اور جشنِ سالگرہ میں شریک ہر شخص جانتا تھا کہ سائمن اور اس کا بھائی پاؤلی دونوں ہی، سارہ سے شادی کرنے کے نہ صرف خواہشمند تھے بلکہ اس سلسلے میں دونوں بھائیوں میں کڑا مقابلہ ہو رہا تھا۔ رہی سارہ، تو اس کا تو یہ تھا کہ اب تک تو اس کا سلوک دونوں کے ساتھ ہی اُمید افزا رہا تھا۔ کبھی تو وہ سائمن کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی نظر آتی اور کبھی پاؤلی سے بے تکلف ہو جاتی۔ یہ صورت حال

ایک عرصے سے چلی آرہی تھی اور اس کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان غیر ضروری کھنچاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ سارہ کو احساس ہوا تھا کہ اب اسے بہت جلد ایک آخری فیصلہ کر کے اور دونوں بھائیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے ان کی رقابت کا خاتمہ کرنا ہوگا۔

کسی خاص وجہ سے اور کسی کو کچھ بتائے بغیر پاؤل اب تک اس جشنِ سالگرہ میں نہ آیا تھا چنانچہ سائمن نے اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"سارہ کے دوستو،" اس نے اپنی فتح کے خیال سے چیخ کر کہا" اس سالگرہ کی خوشی کے موقع پر میں سارہ کی سلامتی کا جام پی رہا ہوں۔ سارہ کو یہ بیسویں سالگرہ مبارک ہو۔ سارہ! میری طرف سے اور اپنے دوستوں کی طرف سے اپنی سالگرہ کی مبارکباد قبول کرو۔ خدا تمھیں خوش اور شاد کام رکھے"

مہمانوں نے تالیاں بجائیں اور مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔ سارہ نے قدرے خود پسندی سے مسکرا کر اپنا جام اٹھایا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے مہمان اسے یوں آسانی سے چھوڑنے والے نہ تھے۔ خصوصاً ایک شخص سارہ سے کچھ کہنے سننے کے لئے بہت بے تاب تھا۔ یہ شخص ضرورت سے کچھ زیادہ ہی موٹا تھا اور اس کی آنکھیں کانچ کی گولیوں کی طرح تھیں اور اس نے دوسروں سے دگنی شراب پی رکھی تھی۔ اس موٹے نے اپنی بلغمی آواز میں چیخ کر کہا:-

"جواب ـــ جواب ـــ کچھ کہو سارہ"

سارہ سرخ ہو گئی۔

"نہیں بھئی" وہ بولی۔

سائمن نے ایک بار پھر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا حق جتا دیا۔

"نہیں کیسے؟" وہ بولا" تمھیں کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی پڑے گا"

سنہ پاکر مہمانوں نے ایک بار پھر شور مچادیا۔ چنانچہ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر سارہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس موقع کے لئے نہ تو اس نے کوئی تقریر تیار کی تھی اور نہ ہی اس کی ریہرسل کی تھی۔ چنانچہ وہ ہچکچا رہی اور شرما رہی تھی اور اس عالم میں وہ اور بھی زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی۔

"اوہ ــ شکریہ" اس نے نہایت نیچی آواز میں کہا۔"م۔م۔میں آپ سب کی تہ دل سے مشکور ہوں"

ایک بار پھر تالیاں بجائی گئیں اور خوشی کے نعرے لگائے گئے۔

"واہ! بہت شاندار تقریر......" سائمن جوش اور خوشی سے جھوم کر چیخا۔

"ہاں۔ شاندار مختصر اور مکمل" اسی موٹے نے کہا جس کی شراب کی پیاس پر اب بھوک غالب آنے لگی تھی چنانچہ اس نے اضافہ کیا" اور بھی کیک کاٹا جائے"

اس پر سب ہنس پڑے اور سارہ چاقو کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس موقع پر سائمن نے پھر اپنی برتری اور تیزی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک چاقو سارہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور دوسروں کو پلیٹوں کے ساتھ تیار رہنے کا اشارہ کیا۔

اپنے مہمانوں کی مسکراتی اور بے تاب نگاہوں کے سامنے سارہ نے سالگرہ کے کیک کا پہلا ٹکڑا کاٹ کر سائمن کو دے دیا۔ سائمن نے کیک کے ٹکڑے والی پلیٹ اپنے پڑوسی کی طرف بڑھادی اور اس نے پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے مہمان کی طرف بڑھائی اور اس طرح یہ پلیٹ ہاتھوں ہاتھ سفر کرتی ہوئی اس کرسی تک پہنچ گئی جو خالی تھی۔ اس خالی کرسی کو دیکھ کر سارہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ دعوت اور جشن کے شروع ہونے کے بعد یہ پہلی دفعہ سارہ کی تیوری چڑھی تھی۔ مہمان حیرت سے منتظر تھے کہ وہ، جس کی کرسی خالی تھی، کہیں سے نکل کر سالگرہ کے سجے ہوئے کیک کے اس ٹکڑے پر اپنا حق جتائے اور انھیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ وہ تو نہ آیا جس

کی کرسی خالی تھی البتہ کانچ کی گولیوں جیسی آنکھوں والے موٹے نے میز پر جھک کر پلیٹ اٹھائی، کیک کا ٹکڑا اٹھایا اور اپنے غار جیسے منہ میں رکھ لیا۔

"سائمن! تمہارا بھائی کہاں ہے؟" موٹے نے لذیذ کیک چباتے ہوئے کہا۔ اور اب سارہ بھی جیسے چونک کر سائمن کی طرف گھوم گئی۔

"ہاں۔ واقعی۔ پاؤل کہاں ہے؟" اس نے بظاہر بے تعلقی سے پوچھا لیکن وہ اپنی دلی کیفیت کو چھپانے میں ناکام رہی۔

سائمن نے اپنے شانے اچکائے اسے اپنے بھائی پاؤل اور یہاں اس کی غیر موجودگی کی کوئی پروا نہ تھی۔

"وہ — وہ — بھول تو نہیں گیا ہوگا کہ آج میری سالگرہ ہے۔ کیوں؟" سارہ نے پھر پوچھا۔

"میرے خیال میں بھول تو نہیں سکتا" سائمن نے کہا۔

"تو پھر آیا کیوں نہیں؟"

"شاید کام زیادہ ہوگا۔

سائمن کے اس جواب پر سارہ بظاہر مطمئن ہو کر پارٹی کی طرف متوجہ ہو گئی اور لوگوں کے ساتھ ہنسنے بولنے لگی اس کے باوجود وہ پاؤل کی طرف سے متفکر تھی اور اس کی یہ دلی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ لیکن مہمان دعوت اڑانے میں ایسے مشغول تھے کہ کسی نے بھی سارہ کے بشرے پر کے جذبات کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن سائمن دوسرے مہمانوں کی طرح نہ تھا چنانچہ سارہ کے حسین چہرے پر چھایا ہوا پریشانی کا ہلکا سا بادل اس کی تیز نظر سے نہ چھپ سکا۔ اور سائمن سوچنے لگا کہ خدا جانے اس کا ناعاقبت اندیش چھوٹا بھائی اس وقت کہاں ہے اور کون سی شیطانی کر رہا ہے۔

پانچواں باب

اگر سارہ کو معلوم ہوتا کہ اس وقت پاوُل کہاں تھا اور اگر وہ نہ دیکھ سکتی کہ اس وقت وہ وہاں تھا تو وہ اسی وقت سائمن کی شادی کی وہ درخواست قبول کر لیتی جو اس نے نہ صرف بہت پہلے کی تھی بلکہ تب سے مسلسل کرتا چلا آرہا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شاید بلا تاخیر سائمن سے شادی بھی کر لیتی۔

حقیقت میں پاوُل اس ہوٹل سے صرف چند سو گز کے فاصلے پر تھا جس میں سارہ کی سالگرہ کا جشن منایا جا رہا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اس سالگرہ کے جشن میں شریک ہونا چاہتا تھا لیکن وہ لڑکی، جس کے ساتھ خوابگاہ میں پاوُل تھا' اسے کسی طرح چھوڑتی ہی نہ تھی۔ یہ لڑکی گویا جنس کی بھوکی تھی بلکہ یوں کہئے کہ پاوُل کی بھرپور جوانی کی بھوکی تھی۔ اس کی سیری کسی طرح سے ہوتی ہی نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آج پاوُل کو پوری طرح نچوڑ لے گی۔

اس لڑکی کا نام ایلس تھا اور وہ کلینس برگ کے صدر بلدیہ کی بیٹی تھی۔ اس کی خوابگاہ اس کے باپ کے گھر کی سب سے اوپری منزل پر تھی۔ حالانکہ ایلس کا یہ کمرہ عمارت کے دوسرے کمروں کی طرح زیادہ آرام دہ اور قیمتی فرنیچر سے سجا ہوا نہ تھا لیکن یہ سب سے الگ تھلگ اور محفوظ تھا جہاں بے دھڑک وہ گناہ کیا جا سکتا تھا جسے وہ پاوُل کے ساتھ مل کر اس وقت کر رہی تھی۔ بہرحال پاوُل کو یہ کمرہ بے حد پرسکون معلوم ہوا۔

"پرسکون"! اس کمرے کیلئے اس سے بہتر لفظ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے سوچا۔ "پرسکون اور موافق" اور وہ آپ ہی آپ مسکرایا۔

اس وقت وہ بالکل ننگا تھا اور ایلیس کے نرم بستر پر لیٹا ہوا تھا اور برہنہ ایلیس اس سے یوں لپٹی ہوئی تھی جیسے پاؤل دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہو۔

جنسی تعلق کے پہلے راؤنڈ کے بعد اب وہ دونوں آرام کر رہے تھے۔ پاؤل نے بڑے زبردست حملے کئے تھے لیکن ایلیس اس کا ہر حملہ برداشت کر گئی تھی اور انبساط سے ہولے ہولے کراہتی رہی تھی۔ چنانچہ اس پہلی جنسی جنگ کے بعد وہ دونوں قدرے تھک گئے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ ایک دوسرے کی جسمانی خوبصورتی اور گرمی سے محظوظ نہ ہو سکیں۔ ایلیس بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ اس وقفے میں بہت سا وقت محض بیکار ضائع ہو رہا تھا۔ اس کے پلنگ کے سرہانے ایک تختی لگی ہوئی تھی جس میں سنہری حروف میں بڑی خوبصورتی سے یہ ضرب المثل کڑھی تھی۔

"کل کرے سو آج کر
اور آج کرے سو اب"

اور ایلیس کم سے کم جسمانی تعلقات کے سلسلے میں اس مقولے پر بڑی پابندی اور جی جان سے عمل کر رہی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی پاؤل سے محض چمٹے رہنا اور کچھ نہ کرنا اسے ذرا کھلی رہا تھا۔ چنانچہ اس نے پاؤل کی چھاتی کے بالوں میں اپنا منہ دھنسا کر پوچھا:۔

"مزا آیا ڈارلنگ؟"

پاؤل کے خیالات اس وقت کہیں اور بھٹک رہے تھے اور وہ اس دعوت کے متعلق سوچ رہا تھا جہاں اسے اس وقت ہونا چاہئے تھا چنانچہ وہ ایلیس کے اس سوال پر چونکا۔

"ایں! کیا کہا تم نے؟" اس نے پوچھا۔

"پاؤل" ایلیس کی آواز اب غم آلودہ تھی "میں نے پوچھا تھا مزا آیا؟"۔

"کیا؟" پاڈل اب بھی اپنے آپ کو ایلس کی طرف متوجہ نہ کر سکا" او ہ۔ اس کے متعلق پوچھ رہی ہو؟ ہاں۔ بہت مزا آیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ کتنے بجے ہوں گے اس وقت؟"

ایلس نے اس کا سوال سنا ان سنا کر کے پوچھا۔

"سچ کہنا پہلے کبھی کسی لڑکی نے ایسا لطف دیا ہے؟"

"نہیں" پاڈل نے بیزاری سے جواب دیا اور ایک بار پھر پوچھا" کیا وقت ہوگا اس وقت؟"

ایلس نے سوچا کہ پاڈل اسے چھیڑ رہا تھا اور اسے بہر حال وہ مرد پسند تھا جسے حاصل کرنا ذرا مشکل ہو بشرطیکہ آخر میں وہ اسے نہ صرف گرے بلکہ جب تک چاہے اس سے لطف اندوز ہوتی رہے۔

"زیادہ رات نہیں گئی ہے" اس نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے" پاڈل نے مطمئن ہو کر کہا۔

"لیکن تم وقت کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟" ایلس نے پوچھا۔

لیکن اسے پاڈل سے جس جواب کی توقع تھی وہ اسے نہ ملا۔

"ذرا جانا ہے" پاڈل نے جواب دیا۔

ایلس ایک جھٹکے کے ساتھ یوں اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے کوئی اچانک کمرے میں گھس آیا ہو اس نے چادر اپنی برہنہ چھاتیوں پر ایک ہاتھ سے دبالی۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک جگہ"

"کسی دوسری لڑکی کے پاس؟" ایلس کی آواز میں غصہ اور شک تھا۔

"نہیں۔ نہیں" پاؤل نے جلدی سے جواب دیا۔

"تو پھر کہاں؟"

پاؤل تیزی سے سوچنے لگا۔

"وہ ۔۔۔ ار ۔۔۔ نائٹ اسکول میں"

"کیا۔ آ۔ آ؟"

"بات یہ ہے کہ میں ۔۔۔ اپنے علم میں اضافہ کر رہا ہوں ۔۔۔ سدھرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ چنانچہ رات کے اسکول میں جاتا ہوں"

ایلیس اطمینان کا سانس لے کر پھر لیٹ گئی۔

"ڈارلنگ! تم جیسے ہو اچھے ہو۔ سدھرنے کی کوشش نہ کرو" وہ بولی۔

عین اس وقت قریبی گرجا کی گھڑی گجر بجانے لگی اور اس کی آواز ان کے خلوت کدے میں در آئی ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ایلیس اس آواز کی طرف دھیان دئے بغیر بولتی چلی گئی۔

"ہائے ۔ وہ راتیں یاد آتی ہیں تو اب بھی میں اداس ہو جاتی ہوں جب میں اسی کمرے میں اور اسی بستر پر اکیلی پڑی اس منحوس گھڑی کی آواز سنا کرتی اور سوچا کرتی تھی کہ کب کوئی مرد میرے ساتھ میرے بستر پہ لیٹا ہوا ہوگا؟ تمھارے جیسا مرد ڈارلنگ ۔ اور دیکھو میری آرزو یہ پوری ہوئی کہ اس وقت تم میرے ساتھ ہو۔

وہ خود اپنے ماضی کی تنہائی کو یاد کرنے اور پھر حالیہ حالت پر اپنے آپ کو مبارکباد دینے میں اتنی مصروف تھی کہ اس نے پاؤل کے ہونٹوں کو ہلتے نہ دیکھا۔ وہ گجر گن رہا تھا۔

"سات ۔۔۔ آٹھ ۔۔۔ نو ۔۔۔" اس نے اونچی آواز میں کہا "نو بج گئے اور تم نے تو کہا تھا کہ ابھی زیادہ رات نہیں گئی ہے"

"ٹھیک ہی تو کہا تھا" ایلیس نے احتجاج کیا۔ "آجاؤ ڈارلنگ۔ اب اوپر آجاؤ، اور بھول جاؤ اپنے لعنتی نائٹ اسکول کو"

"نو بج گئے" پاؤل بڑبڑایا۔

اور دوسرے ہی لمحے وہ بستر سے باہر تھا۔ وہ اپنی قمیص اور پتلون تلاش کر رہا تھا جو اس نے اتار کر وہیں پھینکی تھی اور ایلیس بھوکی اور للچائی نظروں سے اس کے کسے ہوئے، کسرتی اور برہنہ جسم کو دیکھ رہی تھی۔

پاؤل بڑی عجلت میں کپڑے پہن رہا تھا تو اس کی کسی جیب میں سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکل کر فرش پر گرا۔ اس پر خوبصورت کاغذ لپٹا ہوا اور سرخ ربن بندھا ہوا تھا جیسا کہ اس پیکٹ پر ہوتا ہے جس میں کوئی تحفہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ گفٹ پیکٹ تھا اس سے پہلے کہ ایلیس اسے دیکھ لے پاؤل نے وہ پیکٹ اٹھا لینے کی کوشش کی لیکن ایلیس اسے دیکھ چکی تھی۔

"کیا ہے یہ؟" وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی "اپنے استاد کے لئے کوئی تحفہ لئے جا رہے ہو؟ — یہ تو جھوٹ بکتے ہو کہ نائٹ اسکول میں جا رہے ہو" اس کی آواز میں کرختگی آگئی "میں سمجھتی ہوں — بلکہ مجھے یقین ہے کہ تم کسی دوسری لڑکی کے پاس جا رہے ہو"

پاؤل اب کپڑے پہن چکا تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ایلیس کی طرف گھوم گیا۔

"شش۔ آہستہ بولو" اس نے کہا "وہ گھر کے نوکر ......"

ایلیس اتنی غصے میں تھی۔ اور اس کے خیال میں اس کی ایسی زبردست توہین کی گئی تھی کہ وہ اپنے آپ سے باہر ہو رہی تھی اور اب اسے نہ تو یہ خیال تھا کہ گھر کے نوکر سُن لیں گے یا پورا شہر سُن لے گا اس کی بلا سے جس کا جی چاہے سُنے۔ اور جب اس نے پاؤل کو پنجوں کے بل دروازے کی طرف جاتے دیکھا تو اس کے غصے کی

انتہا نہ رہی۔

"دوڑو" وہ چلائی" ارے لوگو دوڑو" اور پھر ملتجیانہ لہجے میں اضافہ کیا "پاؤل ڈارلنگ! واپس آ جاؤ"

وہ بستر ہی سے نکلنے لگی لیکن اس وقت تک پاؤل نہ صرف کمرے سے باہر آ چکا تھا بلکہ گزرگاہ میں یوں بھاگا جا رہا تھا جیسے اس کے پیچھے باؤلے کتوں کا غول لگ گیا۔ جیل سے بھاگے ہوئے قیدی کی طرح وہ گزرگاہ کے کئی موڑ مڑنے کے بعد اس زینے کے سرے پر پہنچ گیا جس پر اوپر سے نیچے تک موٹا اور سرخ قالین بچھا ہوا تھا پاؤل نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ ایلس کا کہیں پتہ نہ تھا لیکن وہ جانتا تھا۔ وہ دیوانی لڑکی زیادہ دور نہ ہوگی۔ وہ اس مکان کی گزرگاہوں سے اور راستوں سے پاؤل کی بہ نسبت زیادہ واقف تھی چنانچہ ہو سکتا تھا کہ وہ کسی دوسرے اور قریبی راستے سے آ رہی ہو۔ بہر حال اس مسئلے پر غور کرنے کا نہ یہ موقع تھا اور نہ وقت۔

وہ اندھا دھند زینہ اتر گیا، وسیع و عریض نشست گاہ کو عبور کر کے دروازے کے سامنے پہونچا ہی تھا کہ وہ اپنے آپ کھل گیا۔ پاؤل کے پیر جیسے فرش میں گڑ گئے اور وہ سوچنے لگا کہ خدا جانے یہ کون ہوگا جو دروازہ کھول کر اندر آنے والا تھا۔

اور دروازہ کھول کر جو شخص اندر آیا اسے پہچاننے میں پاؤل نے غلطی نہ کی۔ یہ موٹا شخص، جو شاندار اور مرعوب کن لباس میں ملبوس تھا، کوئی اور نہیں بلکہ خود صدر بلدیہ تھا جو شام کی میٹنگ میں شرکت کر کے واپس آیا تھا۔

ایک لمحے تک وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھتے رہے۔ ایلس کے باپ کی چپیاں سی آنکھیں، اس کے رخساروں کے سرخ ٹیلوں کے پیچھے سے

جیسے ایک دم سے طلوع ہو گئیں۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے اس نوجوان کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔

صدر بلدیہ سامنے کھڑے ہوئے نوجوان سے پہلا سوال پوچھنے ہی والا تھا کہ وہاں ایک ہستی اور بھی آ گئی۔ یہ ایلس تھی جس نے اپنے برہنہ جسم پر بستر کی سفید چادر لپیٹ رکھی تھی اور اس کے ریشمی بال پریشانی سے اِدھر اُدھر لہرا رہے تھے اور اس کی بھری بھری چھاتیاں غصے کی شدت سے اٹھ اور گر رہی تھیں۔

"میں تمھیں یوں نہ جانے دوں گی" ایلس نے غصے سے چیخ کر کہا اور پھر اس کی نظر صدر بلدیہ پر پڑی تو وہ اور بھی زور سے چیخ پڑی، "ابا!"

صدر بلدیہ صاحب کا موٹا جسم پھول کر اور پھیل کر جیسے دگنا ہو گیا اور جب وہ بولا ہے تو اس کی آواز میں صدارت کا سارا وقار موجود تھا۔

"ایلس!" اس نے کہا۔

اس کی بیٹی نے تھوک نگل کر اپنا خشک حلق تر کیا، چادر اپنے بدن پر ٹھیک کی اور دیکایک اس کے دماغ نے ایک قلابازی کھائی۔

"ابا! اس کمینے نے مجھ پر — حملہ کر دیا تھا" وہ ہسٹیریا کی مریضہ کی طرح چلائی۔

باڈل نے ایلس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ کوئی بدیسی زبان بول رہی ہو۔

"یہ — یہ — کھڑکی میں سے چڑھ کر — میرے کمرے میں آ گیا" ایلس نے کہا کم سے کم یہ تو سچ تھا۔ باڈل حقیقت میں براہ کھڑکی ایلس کے پاس پہنچا تھا۔

صدر بلدیہ صاحب کا غصہ نقطۂ عروج تک پہونچ گیا۔ اگر کسی نے اسے اڑنگا لگا کر اسے اپنے شاندار لباس سمیت گندی نالی میں لڑھکا دیا ہوتا تب بھی اتنا غصہ نہ آتا۔

"کمینے — ذلیل سور" صدر بلدیہ غرایا۔

ایلس جانتی تھی کہ خود اپنے آپ کو باپ کے غصے سے بچانے کا یہی راستہ تھا چنانچہ اس نے اپنی کہانی میں تھوڑا سا نمک مرچ لگا دی۔

"ابا اس نے مجھ سے —— وہ —— میری عزت لینے کی کوشش کی تھی" وہ بولی۔

ایلس کے اس بیان نے صدر بلدیہ سے زیادہ خود پاڈل کو دنگ کر دیا۔

صدر بلدیہ آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ پاڈل نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

"سنئے جناب۔ بات یہ ہے کہ میں......"

لیکن صدر بلدیہ اپنے دونوں ہاتھوں کے گوشت بھرے گھونسے تانے بدستور آگے بڑھتا رہا۔

پاڈل نے سمجھ لیا کہ اب کچھ بھی کہنا فضول ہو گا۔ معاملہ بگڑ چکا تھا چنانچہ اب یہ موٹا آدمی اس کی کسی بھی بات پر یقین نہ کرے گا۔ اس نے باپ اور بیٹی کو بیک وقت خدا حافظ کہہ دیا۔

"دیر ہو گئی ہے۔ میں چلتا ہوں" اس نے کہا اور دروازے کی طرف غوطہ مارا۔

اپنے ڈیل ڈول اور بے انتہا وزن کے باوجود صدر بلدیہ حیرت انگیز طور پر پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے ایک دم سے جھپٹ کر بھاگتے ہوئے پاڈل کے کوٹ کی دم پکڑ لی۔ پاڈل کے لئے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا کہ ہاتھ چلا دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کا گھونسہ صدر بلدیہ کے سینے پر پڑا وہ لڑکھڑا کر اپنی موٹی اور چوڑی پشت پر دھپ سے چت گرا۔ پاڈل ایک لمحے کے لئے یہ دیکھنے کے لئے رکا کہ صدر بلدیہ کو سخت یا خطرناک قسم کی چوٹ تو نہیں آئی تھی اور پھر پنجرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر چھوٹے ہوئے پرندے کی طرح باہر بھاگا

اور وہ بھی عین وقت پر کیونکہ اس وقت وہ نوکر اپنے آقا کی مدد کے لئے بھاگے آرہے تھے۔ انھوں نے چاہا کہ فرش پر پڑے ہوئے آقا کو سہارا دے کر اٹھا دیں لیکن جب وہ اس کے قریب پہونچے تو وہ فرش پر پڑے ہی پڑے دھاڑا۔

ابے بے وقوفو۔ مجھے ڈالو جہنم میں اور اس مردود کو پکڑو بھاگ کر۔

نوکر چند لمحے کے عالم میں چند ثانیوں تک کھڑے رہے اور پاؤل کو نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔

"ابے گدھو۔ مجھے چھوڑ دو" صدر بلدیہ گرجا "اور اس مردود کو پکڑ لاؤ"

اور جب نوکر باہر نکل کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے تو صدر بلدیہ کافی اوپر نیچے ہونے کے بعد اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب یہ کہنا مشکل تھا کہ زیادہ چوٹ کسے آئی تھی۔ اس کی ہڈیوں کو یا اس کے غرور کو۔

"ٹانگوں کے درمیان رہنے والا مردود بلا" صدر بلدیہ اٹھ کر اور اپنے کپڑے جھاڑ کر بڑبڑایا "جیل میں چکی پیسے گا تو سالے کی ساری گرمی دم کی راہ نکل جائے گی"

اور اس نے سر اٹھا کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے غصے، مایوسی اور ناکامی کے آنسو رواں تھے۔

چھٹا باب

اس عرصے میں سالگرہ کی پارٹی اپنے عروج پر پہونچ چکی تھی۔ ایک طرف چھوٹی سی جگہ میں ایک گروہ وائلن اور میلوڈین کی تال پر رقص کر رہا تھا۔ دوسری طرف چند نوجوانوں کی بھیڑ ایک کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے لگی ہوئی تھی۔ یہاں سب سے زیادہ شور تھا۔ ان کے چہرے شامپین کی کثرت سے سرخ اور دماغ دھندلے

ہو رہے تھے۔ یہ لوگ باری باری سے کھلی ہوئی کھڑکی کی باہر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اور شامپین کا ٹمبلر منھ سے لگا کر اور سر پیچھے جھکا کر اور کمر میں سے بھی پیچھے کی طرف جھک کر ایک ہی سانس میں شراب اس طرح پیتے کہ اپنا توازن برقرار رکھتے اور نہ پر سے نیچے سڑک پر نہ گرتے۔ کھیل ظاہر ہے کہ بڑا خطرناک تھا۔ ان کی چیخیں، نعرے اور قہقہے موسیقی کی آواز کو دبا رہی تھیں اور وہ اپنے اس خطرناک کھیل میں اتنے منہمک تھے کہ انھوں نے یہ تک نہ دیکھا کہ رقص ختم ہو گیا تھا۔ جن لڑکیوں کو انھوں نے اپنے اس کھیل کے پیچھے چھوڑ دیا تھا اور جن کی دمک باسی پھولوں کی طرح ہو رہی تھی، وہ ایک طرف کھڑی دم سادھے ان جیالے اور دیوانے نوجوانوں کی طرف دیکھ اور سوچ رہی تھیں کہ پہلے کون ختم ہوتا ہے۔ پیریا کھڑکی کی دہلیز کے عین کنارے پر کھڑا ہوا نوجوان سارہ جو اب تک برابر سائمن کے ساتھ رقص کرتی رہی تھی، خود اپنی دلچسپیوں میں اتنی ڈوبی ہوئی تھی کہ اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہ سکی کھڑکی کی دہلیز پر کھڑے ہو کر شراب پینے والوں کو تو اس نے دل ہی دل میں، لڑکیوں پر رعب جمانے والے کہہ دیا تھا۔ رہی وہ لڑکیاں، جو اس خطرناک کھیل کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے عارضی طور پر محروم ہو گئی تھیں، سو وہ سارہ کے نزدیک عام سی اور صبر کرنے والیاں۔ تھیں بہرحال اس کے لئے تو یہ بڑی معرکے کی بات تھی کہ وہ اب تک سائمن کے ساتھ ہی رقص کرتی رہی تھی کسی نے اسے سائمن سے اور لڑکی نے سائمن کو اس سے چھین لینے کی کوشش نہ کی تھی اور ان دونوں کا یہ ساتھ خاص دلچسپی، نعروں اور فقرے بازی کا ہدف بنا رہا تھا۔

اب وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے ڈانس فلور سے ادھر آئے تو ایک ویٹر نے جلدی سے ان کی خدمت میں شامپین پیش کر دی۔ ایک دوسرا نوجوان جو ذرا ابھی رقص چھوڑ کر شراب سے حلق تر کرنے آ گیا۔ لڑکا خاصا خوبرو تھا لیکن لڑکی کی ناک بھی سی تھی۔

لڑکے نے اپنے بھورے بالوں کے گھونسلے کو جھٹک کر اور کانوں تک مسکرا کر سارہ سے کہا :۔

"بے حد پر لطف اور شاندار پارٹی ہے خدا قسم۔"

"خدا کرے کہ تمھیں بھی اتنا ہی مزا آرہا ہو جتنا کہ ہمیں" لڑکی کا ساتھی اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کر کے بولا۔

وہ جوڑا شراب پی کر آگے بڑھ گیا اور سائمن نے معنی خیز نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا۔ وہ خوبصورت دانتوں والا رسمی طور پر جو بات کہہ گیا تھا اسے سائمن نے نئے معنی پہنا دئے تھے۔

"کیوں سارہ! آرہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

سارہ اس خلاف توقع اور عجیب سوال سے چونک پڑی۔

"کیا؟ — کیا آرہا ہے؟"

"مزا۔"

"کاہے میں؟"

"میرے خدا، کہاں بھٹک رہے ہیں تمھارے خیالات؟ میں نے پوچھا تھا پارٹی سے لطف اندوز ہو رہی ہو کہ نہیں"

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ بہت"

سائمن نے اپنا جام بلند کیا

"تو پھر ڈارلنگ ایک بار پھر سالگرہ مبارک ہو"

اور پھر فوراً ہی سائمن کے چہرے پر جھنجھلاہٹ دوڑ گئی۔

"اوہ!" وہ بڑبڑایا۔

"کیا ہوا ؟"

"میں تو بھول ہی گیا تھا۔ لعنت ہو ایسے دماغ پر"

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال لیا۔

"میں تمہیں یہ دینا تو بھول ہی گیا تھا"

اور اس نے پیکٹ سارہ کو دے دیا۔ جس کی خوشی میں اب پریشانی کا عنصر ٹمٹمانے لگا تھا۔ پیکٹ کھولنے سے پہلے وہ چند ثانیوں تک بے بس سی کھڑی رہی اور پھر اوپر کا کاغذ نوچ کر الگ پھینکا۔ اندر ایک چھوٹی سی ڈبیہ تھی۔ اس نے ڈبیہ کھولی تو پیازی رنگ کی مخملی گدی پر انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔ نازک اور خوبصورت۔ اس نے ڈبیہ میں سے انگوٹھی نکال کر اپنی ہتھیلی پر یوں رکھ لی جیسے حقیقت میں وہ بے بہا ہو۔

"ہائے۔ کس قدر خوبصورت ہے" وہ بولی۔

سائمن کے چہرے پر رنگ زرد پڑ گیا۔

"پسند آئی؟"

"بہت"

"مجھے خوف ہے کہ ذرا چھوٹی ہے"

"لیکن ہائے۔ کتنی خوبصورت ہے" سارہ نے کہا "بہت بہت شکریہ ڈارلنگ"

اور اس نے پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر سائمن کے رخسار پر ایک ہوائی بوسہ ثبت کر دیا۔ انگوٹھی پہنی اور ہاتھ لمبا کر کے سائمن کے سامنے نچانے لگی۔

"لو دیکھو" وہ بولی۔ "ہے کہ نہیں شاندار"

سائمن نے اپنی مایوسی چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"مجھے تو امید تھی سارہ کہ تم یہ انگوٹھی دوسری انگلی میں پہنو گی"

سارہ نے حیرت سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اس نے بغیر کچھ سوچے بے خیالی میں

انگوٹھی اپنے ہاتھ کی شہادت کے پاس والی انگلی میں پہن لی تھی نہ کہ تیسری انگلی میں۔ اب وہ اپنی اس غلطی کی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہہ سکتی تھی۔ اس کے اس عمل نے سب کچھ ظاہر کر دیا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں نوجوانوں کا خطرناک کھیل اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ ایک نوجوان، جو ابھی کم عمر لڑکا ہی تھا اور جس نے مہین کپڑے کی شام کی قمیص پہن رکھی تھی، کھڑکی کی دہلیز کے کنارے پر کھڑا بڑی خطرناکی سے ڈول رہا تھا۔ وہ پیچھے کی طرف بہت زیادہ جھک گیا تھا اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ سنبھل نہ سکے گا اور نیچے سڑک پر گر کر جاں بحق ہو جائے گا۔ لیکن پھر اس نے اپنا توازن قائم کر لیا۔ اپنے ساتھیوں کی طرف فتحمندی سے دیکھا اور کھڑکی پر سے کود کر کمرے میں آ گیا۔

سارہ کی نظریں تو اسی طرف تھیں لیکن درحقیقت وہ کچھ نہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے لئے تو یہ سارا منظر دھندلے اور مبہم سایوں کا گورکھ دھندا سا تھا اور ان لوگوں کے قہقہے اور نعرے بے مقصد اور بے معنی آوازوں کا ایک طوفان۔ سائمن کو احساس ہوا کہ اس وقت سارہ کی دلی کیفیت کیا تھی اور اس احساس نے اس کے دل پر آرے چلا دیئے۔

"تو پھر تم نے پاڈل کو پسند کر لیا ہے سارہ؟" اس نے مایوسی سے پوچھا۔

سارہ جواب دینے کے لئے اس کی طرف گھوم گئی۔ لیکن اس کا جواب سائمن کو ایک خلافِ توقع اور زوردار واقعہ سے مل گیا۔

کمرے کا دروازہ دفعتہً ایک دھکے کے ساتھ کھلا اور اس میں کوئی اور نہیں بلکہ خود پاڈل کھڑا ہوا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا اور پسینے میں شرابور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میلوں دور سے بھاگتا ہوا آیا ہو اس کے باوجود جن ہوسے شرارت ٹپک رہی تھی۔

یہ پہلا موقع نہ تھا کہ کسی لڑکی کے بپھرے ہوئے باپ یا اس کے نوکروں نے اس کا تعاقب کیا ہو۔ ہر دفعہ وہ لڑکیوں کے ساتھ سونے میں ان کے والدین یا ان کے نمک حلال ملازموں کو اپنے پیچھے لگا لیتا تھا۔ اور اس کے بعد تو بہ کرنے کے بجائے دعا کرتا تھا کہ یہ آخری دفعہ نہ ہو۔ اس کے نزدیک کسی لڑکی کو فتح کرنے میں اتنا لطف نہیں آتا جتنا کہ بھانڈا پھوٹ جانے اور پھر تعاقب کرنے والوں سے بچنے میں آتا تھا۔ اس کے خیال میں اس طرح ایک معمولی سی "عشق بازی" ایک جرأت مندانہ مہم میں تبدیل ہو جاتی تھی اور پاؤل فطرتاً مہم جو تھا۔

چنانچہ اب جب وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر رنگ رلیاں مناتے ہوئے مہمانوں کے درمیان راستہ بناتا آگے بڑھا تو اس کی اس حرکت میں بھی ایک مہم کی سی شان تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بڑا ہی ہر دلعزیز مہمان تھا کیونکہ ہر طرف سے سوالات پوچھے جا رہے تھے۔

"بہت دیر سے آئے یار۔ کیا بات ہوئی؟"

"کہاں رہے اب تک۔ ایں؟"

"یہ مت پوچھو ورنہ یہ سالا سب کچھ بتا دے گا اور ہم خواہ مخواہ کباب ہو جائیں گے۔"

پاؤل کی پیٹھ پر جو تھپڑ پڑ رہے تھے ان کی وجہ سے اسے یقیناً تکلیف ہو گی لیکن وہ ہر تھپڑ اور ہر فقرے پر بڑی خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔

اور پھر وہ سارہ کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس کے بشرے پر کے جذبات تبدیل ہو گئے اب اس سے انتہائی سنجیدگی اور خجالت عیاں تھی۔

"سارہ ۔۔۔ سائمن ۔۔۔" اس نے بڑے خلوص سے کہا "مجھے واقعی افسوس ہے۔"

سائمن نے اپنے بھائی کی طرف اپنے مخصوص ملے جلے جذبات سے دیکھا۔ نفرت سے، رشک سے اور محبت سے۔ یہ آخری جذبہ پہلے جذبات سے شدید تھا۔

کہاں تھے؟" سائمن نے رکھائی سے پوچھا۔

پاؤل اپنے بھائی کے سامنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

آپ میرے بڑے بھائی ہیں چنانچہ یہ معلوم کرنے کا آپ کو یقیناً حق حاصل ہے چنانچہ عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے ۔۔ اور ۔۔ دراصل میں ۔۔ آہم ۔۔ اپنے شہر کے صدرِ بلدیہ کے پاس تھا۔ ملاقات ہوئی اس عظیم ہستی سے میری۔

اس خلافِ توقع انکشاف پر سارہ اپنی حیرت نہ چھپا سکی۔

"پاؤل! تم نے ملاقات کی اُن سے؟" اس نے پوچھا۔

پاؤل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جناب۔ وہ تو مجھے آنے ہی نہ دیتے تھے۔ بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر آیا ہوں"

"یہ تم مذاق کر رہے ہو" سائمن نے اعتراض کیا۔

"لو۔ گلے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں بھائی جان"

اور اس نے بڑے قلندرانہ انداز میں اپنے گلے پر اپنا ہاتھ چھری کی طرح رکھ دیا اور جب اسے ہٹایا تو وہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی ہوئی کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ اس نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ چیز نکالی جسے وہ بھول ہی گیا تھا یہ بھی تحفہ کا پیکیٹ تھا اور اتنا ہی بڑا جتنا کہ سائمن نے سارا کو دیا تھا۔ پاؤل نے بھی یہ تحفہ مخلصانہ اور پاک جذبات کے ساتھ سارہ کی طرف بڑھا دیا۔

"سالگرہ مبارک ہو سارہ" وہ بولا۔

وہ یہی جملہ اس دن ہزاروں زبانوں سے ہزاروں دفعہ سن چکی تھی لیکن یہی وہ شخص تھا جس سے یہ جملہ سننے کے لئے بے تاب تھی اور جب وہ پیکیٹ کھول رہی تھی تو خود جانتی نہ تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے اس کے دل میں جذبات کا ایک طوفان سا اٹھا ہوا تھا۔ وہ اس خیال سے خوفزدہ تھی کہ اگر پاؤل بھی اس کے لئے انگوٹھی ہی لایا ہے

تو پھر اسے یہ انگوٹھی بھی پہننی پڑے گی اور اس طرح وہ سائمن کے جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچائے گی۔

لیکن جب اس نے پیکٹ کھول کر تحفہ دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔ پاؤل نے تحفے کے انتخاب میں حسب معمول اپنی بلند ذوقی اور موقع شناسی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے سارہ کو تحفہ میں ایک بے حد عمدہ لاکٹ دیا تھا جو خالص چاندی کا تھا اور اس میں سارہ کی تصویر جڑی ہوئی تھی جس کی طرف پاؤل نے مسکرا کر اشارہ کیا اور کہا:۔

"سالگرہ کی دلہن بہ نفس نفیس"

صدر بلدیہ کے دولت خانے پر کی ہماہمی بھاگ میں تصویر کے اوپر کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا لیکن پاؤل کو اسکا پتہ نہ تھا اور سارہ اسے پاؤل کی نظروں سے چھپانے کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ اتنی گڑبڑائی ہوئی تھی کہ نہیں جانتی تھی کہ کن الفاظ اور کس طرح شکریہ ادا کرے۔

"ہائے — پاؤل" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔

سارہ کے جذبات سے متاثر ہو کر پاؤل نے اپنے تحفہ کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی۔

"بات یہ ہے کہ — آہم — یہ میری فوٹوگرافی کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے" اس نے کہا۔

"بہت خوبصورت ہے" سارہ آہستہ سے بولی۔

اپنی صاف دلی اور بزرگی کا ثبوت دیتے ہوئے سائمن نے لاکٹ اور تصویر کا مطالعہ کیا۔

"اتنا تو میں بھی کہوں گا" وہ بولا "کہ فوٹوگرافی کی استعداد بہرحال تم میں موجود ہے اور فریم واقعی بہت عمدہ ہے۔ یہ قیمتی چیزیں خریدنے کے لئے تم پیسے کہاں سے

لانے ہو۔"

"بھائی صاحب!" پاؤل نے طنز کی "تم کوئی مفلس طالب علم نہیں ہو۔"
اس چوٹ پر سائمن تلملا کر بولا۔

"شاید میں ابھی مفلس ہوں لیکن جب میں قانون کا امتحان پاس کر کے مشہور وکیل بن جاؤں گا تب دیکھنا"

پاؤل نے تکبر سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔

"شاباش! تب ہم آپ کا ایک شاندار فوٹو کھنچیں گے۔"

اس نے سارہ کے ہاتھ سے لاکٹ لے لیا اور اس کی عمدہ بناوٹ دیکھنے کے لئے اسے کبھی ادھر اور کبھی ادھر گھماتے ہوئے بولا۔

"ہے کہ نہیں نادر چیز۔ کیا عمدہ اور باریک کام ......"

اور دفعتہً اس کی آواز ڈوب گئی کیونکہ اس نے فریم کا ٹوٹا ہوا شیشہ دیکھ لیا تھا

"ارے!" وہ جھنجھلا گیا "میں بھی نرا گدھا ہوں۔ یہ دیکھو میں نے اس کا شیشہ ہی توڑ دیا"

"کوئی بات نہیں" سارہ نے جلدی سے کہا۔ "شیشہ ٹوٹ گیا تو کیا ہوا۔ یہ تو مجھے پسند ہے اور میں تمھارا یہ تحفہ قبول کرتی ہوں"

"نہیں" پاؤل نے کہا۔ "میں خود اپنے ہاتھوں سے نیا شیشہ لگاؤں گا۔ کل صبح سب سے پہلے یہی کام کروں گا"

وہ لاکٹ اپنی جیب میں رکھنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کچھ گڑبڑ ہوئی اور وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔ پہلے تو اس نے سمجھا کہ کوئی شرابی کبابی جبراً اندر گھسنا چاہتا ہے۔ لیکن جب اس نے مہمانوں کے سروں کے اوپر سے اور غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آنے والے نہ تو شرابی تھے اور نہ ہی بے فکرے طالب علم بلکہ معبد علیہ کے ایک درجن

جنہیں اس نے شکاری کتوں کی طرح پاؤل کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ خدا جانے کس طرح وہ وہ خود یہاں تک اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اب معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاؤل کو تیر کا جا کر یک لے جائیں گے۔ پاؤل کو احساس ہوا کہ عصمت دری کا الزام ہے۔ پھر وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے دوستوں میں اس کی عزت و توقیر ایکدم سے کم کر دے گا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جس طرح ماتی خانے گیا تھا اسی طرح اب یہاں سے اپنی عزت بچا کر رخصت ہو جائے۔

چنانچہ اس نے سارہ کی طرف گھوم کر تاسف سے کہا۔

"سارہ! اب میں چلتا ہوں۔ مجبوری ہے۔"

سارہ ایکدم سے متفکر ہو گئی۔

"ہائے پاؤل۔ کیا کر کے آئے ہو اس دفعہ؟" وہ بولی۔

سائمن نے بہر حال سمجھ لیا تھا کہ اس کے بھائی نے کیا گل کھلایا ہو گا چنانچہ اس نے جھنجھلا کر کہا:۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے پاؤل ۔۔؟"

صدر بلدیہ کے ملازموں میں سے ایک نے جو پورا دیو کا دیو تھا، پاؤل کو دیکھ لیا تھا اور اب وہ راستہ روکنے والوں کو بڑی آسانی سے ادھر ادھر دھکیلتا آگے بڑھے چلا آ رہا تھا۔ دوسرا ملازم بھی اس کے پیچھے تھا اور وہ ہر اس شخص کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑے اکھڑپن سے دائیں، بائیں یا پیچھے دھکیل دیتا تھا جو اس کی راہ میں حائل ہوتا۔ مہمانوں نے اپنی دوستی اور خلوص کا ثبوت اس طرح دیا کہ وہ ان دونوں ملازموں کو قدم قدم پر روکتے رہے لیکن وہ کسی کے روکے نہ رکے۔

ظاہر ہے کہ پاؤل کے لئے اب دروازے سے فرار ہونا ممکن نہ رہا تھا چنانچہ وہ کسی دوسرے راستے کی تلاش میں پورے کمرے میں دوڑ گیا لیکن کوئی راستہ نہ ملا۔ آخر کار وہ

اپنے دوستوں کی مدد سے اس کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے پہنچ گیا جس کی دہلیز پر وہ خطرناک کھیل کھیلا جا رہا تھا اور جو اب مکمل کھلی تھی۔

صدر بلدیہ کے ملازم بڑے یقین سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ بہت قریب پہنچ گئے تھے اور وہاں موجود ہر شخص کو یقین ہو چکا تھا کہ پاؤل اب بہر حال پھنس گیا ہے اور اس کے بچنے کا کوئی صورت نہیں۔ لیکن خود پاؤل ان کے اس یقین میں شریک نہ تھا۔

"مجھے معاف کر دینا سارا" وہ بولا ایک بار پھر سالگرہ مبارک ہو

اور اس سے پہلے کہ کوئی ــــ دوست یا دشمن ــــ اسے روک سکتا وہ کھڑکی پر چڑھ گیا۔ اس نے ایک بار گھوم کر پیچھے دیکھا، کھڑکی کی باہر کی دہلیز پہ پل بھر کے لئے اکڑوں بیٹھ گیا اور پھر اس نے خودکشی کرنے والے شخص کی طرح وہاں سے نیچے اور رات کے اندھیرے میں چھلانگ لگا دی۔

اس کے اس طرح کے فوری اور جرأت مندانہ بلکہ سنسنی خیز فرار نے پارٹی کے چکر کو ایک دم سے روک دیا۔ کچھ دیر تک تو پارٹی بڑے لگڑے پن سے چلتی رہی لیکن اب بقول کسے" رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا"۔

لڑکیوں نے اپنے ساتھیوں کو اشارے کئے اور وہ سب کے سب اپنے اوور کوٹ لیکر رخصت ہونے لگے اور اس بیچ میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا گیا۔ موسیقاروں نے اپنے ساز بند کئے اور ویٹر بے کھلی بوتلیں لے کر سر ہلاتے رخصت ہوئے۔

اور اب سائمن اور سارہ خالی ڈھنڈھار کمرے میں اکیلے کھڑے ہوئے تھے اور ان دو مہمانوں کی طرح معلوم ہوتے تھے جنہوں نے دعوت نامے پر کی تاریخ غلط پڑھ

لی ہو چنانچہ دعوت میں شریک ہونے غلط شام کو آگئے ہوں ۔ ان کے لئے بھی اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ گھر چلے جائیں جب سائمن نے اسے گھر پہنچا دینے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں تو سارہ نے اس کی یہ پیشکش خلافِ معمول فوراً اور بڑی خوشی سے قبول کر لی ۔

وہ لوگ سڑک پر آگئے اور تب چھٹکی ہوئی چاندنی میں سائمن نے دیکھا کہ سارہ کچھ کھوئی کھوئی سی اور پریشان تھی ۔ سائمن نے جب اس سے بات کی تو وہ ہوں ہاں کر کے ٹال گئی چنانچہ سارہ کی اس چپ نے سائمن کو بھی خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا ۔

چنانچہ ان کا سارا راستہ خاموشی میں طے ہوا البتہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ کر سارہ نے قدرے بشاشت کا اظہار کیا بلکہ یوں کہئے کہ اس کی کوشش کی ۔ سائمن نے اسکی کمر اپنے بازو کے حلقے میں لے کر بڑی امید سے پوچھا ۔

" ڈارلنگ ! یادگار پارٹی تھی ۔ تھی نا ؟ "

سارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا ۔ وہ نہ چاہتی تھی کہ پاول کا واقعہ سائمن کے لئے اداسی کا باعث بنے ۔

" اور مبارک بھی ؟ " سائمن نے پھر پر امید ہو کر پوچھا

" ہاں ۔ یادگار اور مبارک " اس نے جواب دیا " اس پارٹی کا شکریہ سائمن "

" مجھے تو بہت لطف آیا " سائمن نے بڑے خلوص سے کہا

سارہ نے پنجوں پر اٹھ کر سائمن کے رخساروں پر ہلکا سا بوسہ دیا ۔

" بس تو پھر پارٹی مکمل تھی " وہ بولی ۔

" سچ کہتی ؟ "

سارہ کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں ۔

" ہاں ۔ صرف ۔۔۔۔۔۔ "

وہ خاموش ہو گئی تو سائمن نے اس کا فقرہ پورا کر دیا۔

"صرف پاؤل کی فکر ہے" وہ بولا۔

"ہاں۔ اسے کچھ ہو تو نہ ہو گا؟"

یہی سوال پہلے بھی کئی اور مختلف عمر کی لڑکیاں سائمن سے کئی دفعہ پوچھ چکی تھیں اور اس نے ان سب کو ایک ہی جواب دیا۔

چنانچہ اس نے سارہ کو بھی یہی جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اسے پہلے بھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ پاؤل اور مصیبت پرانے دوست ہیں۔"

سارہ نے ٹھنڈا سانس دیا۔

"یہ میں جانتی ہوں"

"اتنی فکر ہے تمھیں اس کی؟"

یہ سوال سے زیادہ ایک فیصلہ تھا۔ سارہ چند ثانیوں تک سر جھکا کر کچھ سوچتی رہی اور پھر اس نے سر اٹھایا اور اب پہلی دفعہ براہِ راست اور عجیب نظروں سے سائمن کی طرف دیکھا۔

"وہ — وہ — مجھے پسند ہے" وہ بڑی احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کر رہی تھی "بہت سی لڑکیاں اسے پسند کرتی ہیں اور میں اس کی طرف سے اس لئے متفکر ہوں کہ وہ تمھارا بھائی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تمھیں ایک دوسرے سے کتنی محبت ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تمھارے دل کو کوئی صدمہ پہنچے۔"

سائمن اس کا کوئی جواب نہ دے سکا البتہ اس نے سارہ کی کمر پر اپنی گرفت قدرے مضبوط کر دی اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ خدا کرے کہ سارہ اس کے بازو کے دباؤ کو۔ اس کی سانس کو جو وہ سارہ کے گلابی گالوں پر بکھیر رہا تھا اور اس کے بوسوں کو دل ہی دل میں پا کر لگے نہ سمجھ رہی ہو۔

ساتواں باب

سارہ کی پریشانی اپنی جگہ چاہے جتنی درست کیوں نہ ہو لیکن سائمن نے اپنے پچھلے تجربات کی بنا پر جو یہ کہا تھا کہ وہ فکر نہ کرے پاؤل کو کچھ نہ ہوا ہوگا تو یہ اس نے غلط نہ کہا تھا۔ گھر کی بھیدتیں اکثر دفعہ کسی خاص آدمی کے لیے ایک مثل کہا کرتی ہیں کہ "کھوٹا روپیہ گم نہیں ہوتا اور بھونڈا آدمی کبھی مرتا نہیں" یہی مثل اس وقت پاؤل پر صادق آئی تھی۔

پاؤل نے جب کھڑکی میں سے چھلانگ لگادی تو وہ نیچے سڑک پر کھڑی ہوئی ایک بے حد سجی ہوئی اور نفیس بگھی کی چھت پر، ٹانگوں کے بل گرا۔ بگھی کی چھت بھی پوری بگھی کی طرح نمود و نمائش اور اس کے مالک کی شان ظاہر کرنے کے لئے نازک بنی ہوئی تھی چنانچہ پاؤل کے گرتے ہی وہ پتلے چوبی تختے کی طرح ٹوٹ گئی اور خود پاؤل جیسے چھت پھاڑ کے اندر گرا۔ چند لمحوں تک تو وہ بگھی کی نرم مخملی سیٹ پر بے سدھ سا پڑا رہا کوچوان جو باہر اپنے بکس پر بیٹھا اونگھ رہا تھا پاؤل کے یوں اچانک گرنے کے دھکے سے پہلو کے بل لڑھک کر چھپکلی کی طرح ٹپ سے سڑک پر گرا اور بگھی کے گھوڑے بھڑک کر اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے۔ یہ سب کچھ صرف تین سکنڈ میں ہو گیا اور چوتھے سکنڈ میں بھڑکے ہوئے گھوڑے کوچوان کو سڑک پر چیت پڑا چھوڑ کر بگھی سمیت بے تحاشہ بھاگے جا رہے تھے۔

جب پاؤل کے حواس بجا ہوئے تو اس نے اپنے آپ کو پیالی میں لڑھکتی ہوئی گوٹ کی طرح ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر گرتے اور لڑھکتے پایا۔ اپنے آپ کو بچانے کی دیوانہ وار کوشش میں اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

بگھی خطرناک تیزی سے ایک موڑ مڑ گئی اور الٹتے الٹتے بچی۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو پاڈل رینگ کر دروازے تک آیا اور جھانک کر باہر دیکھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ایک ایسی میری گو راؤنڈ میں بیٹھا ہوا ہو جس کا کنٹرول ٹوٹ گیا ہو مکانات۔ کھڑکیوں، دروازوں اور چمنیوں کا الجھیڑا بنے دیوانہ وار پیچھے بھاگ رہے تھے۔ بگھی اسی گردن توڑ تیزی سے دوسرا موڑ مڑ گئی اور رات کے وقت مٹر گشت کرتے ہوئے چند بے فکروں نے بظاہر خالی نظر آئی اور بغیر کوچوان کے بھاگتی ہوئی اس بگھی کی طرف یوں منہ پھاڑ کر دیکھا جیسے بھوتوں کی کسی مقامی کہانی میں سے نکل آئی ہو۔

ان لوگوں کے چہروں پر حیرت اور خوف کے آثار دیکھ کر پاڈل کو دفعتہ احساس ہوا کہ یقیناً کوئی خاص بات تھی۔ گردن ٹوٹ جانے کا خطرہ مول لے کر اس نے اپنا سر کھڑکی سے باہر نکالا اور کوچوان کے بکس کی طرف دیکھا۔ وہاں کوچوان نہ تھا۔ لمحہ بھر کے لئے پاڈل کا پورا جسم خوف سے سن ہو گیا اس نے سمجھ لیا کہ اگر گھوڑوں کو قابو میں نہ کیا گیا تو جلد ہی اگر جان لیوا نہیں تو خونی حادثہ ضرور ہو جائے گا۔ اس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کوشش کر کے کوچوان کے بکس پر آجائے۔

اس نے دروازہ کھولا اور بڑی احتیاط سے بگھی کے پائدان پر آگیا جو عبداللہ کے بھاری بھرکم جسم کا بوجھ روز روز برداشت کر کے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی نیچے کی طرف جھک گیا تھا۔

اب وہ براہ راست ہوا کی زد میں تھا جو اس کے چہرے پر تھپیڑ مار رہی تھی اور اس کے کانوں میں سیٹیاں بجا رہی تھی چنانچہ پاڈل کو ایسا معلوم ہوا جیسے بگھی کی رفتار پہلے سے دگنی ہو گئی ہو۔ دروازہ کا دستہ اور ہر وہ چیز جس سے وہ سہارا لے سکتا تھا، پکڑ کر وہ ایک ایک انچ کر کے بگھی کے پہلو سے چپکا کوچوان کے بکس کی طرف بڑھا۔ اندھا دھند بھاگتی ہوئی بگھی ناہموار سڑک کے کھڈوں پر دو دفعہ

اچھلی اور دونوں ہی دفعہ پاڈل گرتے گرتے بال بال بچ گیا۔ بہر حال دونوں ہی دفعہ وہ سنبھلنے اور اپنا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

جب تیزی سے بھاگتے ہوئے مکانات پیچھے چھوٹ گئے اور ان کی جگہ کھیتوں کی مینڈوں، بلند باڑوں اور درختوں نے لے لی تو اس وقت پاڈل کوچوان کے بکس کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے اپنے پنجوں کو اکڑا کر اور جسم کی ساری قوت صرف کر کے ایک آخری کوشش کی اور وہ کوچوان کے بکس پر تھا۔

اس نے جھک کر لٹکتی ہوئی باگیں تھام لیں اور انھیں ہو۔ او۔ او۔ کی آواز کے ساتھ اپنی طرف کھینچا اگر گھوڑوں نے باگوں کے اشاروں کو محسوس کیا تھا تو انھوں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے ہوئے اپنی رفتار کم نہ کی۔ جب سے وہ اس بگھی میں جتنے لگے تھے تب سے انھوں نے ڈلکی کے علاوہ کوئی اور چال نہ چلی تھی۔ وہ ڈلکی چال سے بگھی کو کلینس برگ کی سڑکوں پر کھینچتے اور اس میں بیٹھا ہوا صدر بلدیہ راہگیروں اور دکانداروں کے سلاموں کے جواب مسکرا کر اور گردن کے اشارے سے دیا کرتا تھا۔ اور ان گھوڑوں نے ایک وقت میں اپنے مالک کے گھر سے کسی دعوت کے مقام تک کا ہی سفر کیا تھا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ برسوں سے وہ ڈلکی چال کے اور مختصر سے سفر کے عادی تھے اور اب پہلی دفعہ انھیں اپنی تیزی اور طراری دکھانے کا اور اپنے حوصلے نکالنے کا موقع ملا تھا چنانچہ اب کوئی انھیں قابو میں نہ کر سکتا تھا۔

پاڈل نے حیرت اور خوف سے محسوس کیا کہ گھوڑوں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔

اس نے پیچھے کی طرف جھک کر پوری قوت سے باگیں کھینچیں لیکن کچھ نہ ہوا۔ بجائے اس کے کہ باگوں کا کھنچاؤ گھوڑوں کو روکتا الٹا اس نے تازیانے کا کام کیا اور پاڈل کو خوف کے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔

صورت حال اب ایک بے ضرر اور دلچسپ رومانی دوڑ سے بڑھ کر ایک سنسنی خیز ڈراؤنے

میں تبدیل ہو چلی تھی جس کا انجام اتفاقیہ موت کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ اب وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا کہ باگیں کھینچے بیٹھا رہے اور اس اُمید سے سڑک کی طرف دیکھتا رہے کہ شاید کوئی آتا جاتا شخص سڑک کے عین بیچ میں کھڑے ہو کر اور اپنی جان پر کھیل کر گھوڑوں کو روک لے۔

چند منٹ بعد ہی وہ کوچوان کے بکس پر آنے کے لئے اپنے آپ کو گالیاں دے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ بگھی کے اندر ہی بیٹھا رہا ہوتا تو اچھا ہوتا کیوں کہ سامنے اور ایک سو گز سے بھی کم فاصلے پر اور سڑک پر وہ روک دکھائی دے رہی تھی جو ٹرانسلوانیا کو کلینس برگ سے الگ کرتی تھی۔ یہ روک دم بہ دم قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔ اس روک سے گزر کر دوسری سرحد میں داخل ہونے کی کارروائی بڑی مختصر سی ہوا کرتی تھی اور سراسر رسمی کیونکہ یہ روک ایک ہی علاقے کے دو مختار صوبوں کو الگ کرتی تھی اور بس۔ لیکن آج رات اس رسمی کارروائی کا انتظام نہ تھا۔ حالانکہ روک پر سرخ جھنڈیوں والی لالٹین لگی ہوئی تھیں لیکن سرحدی پولیس افسر کہیں نظر نہ آتے تھے اور پھر یہ بات بھی تھی کہ گھوڑوں نے اپنی رفتار ذرا بھی کم نہ کی چنانچہ معلوم ہوا کہ انھوں نے یہ روک اور اس پر کی سرخ روشنیاں دیکھی ہی نہیں۔

گھوڑوں اور روک کی اٹل ٹکر میں جو چند سکنڈ باقی رہ گئے تھے ان میں پاول نے تیزی سے دو فیصلے کر لئے۔ ایک تو یہ کہ روک پر متعین افسر یا تو قریب کی کوٹھی میں، جس میں روشنی ہو رہی تھی، بیٹھے تاش کھیل رہے تھے یا پھر اسی دیہاتی لڑکی کو چت لٹا کر اس سے باری باری اپنی آرزو پوری کر رہے تھے جو کچھ کمانے کی غرض سے اس طرف آ گئی ہو گی اور دوسری یہ کہ روک اٹھانے اور اسے زخمی ہونے سے بچانے کے لئے وہاں کوئی نہ تھا۔

اور اب پاول کو ایسا معلوم ہوا جیسے گھوڑے اور روک یکساں تیزی اور ر

لغتاد سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے اس نے دل ہی دل میں مختصر سی دعا مانگی، باگیں کھینچیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ اگر وہ اس طرح حماقت اور دیوانگی سے مرنے والا تھا تو پھر وہ اپنی اس قسم کی موت کو قریب آتے نہ دیکھنا چاہتا تھا وہ آنکھیں بند کئے موت کا منتظر بیٹھا تھا کہ اس نے دفعتہ بگھی کو ڈگمگاتے محسوس کیا اور پھر بڑی خوفناک آواز کے ساتھ لکڑیوں کے ٹوٹنے کے چٹاخے اور تڑاخے سنائی دئے۔ پاؤل کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ بگھی ایکدم سے ہوا میں یوں اچھلی جیسے اسے منجنیق کے ذریعہ پھینکا گیا ہو۔ وہ پھر زمین پر گری اور اس کی دونوں آہنی کلائیاں کھنچ کر چرچرا اٹھیں۔

پاؤل نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے دیکھا کہ وہ نہ صرف زندہ بلکہ سلامت اور سالم بھی تھا۔ اور اب معاملہ اس کی سمجھ میں آیا۔ عین وقت پر گھوڑے روک کے سامنے سے دفعتہ مڑ کر قریبی باڑ کو توڑتے ہوئے نکل گئے تھے۔

پاؤل نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ باڑ ٹوٹی ہوئی تھی اور سرحد پر متعین دو محافظ ہڑبڑا کر کوٹھی میں سے باہر بھاگ آئے تھے۔ وہ نیم برہنہ تھے یا تو وہ بستر میں گھسنے کی تیاری کرتے ہوئے باہر بھاگ آئے تھے یا بستر میں سے نکل کر آئے تھے ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی رائفل اٹھائی اور اندھا دھند چلا دی۔ گولی پاؤل کے سر پر سے سنسناتی نکل چلی گئی۔ اس نے پاؤل کو تو کوئی نقصان نہ پہنچایا البتہ گھوڑوں کو دہشت زدہ کر دیا انہوں نے ہنہنا ہنہنا کر اپنی رفتار اور بھی تیز کر دی اور انتہائی خوف کے عالم میں سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں بھاگ پڑے۔

یہ پاؤل کی خوش قسمتی تھی کہ گھوڑے جن کھیتوں میں بھاگ رہے تھے ان میں اب تک ہل نہ چلایا گیا تھا اور پھر یہ کہ وہ جس طرف بھاگ رہے تھے اس طرف

بازیں نہ تھیں۔ اس وحشت ناک دوڑ میں کچھ دیر کے بعد گھوڑے آخرکار پاؤل سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ بگھی کو گھسیٹتے ہوئے اور درختوں سے بال بال بچتے ہوئے اندھا دھند بھاگے جا رہے تھے کہ ایک درخت کی نیچے لٹکتی ہوئی ٹہنی سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے پاؤل کے شانے سے ٹکرائی۔ وہ بگھی پر سے اچھل کر اوندھے سر کے بل کھیت میں یوں گرا جیسے کسی دیوتائی ہاتھ نے تھپڑ مار کر اسے پھینک دیا ہو۔

گھوڑے اپنے ساتھ بگھی کو کھینچتے ہوئے اسی وحشتناکی سے بھاگتے چلے گئے۔

اور پاؤل جہاں گرا تھا وہیں پڑا رہا۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا اور اس کے بعد پاؤل کے حواس اتنے بجا ہوئے کہ وہ اٹھ کر بیٹھنے اور پھر کھڑے ہونے میں کامیاب ہو سکا۔

اس نے اٹھ کر سب سے پہلے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ اس کے انجر پنجر بے شک ڈھیلے ہو گئے تھے لیکن شکر ہے کہ ساری ہڈیاں سلامت تھیں۔ خراشیں تو بے شمار تھیں لیکن معجزانہ طور پر اس کی ہنسلی یا پسلی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔

آدھی رات گزر چکی تھی اور وہ کسی بھی قریب ترین مکان یا فارم سے میلوں دور تھا۔ اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ وہ اردگرد کے بلند درخت بھی بمشکل دیکھ سکتا تھا البتہ ان درختوں کے خوفناک سے سائے اس کی ہمت پست کر رہے تھے۔

پاؤل شہر کا لڑکا تھا چنانچہ وہ لندن، پیرس یا روم جیسے جگمگاتے شہروں میں یوں اچانک پہنچ جاتا تو اجنبیت اور گھبراہٹ محسوس نہ کرتا لیکن اس قسم کے اندھیرے اور خاموش ماحول کا وہ نہ تو عادی تھا اور نہ ہی کبھی دیہاتی زندگی کا اسے تجربہ ہوا تھا چنانچہ اس کی ساری ہمت اور ساری مہم جوئی دفعتہ کوچ کر گئی اور اب وہ ایک عام سا سہما ہوا لڑکا تھا جسے تنہائی کا اور اجنبی ماحول کا احساس اور بھی سہما رہا تھا۔

پاؤل شاید اس سے واقف نہ تھا لیکن ایلیس جیسی تیز فہم، چالاک اور ہوس پرست لڑکیاں اس ظاہری نقاب کو پہچان لیتی تھیں جو پاؤل نے اپنے چہرے پر چڑھا رکھی تھی۔ اور یہ نقاب تھی مہم جوئی اور اندھی جرأت کی۔ اس نقاب کے پیچھے ایلیس جیسی لڑکیاں اس دوسرے پاؤل کو پہچان لیتی تھیں وہ جنسی معاملات میں کسی شیطان کی طرح۔ جوشیلا اور جذبات سے ابلتا ہوا تھا اور یہی پاؤل تھا جسے لڑکیاں پسند کرتی اور اسے اپنی خوابگاہوں میں آنے کی دعوت دیتی تھیں

اور اس وقت یہاں، اس اندھیرے اور خاموش ماحول میں، پاؤل کی یہ نقاب اتر گئی اور اندھیرے اور مکمل ترین خاموشی کی ہیبتناکی اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگیں۔

بہر حال اس نے کوشش کر کے اپنا دل مضبوط کیا اور ظلمت کے اندھیرے میں لنگڑاتا ہوا چل پڑا۔ اگر پتا بھی کھڑکتا تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا کبھی کوئی جھاڑی اس کے قدموں تلے آکر سرسراتی تو وہ اچھل پڑتا اور رات کا کوا اپنی بھیانک اور منحوس آواز میں ایک دفعہ چیخ کر خاموش ہو گیا تو پاؤل کا دل یوں دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

پاؤل انتہائی مایوسی کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ صبح کبھی نہ ہو گی اور یہ کہ وہ کسی جگہ پہنچے بغیر قیامت تک بس یونہی اندھیرے میں بھٹکتا رہے گا۔

چند لمحوں بعد ہی وہ وقت اور فاصلوں کا احساس کھو چکا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ وہ ہمیشہ سے چل رہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔ مدت ہوئی کہ موہوم سی امید بھی اس کے دل کی گہرائیوں میں ڈوب چکی تھی۔

بے آب و گیاہ صحرائے اعظم کی وسعتوں میں راستہ بھولے اور بھٹکتے ہوئے تنہا مسافر کی طرح پاؤل بھی ہر طرف سے مایوس ہو کر دیوانگی کی سرحد پہ پہنچ رہا تھا کہ اگکا

اسے اپنے سامنے ایک سرائے نظر آئی۔ وہ یوں فوری طور سے سامنے آگئی تھی کہ پاؤل چونک کر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کہیں یہ خواب یا نظر کا دھوکا نہ ہو۔

سرائے کی بند کھڑکیوں میں روشنی نہ تھی۔ سرائے اس رات کے لئے بند ہو چکی تھی یا کیا پتہ یہ بے حد پرانی سرائے اب ویران ہی پڑی ہو۔ پاؤل کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ سرائے چاہے بند ہو چکی ہو یا ویران ہو اسے تو بہر حال کسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی اور یہ عمارت اس کی یہ غرض بہر حال پوری کر سکتی تھی۔

وہ بے دھڑک پھاٹک میں داخل ہوا، صحن عبور کیا اور اُمید سے دھڑکتے دل کو قابو میں کر کے بند دروازے پر دستک دینے لگا۔

آٹھواں باب

بار میڈ کے طور پر اس سرائے میں جولی کا وہ پہلا دن تھا۔ وہ اسی دن وہاں ملازم ہوئی تھی اور دن بھر گاہکوں کو شراب دینے اور مگ اور جام دینے میں اتنی معروف رہی تھی کہ اسے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہ کام جب سے پیدا ہوئی ہے تبھی سے کر رہی ہے۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن شراب پیش کرتے وقت گاہکوں کے فحش فقروں پر اسے مسکرانا پڑتا تھا، چھاتیوں اور کولھوں کی طرف لپکتے ہوئے بھوکے ہاتھوں سے بچنا پڑتا تھا، اسے آغوش میں سمیٹنے کے لئے پھیلتے ہوئے دیہاتی بازوؤں سے غوطہ مار کر نکلنا پڑتا تھا اور اپنے رخساروں پر کھُردری انگلیوں کی تکلیف دہ چٹکیاں مسکرا مسکرا کر برداشت کرنی پڑی تھیں۔ یہ بات نہ تھی کہ جولی کو مردوں کی اس چھیڑ چھاڑ سے نفرت تھی۔ جی نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن مرد جب صاف ستھرے ہوں تو اس قسم کی باتوں میں لطف آتا ہے لیکن اس سرائے کے جس

کا نام سرائے کا سل تھا، گاہک ایسے نہ تھے۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں، ان کے ہاتھ کھردرے تھے، ان کے مٹی اور پسینے کی کھٹی بو کے بھبکے اُٹھتے تھے، لباس گندے تھے اور پھر وہ شراب بے تحاشہ پیتے تھے اور عورت کو آغوش میں لینے کے طریقے سے بھی واقف نہ تھے۔ بہر حال وہ سب کے سب دہقان تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنی بدصورتی کے باوجود اپنے آپ کو عورت مار سمجھتا تھا لیکن جوئی کا اگر بس چلتا تو وہ ان سب کو مار کر بھگا دیتی۔ جاہل جنٹھ کہیں کے۔

رات کے دو بج چکے تھے جب آخری گاہک شراب کے نشے میں دھت لڑکھڑاتا اور گرتا پڑتا سرائے سے رخصت ہوا تھا۔ اس کے بعد جوئی کا آدھا گھنٹہ سرائے کو صبح کے گاہکوں کے لئے صاف اور تیار کرتے گزر گیا تھا۔ زینے کے ساتھ پہ دیوار پہ لگی ہوئی دادا ابا قسم کی پرانی گھڑی خرخرا کر تین کا گجر بجا رہی تھی جب جوئی اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ ابھی اس نے تکیے پر سر رکھا ہی تھا اور ابھی اسے نیند آئی ہی تھی کہ کوئی اس کے دماغ میں گھس کر مسلسل دستک دینے لگا۔ کھٹ کھٹ۔ کھٹ کھٹ جوئی نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔ دستک کی آواز اب پھیل کر پورے کمرے میں بھر گئی تھی۔

چند ثانیوں تک تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ کیا ہو رہا تھا اور پھر اسے احساس ہوا کہ کوئی سرائے کے بیرونی دروازے کو دیوانہ وار کھٹکھٹا رہا تھا۔ دستک دے رہا تھا۔ جو پتہ نہیں کون تھا۔ بہت پریشان اور خوفزدہ تھا۔ وہ اٹھ کر بستر میں بیٹھ گئی اور نائٹ گون اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ وہ پریشان تھی کہ کیا کرے۔ پھر وہ اٹھی اور پنجوں کے بل چل کر کھڑکی کے قریب پہنچی۔ اس نے کھڑکی پر کا پردہ ایک طرف ہٹایا اور احتیاط سے جھانک کر باہر دیکھا۔

ابتداء میں تو وہ کچھ دیکھ ہی نہ سکی۔ لیکن جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی

ہوئیں تو اسے ایک نوجوان کا سایہ دکھائی دیا۔ وہ دروازے سے چند قدم پیچھے ہٹ کر سرائے کا جیسے جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بے ترتیب لباس اور بکھرے ہوئے بالوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ٹھگوں کے گروہ سے جنگ کر کے آیا تھا۔ لیکن اس کی اس حالت کے باوجود بھی یہ کہنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی شریف اور اعلیٰ خاندان کا فرد اور مہذب تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اسے آوارہ گردوں اور اوباشوں سے صاف الگ کر رہے تھے چنانچہ جولی نے اطمینان کا سانس لے کر کھڑکی پوری کھول دی اور جھک کر نیچے دیکھا۔ پاؤل نے کمر میں سے خم ہو کر پہلے اسے سلام کیا اور پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ فراخ مسکراہٹ تھی اس کی پرکشش اور جوانی کی گرمی لئے ہوئے۔

"کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟" اس نے خوف سے زیادہ دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اندر آنا چاہتا ہوں" پاؤل نے جواب دیا "میں ذرا ۔۔۔۔"

پاؤل کی مسکراہٹ اور بھی پھیل گئی۔

"ہاں۔ یہ تو میں دیکھ رہا ہوں لیکن ۔۔۔۔۔۔"

"مجھے واقعی افسوس ہے" جولی نے سچ مچ تاسف سے کہا۔ "مگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ضرور اندر آنے دیتی۔"

"تو پھر میں کہاں جاؤں؟" پاؤل نے پوچھا۔ اس کی امید پھر ساتھ چھوڑنے لگی تھی۔

جولی چند ثانیوں تک کچھ سوچتی رہی۔

"اور تو کوئی جگہ نہیں ہے کم سے کم اس گاؤں میں نہیں ہے اور دوسرا گاؤں یہاں سے نو میل دور ہے۔ یہاں قریب میں اور تو کوئی جگہ نہیں ہے سوائے قصر کے۔"

"قصر؟"

"ہاں۔ جلنے کے بعد جتنا کچھ بچ رہا ہے۔"

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔

"تو وہاں بستر اور ناشتے وغیرہ کا انتظام ہے؟ میرا مطلب ہے کہ اس قبر میں؟"
پاؤل نے مسخرے پن سے پوچھا

لیکن جب اس کے اس لطیفے کا اثر الٹا ہوا تو پاؤل کی حیرت کی انتہا نہ رہی
بجائے اس کے کہ جولی ہنس پڑتی اس کے بشرے سے اور آنکھوں سے خوف
ٹپکنے لگا۔

"نہیں — تم وہاں نہیں جا سکتے۔ وہ بولی "تمھیں وہاں نہیں جانا چاہیئے"۔
پاؤل کا شوقِ تجسس، جو اکثر دفعہ اسے مصیبت میں پھنسا چکا تھا، بیدار ہو گیا۔

"اچھا!" پاؤل نے کہا "اور میں وہاں کیوں نہیں جا سکتا بھلا؟"
جولی ہکلانے لگی۔

"وہ — ت — تو — م۔م۔ میں نہیں جانتی۔ میں خود یہاں
نئی آئی ہوں۔ لیکن تمھیں بہر حال وہاں نہیں جانا چاہیئے۔ کم سے کم رات کے
وقت نہیں"

پاؤل نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔

"تب تو بھائی رات اسی جگہ گزارنی پڑے گی"۔

اور وہ وہیں بیٹھ گیا اور پھر بڑے اطمینان سے کہنی کے بل نیم دراز ہو گیا۔
اس نے ایک جمائی لی اور پھر ایک انگڑائی لے کر سر جھٹکا۔ جولی بے چین ہو گئی،
کیونکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ نوجوان حقیقت میں دروازے کے باہر ہی پڑا رہے گا۔

"نہیں۔ نہیں۔ تم یہاں نہیں سو سکتے" وہ بولی۔

"کیوں؟"

"سردی لگ جائے گی تمھیں اور مر جاؤ گے"

پاوُل نے پورا منہ پھاڑ کر ایک اور جبڑے توڑ قسم کی جمائی لی۔

"شاید۔ لیکن اور کوئی راستہ بھی تو نہیں" وہ بولا۔

اس ٹھلّے نوجوان کی ضد نے جولی کو اتنا پریشان کیا کہ وہ سرائے کے مالک اور اس کے قانون کو بھول گئی۔

"ارے نہیں۔ رُک جاؤ۔ ایک منٹ" وہ جلدی سے بولی اور کھڑکی کے پیچھے سے ہٹ گئی۔

پاوُل حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات محسوس کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی کہ قصر کے متعلق اس کے بے ضرر مذاق نے اس لڑکی کو یوں خوفزدہ کیوں کر دیا تھا۔ قصر اور اس کے متعلق بعد میں تحقیق کرنے کا فیصلہ کر کے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ دروازے کے سامنے کھڑا اندر سے چٹخنی کھلنے کی آواز سنتا رہا۔ پھر آڑ اٹھانے کی آواز آئی۔ وہ منتظر رہا اور جب دروازہ کھلا تو اس نے دیکھا کہ جولی قریب سے اور زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ پھر اس نے کچھ اور بھی دیکھا جس کی وجہ سے وہ آپ ہی آپ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ جب جولی اوپری منزل کی کھڑکی میں سے جھک کر اس سے گفتگو کر رہی تھی تو اس کے نائٹ گون کے سارے بٹن گلے تک بند تھے۔ لیکن اب اوپر کے تین بٹن کھلے ہوئے تھے اور اسے دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ دروازہ کھولتے آتے وقت جولی نے اپنا لباس خاص طور سے ٹھیک کیا تھا۔ پچھلے کئی گھنٹوں کے بعد پاوُل کو یہ پہلا نیک شگون معلوم ہوا۔

وہ کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر' بار میں آ گیا تو جولی نے ناک پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

بات یہ ہے کہ اندھیرا ہو جانے کے بعد ہم لوگ اندر سے دروازہ بند کر دیتے

جولی نے جھنجھنی اور پھر آرڈر لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" پاؤل نے حیرت سے کہا "وہ کیوں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی" جولی نے جواب دیا: "اس کے متعلق یہاں کے لوگوں نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔ لیکن ایک بات جانتی ہوں کہ اس علاقے کا کوئی بھی آدمی، پھر کیسا ہی سورما کیوں نہ ہو، اندھیرا اترنے کے بعد کسی قیمت پر اپنے گھر کا دروازہ کسی کے لئے بھی نہ کھولے گا اور کسی اجنبی کے لئے تو مر جائے گا تب بھی نہ کھولے گا۔

"عجیب رواج ہے۔ لیکن سچ کہنا میں چور اچکا معلوم ہوتا ہوں" پاؤل نے پوچھا" اور پھر بڑا لمبا سفر کر کے آیا ہوں حالانکہ قصور میرا نہ تھا۔

جولی نے کوئی جواب نہ دیا تو پاؤل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں بے حد تھکا ہوا ہوں اور بھیڑیے کی طرح بھوکا ہوں۔ مجھے اپنے دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں شریک ہونا تھا لیکن ایک ضروری کام کے سلسلے میں وہاں سے مجھے بھگا دیا گیا"

"پھر کیا ہوا؟" جولی نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے سواری کرنی پڑی ــــ میرا مطلب ہے بگھی میں جس میں برق رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ خلاف توقع تھا"

جولی اب بھی نہ سمجھ سکی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے البتہ اس نے جو کچھ کہا اس میں کم سے کم دو باتیں تو سچ تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ تھکا ہوا تھا اور دوسری یہ کہ وہ واقعی بھوکا معلوم ہوتا تھا۔

"کھانا تو میں کچھ دے سکتی ہوں" جولی نے کہا" لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ دعوت کا سا مرغن اور لذیذ نہ ہوگا"

"بھوک میں خشک روٹی بھی نعمت معلوم ہوتی ہے۔ شکریہ" پاؤل نے کہا ہونے

کے لئے کمرہ ؟"

جولی نے نفی میں سر ہلایا۔

"کمرہ تو ۔۔۔ کوئی نہیں ہے"

"پاؤل مایوس نظر آنے لگا۔

"تو پھر بستر ہی سہی" اس نے حل پیش کیا۔

جولی سرخ ہو گئی۔

"مجھے افسوس ہے۔ بستر بھی نہیں ہے" وہ بولی۔

پاؤل ایک لمحہ تک خاموش رہا اور پھر ایک عزم سے کہا۔

"اگر کسی کے ساتھ اس کے بستر میں سونے کو مل جائے تب بھی چلے گا"

جولی نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

"تم چاہو تو یہی ہو" وہ آہستہ سے بولی۔

پاؤل نے آدھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ وہ گویا آدھا تو جولی کے بستر میں گھس چکا تھا چنانچہ اب اس نے اس سے فائدہ اٹھا کر معاملہ آگے بڑھایا۔

"قسم کھاتا ہوں کہ میں تمھیں کسی ۔۔۔ مصیبت میں نہ پھنساؤں گا" وہ بولا۔

"یہ تم کر بھی نہیں سکتے" جولی نے اس کے جال میں برضا و رغبت پھنستے ہوئے کہا" میں اپ اپنی حفاظت کر سکتی ہوں"

پاؤل اپنے شکار کے اور قریب آیا۔

"میں ایک دم خاموش رہوں گا۔ ادھر تکئیے پر سر رکھا اور ادھر نیند آگئی۔ کیا؟"

"ہاں۔ ہاں۔ جانتی ہوں" جولی کے دل میں گدگدی ہو رہی تھی" یہ باتیں میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔ گویا میں تمھارے کہنے پر اعتبار کر لوں گی"

"سچ کہتا ہوں ۔۔۔ یقین کرو میں اتنا تھکا ہوا ہوں کہ بڑی کوششوں سے اس

وقت بھی نیند کو روکے ہوئے ہوں"

"لیکن — میرا خیال ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم بھوکے ہو؟"

"کھانا نا۔ بھیڑیئے کی طرح"

اس نے آگے بڑھ کر جولی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"اب تم سمجھ سکتی ہو کہ مجھے کاہے کی بھوک ہے" وہ بولا۔

اس کا ہاتھ کمر پر سے ہٹ کر اوپر رینگ گیا۔ اور پھر آہستہ سے جولی کے نائٹ گون کے کھلے ہوئے گریبان میں داخل ہو کر اس کی چھاتیوں پر ہاتھ پھیلنے لگا۔ جولی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔

"ایک وقت میں ایک کام" جولی نے اپنے آپ کو پاؤل کے سپرد کر دیا۔

پاؤل نے اپنا سر جھکایا، جولی نے اپنا سر پیچھے ڈھلکایا۔ اور دونوں کے ہونٹ مل گئے۔ جولی کی گرم زبان نے پاؤل کے دانتوں کے درمیان سے گزر کر اس کی زبان کو تلاش کر لیا۔

ان کا یہ بوسہ اتنا طویل تھا اور وہ دونوں یوں سرگرمی سے ہم آغوش تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی سرائے کے مالک کو نہ تو آتے دیکھا اور نہ ہی اس کے آنے کی آواز سنی۔ وہ زینہ اتر کر نیچے آ گیا تھا۔ اس کے سر پر رات کی کھنڈنے دار ٹوپی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتی، وہ چند ثانیوں تک اپنے دل میں جوانی کے جوشیلے جذبات اور غصہ لئے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔

اور پھر اس پر غصہ غالب آ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" وہ بولا "آج رات جو کچھ کرنے والے ہو اس کی ریہرسل ہو رہی ہے؟"

جولی کانپ کر — اور اس کی یہ کپکپی خوف کی تھی — پاؤل سے الگ ہو گئی

یہ اطمینان کر گے کہ اس نے جولی کا جوش اور مستی ٹھنڈی کر دی ہے سرائے کا مالک پاؤل کی طرف گھوم گیا اور اپنا غصہ بھی اسی کی طرف پھیر دیا۔

"میں پوچھتا ہوں یہ اندر کیسے گھس آیا؟" وہ دھاڑا۔

جولی کو اپنی قوت گویائی واپس مل گئی۔ اس نے جواب دیا۔

"یہ — یہ — مسافر ہیں — راستہ بھول گئے — اور — اور — دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے تو — تو — میں نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔"

سرائے کے مالک نے غصے سے بے قابو ہو کر جلتی ہوئی موم بتی جولی کی طرف کھینچ ماری۔

"بیوقوف — گدھی" وہ گرجا "اچھی طرح تجھے سمجھا دیا تھا کہ جب سرائے کا دروازہ بند کر دیا جائے تو پھر کسی کے لئے نہ کھولا جائے پھر تو نے خواہ لارڈ گورنر ہی کیوں نہ ہو"

معلوم ایسا ہوتا تھا کہ سرائے کا مالک جولی کو پیٹ دے گا چنانچہ پاؤل جلدی سے آگے بڑھ کر دونوں کے درمیان آگیا۔

"قصور لڑکی کا نہیں ہے" وہ بولا "بلکہ میرا ہے"

سرائے کے مالک نے اس نوجوان کے کسرتی اور سخت پٹھوں والے جسم کا جائزہ لیا۔ حالانکہ وہ تھکا ہوا تھا اور اس کے بازوؤں پر اور چہرے پر خراشیں تھیں لیکن اس حالت میں بھی وہ موٹے اور تو ندیل سرائے کے مالک کو دو ہی گھونسوں میں زمین چٹا سکتا تھا اور اس کا احساس سرائے کے مالک کو بھی تھا۔

"نکلو یہاں سے" سرائے کے مالک نے بے تابی سے کہا "اور اگر پھر کبھی یہاں دکھائی دیا تو یہ تمھارے حق میں برا ہوگا۔"

اول تو پاؤل وہاں سے جانا نہ چاہتا تھا کیونکہ اس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا

اور پھر وہ جونی کو سرائے کے مالک کے غصے کے رحم و کرم پہ بھی چھوڑنے کے تیار نہ تھا۔

"آپ ذرا میری بات تو سنیئے" اس نے کہا۔

سرائے کے مالک نے دھمکی آمیز انداز میں جلتی ہوئی موم بتی اس کی آنکھوں کے سامنے ہلائی۔

"سنا نہیں تم نے؟ نکلو یہاں سے"

اب پاؤل کو بھی غصہ آگیا تھا۔

"ہاں۔ سنا" اس نے جواب دیا" میں ......"

دفعتہ وہ خاموش ہو گیا کیونکہ اس نے دیکھا کہ سرائے کا مالک اب اس کی طرف متوجہ نہ تھا اور نہ ہی وہ اس کی بات سن رہا تھا۔ اس کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا اور وہ باہر سے آتی ہوئی کسی آواز کو سن رہا تھا یا سننے کی کوشش کر رہا تھا

وہ تینوں ایک سکنڈ تک خاموش کھڑے رہے۔

اب پاؤل بھی وہ آواز سن رہا تھا۔ جو کہیں دور سے آرہی تھی لیکن دم بہ دم قریب ہوتی جارہی تھی۔ وہ تیز اور واضح ہو گئی

بھاگتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپوں کی اور بگھی کے پہیوں کی آواز۔ پاؤل کو پہلا خیال یہ آیا کہ یہ وہی بگھی تھی جس میں سے وہ گر پڑا تھا اور اب وہی بگھی کسی معجزے کے اثر سے اس کے پیچھے ہی پیچھے اس طرف آگئی تھی لیکن فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ یہ ناممکن تھا۔ اس بگھی کے بھڑکتے ہوئے گھوڑے بگھی کو لے کر اس وقت تک میلوں دور پہنچ چکے ہوئے ہوں گے اور اسی برق رفتاری سے اگر دوسرے ملک کی طرف نہیں تو دوسرے شہر کی طرف جا رہے ہوں گے اس کے علاوہ سرائے کے مالک کے ماتھے سے جو ٹھنڈا پسینہ ٹپک رہا تھا اور

اس کے موٹے جسم پر خوف کی جو کپکپی طاری تھی وہ کسی دوسری ہی خوفناک چیز کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔

سرائے کا مالک ایک دم سے ڈگمگا گیا اور موم بتی اس کے ہاتھ سے تقریباً چھوٹ گئی

"یہ کیا......؟" پاؤل نے کہنا شروع کیا

لیکن وہ آگے نہ کہہ سکا۔ سرائے کے مالک نے بے قراری سے ہاتھ ہلا کر اسے خاموش کر دیا۔ حیرت زدہ پاؤل نے اپنی زبان روک لی۔

پاؤل ایک سناٹے کے عالم میں کھڑا تھا کہ سرائے کے مالک نے جنبش کی۔ وہ پنجوں کے بل آگے بڑھا، وہ دروازے کے قریب پہنچا، اس نے دروازہ ذرا سا کھولا اور ڈرتے ڈرتے باہر دیکھا۔

ایک لمحہ بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ سرائے کے مالک کو یقیناً باہر وہ چیز دکھائی نہ دی تھی جس سے وہ اتنا سہم گیا تھا۔

گھوڑوں کی ٹاپوں اور بگھی کی آواز دور ہو کر غائب ہو گئی تھی اور رات خاموش تھی۔ یہ خاموشی کچھ غیر فطری اور غیر ارضی سی تھی۔

دروازے کے قریب سے ہی سرائے کے مالک نے سر گھما کر پاؤل کی طرف دیکھا اور پھر صرف ایک لفظ کہا:-

"نکلو" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

پاؤل نے جولی کی طرف دیکھ کر مایوسی اور مجبوری سے شانے اچکائے۔ آخر وہ اس موٹے شخص کی نوکرانی تھی اور اس کی تابع فرمان۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ پاؤل کو اپنی مرضی سے وہاں نہ ٹھہرا سکتی تھی۔ وہ بچاری بھی مجبور تھی۔ اس کا منہ لٹک گیا اور آنکھوں سے اداسی ہویدا ہو گئی۔ پاؤل نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا اور دروازے کی طرف چلا۔

"بہر حال شکریہ جناب۔ بڑے مہمان نواز ہیں آپ" اس نے سرائے کے مالک سے کہا" اُمید ہے کہ قصر میں مجھ سے ایسا سلوک نہ کیا جائے گا"

وہ باہر نکل گیا تو سرائے کے مالک نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

جولی نے ایک آخری کوشش کی۔

"نہیں۔ نہیں قصر میں نہیں، اس کی آواز بلند ہو گئی" خدا کے لئے اسے روکو۔۔ اسے قصر میں نہ جانے دو"

سرائے کا مالک غصّے اور نفرت سے بھینسے کی طرح پھنکارا۔

"وہ چاہے قصر میں جائے چاہے جہنم میں" وہ بولا" اور تم اب جاؤ سیدھی اپنے بستر میں"

جولی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ اس کی ایک بھی نہ سنی جائے گی چنانچہ وہ سر جھکا کر زینے کی طرف بڑھی وہ اپنی پیٹھ پر سرائے کے مالک کی نگاہیں محسوس کر رہی تھی۔

سرائے کے مالک نے ایک آخری چر کا لگاتے ہوئے کہا۔

"اور دیکھو۔ بستر میں اکیلی ہی سونا۔ اگر کسی اور کو اپنے ساتھ سلا لیا تو اس سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔

نواں باب

بادل اس سڑک پہ چل پڑا جو سرائے سے آگے بڑھ کر قصر جانے کی طرف جاتی تھی۔ پورے علاقے پر نم اور بھوری دھند اتر آئی تھی۔ یہ دھند عجیب پراسرار قسم کی اور تقریباً بالکل زندہ چیز تھی جو کسی زندہ چیز کی طرح بادل کی نتھنوں میں گھس کر دھمکی

ٹانگوں سے اور اس کے کوٹ کے اوپر اٹھے ہوئے کالر میں سے رینگ کر اس کے سینے سے لپٹ رہی تھی ۔ وہ اس دھند کو کھنکھجورے کی طرح اپنے جسم کے مختلف حصوں پر رینگتے محسوس کر رہا تھا ۔ اس نے خوف کی کپکپی محسوس کر کے اونچی باہیں خود اپنے گرد یوں بھینچ لیں جیسے وہ اس زندہ دھند کو دبا کر اپنے لباس میں سے نکال دینا چاہتا ہو ۔

اس کے اردگرد تاریکی میں لپٹا ہوا جو منظر تھا وہ بھی بھیانک ، لرزہ خیز اور ناقابل یقین حد تک ویران تھا ۔ درخت بے حرکت کھڑے تھے کسی درخت کا ایک پتا تک نہ ہل رہا تھا ۔ وہ جیسے مردہ تھے ، اور کھیت جیسے قبرستان ہوں جو دانوں اور بیجوں کو دفن کر لینے کے منتظر ہوں ۔ اگر کسی دوسرے کے دماغ میں یہ خیالات اٹھے ہوتے اور اس نے ان کا اظہار کیا ہوتا تو باؤل اس پر ہنستا اور اس کا خوب مذاق اڑاتا اور اسے بزدلی اور مریضانہ ذہنیت کا طعنہ دیتا ۔ لیکن اس وقت یہ خیالات اس کے تھے اور اس کا دماغ اس بھیانک منظر کا خوف محسوس کر کے اسکی لہریں باؤل کے دل تک اور پھر وہاں سے اس کے رونگٹے رونگٹے تک پہنچا رہا تھا چنانچہ وہ نہ تو اپنے آپ کو بزدل کہہ سکتا تھا اور نہ ہی مریضانہ ذہنیت کا مالک حقیقت میں وہ خوف محسوس کر رہا تھا اور یہ خوف جھوٹا بھی نہ تھا ۔

کانپتا اور لنگڑاتا ہوا باؤل جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا منظر اجاڑ اور مہیب بنتا جا رہا تھا اور اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دیتی جا رہی تھی ۔ اس نے سوچا کہ اب وہ اپنے خوفناک سفر کو اسی وقت ختم کر دے اور کسی کھڈ میں پڑ کر رات گزار دے ۔ اس طرح کم سے کم اس خوف سے نجات مل جائے گی جو اس پر حاوی تھا ۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ چلتے رہنے ہی میں خیریت ہے اگر وہ کسی کھڈ میں لیٹ گیا تو صبح تک اکڑ کر رہ جائے گا ۔ رات کی سردی اسے کے درد عمل کے بعد میں مر جائے گا

وہ جانتا تھا کہ بہت سے لوگ رات کے وقت شراب خانے سے نکلتے تھے اور چونکہ نشے میں دھت ہوئے تھے اس لئے گھر نہ پہنچ سکتے تھے چنانچہ کہیں سڑک پر یا کسی کھڈ میں پڑے رہتے اور پھر نمونیہ میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کی نیند سو جاتے تھے۔ اور وہ ابھی مرنا نہ چاہتا تھا۔

دھند اب زیادہ گاڑھی ہو کر تقریباً جامد ہو گئی تھی لیکن اس کی نمی بدستور قائم تھی۔ اور وہ اب بھی اس کے لباس میں گھس رہی تھی۔

پاؤل ایک فٹ سے زیادہ اپنے آگے نہ دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ جب وہ دھند میں گویا راستہ ٹٹولتا ایک موڑ مڑا تو اسے وہ بگھی نظر نہ آئی جو درختوں کے اندھیرے سائے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس میں کالے رنگ کے گھوڑے جتے ہوئے تھے جو ان کے قدموں میں اگی ہوئی نم گھاس پر منہ مار رہے تھے۔ ان کی کھال سے اٹھتی ہوئی بھاپ دھند میں مل رہی تھی اور ان کے سانس کی آواز خاموشی کا دل چیر رہی تھی۔

پاؤل بے خبری میں آگے بڑھ کر بگھی سے تقریباً ٹکرا گیا۔ وہ ایک دم سے اور عین وقت پر رک گیا ورنہ شاید بگھی سے ٹکرا کر اس کا سر پھٹ جاتا۔

وہ خالی خالی نظروں سے بگھی اور گھوڑوں کی طرف دیکھنے لگا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ دھند جیسے اس کے دماغ میں بھی گھس گئی ہے۔ وہ کوچوان کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن وہاں نہ کوچوان تھا اور نہ کوئی اور۔

پاؤل گھوم کر بگھی کے دوسری طرف آیا تو دیکھا کہ بگھی بہت پرانی تھی اس کا روغن اتر چکا تھا اور اس کے مختلف حصے مرمت طلب تھے۔ وہ بگھی کے دروازے کے سامنے پہونچ کر رک گیا دروازے پر وہی پہاڑ بنا ہوا تھا اور اس کے سینے پر صرف ایک حرف جڑا ہوا تھا۔

"ڈ"

باڈل کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو یا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ایک بار پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر اپنا سر اندر ڈال دیا۔

بگھی کے اندر سکون بخش گرمی تھی۔ باڈل نے پھر ایک بار ادھر ادھر دیکھا اور پھر اطمینان کا ایک لمبا سانس لے کر وہ بگھی کی گدّے دار سیٹ پر رینگ آیا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور سیٹ کے کونے میں سمٹ کر یوں خود آپ ہی سو گیا جیسے اسے نیند کا زود اثر انجکشن دے دیا گیا ہو۔

اسے نیند کی آغوش میں پہنچے ابھی دس ہی منٹ گزرے تھے کہ گاڑھی اور نم دھند میں سے ایک بے ڈول اور بدہیئت انسانی سایہ نکل آیا۔ یہ ڈراکیولا کا ملازم گلیوم تھا۔ قصر ڈراکیولا کے اس پاسبان کے ہاتھ میں کسی جنگلی جانور کی لاش تھی جس سے تازہ تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ وہ اس جانور کی خون ٹپکتی لاش کو اپنے دونوں ہاتھوں پر یوں احترام سے اٹھائے ہوئے تھا جیسے وہ کسی دیوتا کے لئے یا اس چیز کے لئے بھینٹ ہو جس کی کلیو پوجا کرتا ہو۔

اس نے جانور کی لاش کو چولین کے بکس پر آہستہ سے رکھ دی، آگے بڑھ کر گھوڑے کھولے جن کی باگیں قریب کی جھاڑی سے اٹکی ہوئی تھیں اور پھر یہ دیکھے بغیر کہ بگھی میں کون تھا وہ اچک کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور باگیں ہاتھ میں لے کر گھوڑوں کو تھپتھپا دیا۔

بگھی کی کمانیاں چرچرائیں اور چل پڑیں ۔ آہستہ آہستہ ناہموار راستے پر ڈولتی ہوئی اس کے ہچکولوں نے تھکے ہوئے باڈل کے اعصاب پر وہی اثر کیا جو گہوارے میں لیٹے ہوئے بچے پر ہوتا ہے۔ وہ اور بھی گہری اور بے خبر نیند سو گیا۔

راستے کے اگلے موڑ تک بگھی اسی رفتار سے چلتی رہی۔ موڑ مڑنے کے

بعد بھی کلیو نے اس کی رفتار زیادہ تیز نہ کی۔ اسے کوئی جلدی نہ تھی۔ جیسے وہ مطمئن تھا کہ اپنے کام کا اہم حصہ پورا کر چکا ہو۔

چند سو گز آگے بڑھ کر اس نے گھوڑوں کو موڑ دیا اور اب بگھی شاہراہ چھوڑ کر ایک تنگ، دھول آلود اور اونچے نیچے راستے پر جا رہی تھی کچھ ہی دیر بعد سامنے تھرڈ راکیولا کا عجیب سایہ سا ابھرا۔ اندھیرے آسمان کے پس منظر میں تھرڈ راکیولا ایک زبردست ٹوٹے ہوئے دانت کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

کچھ دیر بعد تنگ اور ناہموار راستہ اینٹوں اور پتھروں کی بے ترتیبی میں تبدیل ہو چکا تھا یہ اینٹیں اور پتھر راستے کو ہموار کرنے کے لئے جوڑے گئے تھے لیکن ان پر جمی ہوئی کائی کی وجہ سے وہ پھسلوان ہو رہے تھے۔

سیدھا اور آسان راستہ ختم ہو چکا تھا۔ اب بگھی اینٹوں اور پتھروں پر ڈول اور اچھل رہی تھی اس کے مسلسل جھٹکوں سے پاؤل کی آنکھ کھل گئی۔ چند ثانیوں تک وہ احمقوں کی طرح پلکیں جھپکتا رہا اور پھر اس نے یہ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں تھا۔ اسے اتنا تو یاد تھا کہ وہ گدے دار سیٹ کے کونے میں سمٹ کر سو گیا تھا۔ اس کے بعد سے اسے کچھ یاد نہ تھا۔

ایک آخری اور زوردار جھٹکے کے بعد بگھی رک گئی، پاؤل منتظر رہا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوا کہ اس نے کسی کے کوچوان کے بکس پر سے آہستہ سے نیچے اترنے کی آواز سنی۔

اترنے والے کے قدموں کی چاپ دور ہو کر ڈوب گئی تو پاؤل نے آگے کی طرف جھک کر کھڑکی پر پڑی ہوئی چرمی پٹی کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن بکسوا اٹھنس گیا تھا اور کھڑکی سختی سے بند تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اسے کئی برسوں سے کھولا نہ گیا ہو۔

اس نے بانہوں میں اپنے بدن کی قوت سمیٹ کر زور لگایا تو کھڑکی ایک دم سے

اور ہلکی سی آواز کے ساتھ نیچے آ رہا تھا۔ ساتھ ہی کہیں باہر سے ایک تیز اور چیخ کی آواز آئی۔ پاؤل خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور اس کی دھڑکنیں اس کے کانوں میں بج رہی تھیں۔

وہ چیخ پھر نہ سنائی دی۔ پاؤل نے ڈرتے ڈرتے بگھی کا دروازہ کھولا اور دیکھا کہ سامنے اندر بگھی کے اوپر اپنے بازو پھیلائے جو پہاڑ سی کوئی بیٹھا ہوا تھا وہ دراصل پتھر کا تھا۔ ایک بڑا سا الو اپنے بڑے بڑے بازو پھڑپھڑاتا پاؤل کے سر پر سے نکلا چلا گیا اور پاؤل اپنے خوف اور حماقت پر آپ ہی آپ مسکرا اٹھا۔

وہ بگھی سے باہر آیا تو ایک وسیع و عریض صحن میں تھا۔ دھندیاں کچھ زیادہ ہی گاڑھی تقریباً ٹھوس تھی۔ پاؤل نے حیرت سے سامنے کے اور ارد گرد کی دیواروں کی طرف دیکھا ساری دیوار آگ سے سیاہ ہو گئی تھیں۔ قصر کا زیادہ تر حصہ جل کر کھنڈر بن گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی دیو کا پنجر ہو۔ صحن کے کھڈوں میں بارش کا بھرا ہوا پانی سڑ رہا تھا اور دیواروں کے شگافوں میں سے لانبی اور سیاہی مائل ٹیلی کائی چڑیل کے بالوں کی طرح لٹک رہی تھی۔ پورا منظر ویران، ہیبت ناک، اور سنسنی خیز تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں خود موت رہتی ہو۔

چند ثانیوں تک پاؤل خاموش کھڑا رہا اور پھر پکار کر بولا۔

"میں نے کہا۔۔۔ کوئی ہے یہاں؟"

کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا البتہ خود اس کی آواز ارد گرد کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر واپس آ گئی۔

"واہ بھئی" وہ بڑبڑایا۔

چند ثانیوں تک توقف کے بعد وہ گاڑھی دھند میں آگے بڑھا۔

معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہاں دھند اور بارش کا پانی بھرے ہوئے کھنڈروں

کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ویرانی جیسے گرج رہی تھی۔

یہاں کی ویران اور مکمل ترین خاموشی میں کوئی خاص اثر تھا کہ وہ پاؤل کے اعصاب پر خواب آور دوا کا اثر کر رہی تھی۔ چنانچہ اس اثر کے تحت وہ مشین سے چلتے ہوئے پتلے کی طرح بے جانے بوجھے آگے بڑھتا رہا۔

دفعتہً وہ سنبھلا اور ایک دم سے اور عین وقت پر رک گیا۔ وہ نچلے پشتے کے عین کنارے پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر اس نے اگلا قدم اٹھایا ہوتا تو نیچے جا پڑتا وہاں لگا ہوا جنگلہ کبھی مسلسل ہو گا لیکن اب تو اس کا ایک ہی حصہ باقی رہ گیا تھا وہ فولاد جو کبھی دیواروں کو سجا رہا تھا تڑ مڑ کر ایسا بن گیا تھا کہ پہچانا نہ جاتا تھا فولاد کے ایک مڑے ہوئے ٹکڑے کو پکڑ کر اور جھک کر پاؤل نے نیچے گہرائیوں میں دیکھا نیچے کچھ دکھائی نہ دیا سوائے دھند کے جو بند اور بے ہوا کمرے میں پھیلے ہوئے سگریٹ کے دھوئیں کی طرح بل کھا کر نامعلوم طور پر بہ رہی تھی۔

پاؤل نے سیدھے کھڑے ہو کر فولاد کا ٹکڑا چھوڑ دیا تو اس کا ایک حصہ ٹوٹ کر دھند آلود گہرائی میں گرا۔ وہ اس کے نیچے گرنے کی آواز کا منتظر رہا لیکن وہ چھنا کا سنائی نہ دیا۔ یہ گہرائی اتھاہ معلوم ہوتی تھی۔

وہ گھوم گیا اور اس نے اس طرف دیکھا جہاں بگھی کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اور پھر آنکھیں مل کر دیکھا۔ بار بار دیکھا۔ بگھی وہاں نہ تھی جب وہ اتھاہ گہرائی میں جھانک رہا تھا تو بگھی کو وہاں سے ناقابل یقین خاموشی سے لے جایا گیا تھا۔ وہ تقریباً بھاگ کر اس جگہ پہونچا جہاں کچھ دیر پہلے بگھی کھڑی ہوئی تھی۔ نم زمین پر اس کے پہیوں کے نشانات نہ ہوتے تو پاؤل بگھی کے وجود کو ایک خواب پریشاں ہی سمجھتا۔

دھند اب روئی کے گالوں کی طرح ٹھوس سی ہو گئی تھی۔ اس دھند اور

اندھیرے میں راستہ تلاش کر کے پہاڑ پر سے نیچے اترنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ پاؤل کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا جہاں وہ رات کی رات پناہ لے سکے۔

صحن میں ایک طرف پتھروں کا ایک انبار پڑا ہوا تھا۔ پاؤل کو یہ انبار بطور پناہ گاہ کے مناسب معلوم ہوا۔ وہ اس انبار کے قریب پہنچ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اس نے اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں اور سونے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ایک عجیب اور خوفناک قسم کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز "پھٹ۔ پھٹ" کی تھی۔

پاؤل ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ آواز کیسی تھی اور کس طرف سے آرہی تھی۔ اسے کچھ دکھائی نہ دیا البتہ یہ آواز قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔ پاؤل خوفزدہ ہو کر یہ دیکھنے کے لئے دوسری طرف گھوم گیا کہ یہ کیا چیز تھی جو اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے ایک غیر معمولی طور پر چمگاڈر دھند میں سے نکل آئی۔ اس کے بازو ہولے ہولے ہل رہے تھے اور اس کی خونی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

خوف کی ایک چیخ کے ساتھ پاؤل پیچھے ہٹا تو اس کا پیر ایک ڈھیلے پتھر پر پڑ گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور اس کے ٹخنے میں چوٹ آگئی۔ وہ درد کی ایک سسکی لے زمین پر بیٹھ گیا۔

اور تب چمگاڈر نے اسے دیکھا۔ اس کی انگارہ سی آنکھیں اور زیادہ دہکنے لگیں اور تیزی سے نیچے اتر کر زمین سے پاؤل کے سر پر سے گزر گئی اور پھر واپس آئی۔ چمگاڈر کے متوقع حملے سے بچنے کے لئے پاؤل نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانک لیا۔

وہ منتظر رہا لیکن چمگادڑ نے اس پر حملہ نہ کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چمگادڑ پاڈل کی عارضی بے بسی سے مطمئن ہو گئی۔ وہ ایک سرخوشی کے عالم میں پرواز کرتی ہوئی ٹوٹے ہوئے جنگلے کے اس طرف جاکر دھند میں غائب ہو گئی۔

اس نے سر اٹھاکر شکاری کتے کی طرح ہوا سونگھی۔ بے شک یہ اس کا وہم نہ تھا۔ وہ عطر کی بھینی بھینی خوشبو سونگھ رہا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور تہہ کے برجیوں والے بڑے کمرے کا وہ دروازہ تلاش کر لیا جو برجیوں کے اندھیرے سایوں میں تھا۔

دروازہ کھلا تھا۔

کھلے ہوئے دروازے کے پیچھے روشنی ہو رہی تھی اور اس کے پس منظر میں اور کھلے ہوئے دروازے میں ایک جوان لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔

وہ دروازے میں سے نکل کر آگے بڑھی تو پاڈل دم بخود رہ گیا۔ ایسی حسین لڑکی اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ اس کے بال لانبے اور کالے تھے، رنگت شفاف تھی دانت کی سی اور جلد چکنی تھی اور آنکھیں وہ گہری، پراسرار جھیلوں کی سی۔ پاڈل سانس روکے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ باوجود کوشش کے وہ اس لڑکی پر سے اپنی نظریں نہ ہٹا سکتا تھا۔

آخر کار وہ حسینہ گویا ہوئی اس کی آواز جھرنے کی سی دلکش تھی اور لہجہ ہیجان انگیز۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

پاڈل نے تھوک نگل کر اپنا خشک حلق تر کیا اور بڑی کوششوں کے بعد ہی جواب دیا۔

"نہیں — میرا مطلب — میں کہیں تکلیف محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

لڑکی نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا سایہ سا رینگ گیا۔

"چل سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

یہ جانے بغیر کہ وہ کیا کر رہا ہے پاؤل تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ٹخنہ ورم کر آیا تھا اور درد کر رہا تھا لیکن اس لڑکی تک پہنچنے کے لئے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی اذیت برداشت کرنے کے لئے تیار تھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ اچھی طرح سے چل سکتا ہوں" اس نے جھوٹ بولا۔

لڑکی نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

"تو پھر میرے ساتھ آؤ"

اور وہ گھوم کر دروازے کی طرف چل دی دو قدم بعد ہی اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا کہ پاؤل آرہا تھا یا نہیں۔ اپنی اس تازہ خوش بختی پر پاؤل دل ہی دل میں خوش ہوتا اور اپنے آپ کو مبارک باد دیتا لڑکی کے پیچھے ہی پیچھے لنگڑاتا ہوا آرہا تھا۔ لڑکی آپ ہی آپ مسکرا اٹھی۔

دروازے میں پہنچ کر وہ پاؤل کو اندر آنے کا راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھئے ...." پاؤل نے کہنا شروع کیا۔

لیکن لڑکی نے نفی میں سر ہلا کر اسے خاموش کر دیا۔ یہ کچھ سننے اور کچھ کہنے کا وقت نہ تھا۔ وہ خاموشی سے آگے آگے چلتی ہوئی پاؤل کو ایک اندھیری گزرگاہ میں لے آئی۔ گزرگاہ کے انتہائی سرے پر ایک بلند محراب میں روشنی نظر آرہی تھی۔

لڑکی پیچھے چلتے ہوئے پاؤل کے اعصاب پر عطر کی وہ خوشبو بری طرح سے اثر انداز ہو رہی تھی جو لڑکی کے جسم سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کے لباس کی سرسراہٹ، اس کے لانبے کالے بال جو اس کی کمر اور لٹکتے ہوئے

کولھوں پر ناگوں کی طرح لہرا رہے تھے اور اس کی سبک رفتاری نے پاؤل کے دل میں ایک تلاطم بپا کر دیا تھا اور جب وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا محراب کے دوسری طرف بڑے کمرے میں پہنچا تو اس وقت تک وہ اپنی ساری احتیاط اور سارا خوف بھول چکا تھا۔ اس لڑکی نے اسے لبھالیا تھا اور وہ اس پراسرار حور کا قرب حاصل کرنے کے لئے دنیا کا ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھا۔

تاہم اس کی مت پوری طرح نہ ماری گئی تھی اور اس کے حواس کم سے کم اتنے تو ضرور بجا تھے کہ اس نے یہ دیکھا اور سمجھا بھی کہ لڑکی اسے قصر کے جس حصے میں لے آئی تھی وہ کبھی یہاں کے ملازموں کی رہائش گاہ رہی ہو گی۔ حالانکہ یہ حصہ عمدہ فرنیچر سے سجا ہوا تھا، دیواروں پر قیمتی پردے لٹک رہے تھے، جگہ جگہ قدیم نوادرات سجے ہوئے تھے، دروازے پر گھنٹیوں کی قطار بھی تھی جو کبھی ٹن ٹنا کر ملازموں کو مطالعہ گاہ یا کمرۂ طعام میں جانے کا حکم دیا کرتی ہوں گی۔

آتشدان میں آگ جل رہی تھی اور جب پاؤل اس کی طرف بڑھا تو اس کے حسین راہبر نے اسے لنگڑاتے دیکھا۔

"ارے! آپ کو تو چوٹ آگئی ہے!" وہ بولی "آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ذرا موچ آگئی ہے۔"

دوسرے ہی لمحہ وہ اس بات پر افسوس کر رہا تھا کہ اس نے اپنی تکلیف کو بڑھا چڑھا کر کیوں نہ بیان کیا۔

لڑکی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک تھی۔ پاؤل کے خیال میں یہ ہمدردی کی چمک تھی۔ لڑکی نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا اور پاؤل کے گال پر آہستہ آہستہ انگلیاں پھیرنے لگی اس کی انگلیاں غیر معمولی طور پر سرد تھیں۔ وہ ان کی ٹھنڈک محسوس کرکے چونکا

لیکن پھر سب کچھ بھول کر یہ سوچنے لگا کہ اگر اس نے اپنی تکلیف بڑھا چڑھا کر بیان کی ہوتی تو لڑکی یقیناً اس کے ہونٹ چوم لیتی۔

"زخمی بھی ہو اور سردی سے کانپ بھی رہے ہو۔ اس کے لہجے میں پیار تھا اور چمکار تھی۔" جاؤ۔ آگ کے پاس جاکر گرما لو اپنے آپ کو۔"

پاؤل حتی الامکان تیزی سے آتشدان کی طرف بڑھا۔ آگ اس وقت اسے دنیا کی سب سے بڑی نعمت معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آگ پر پھیلائے انھیں آپس میں رگڑ رہا تھا۔ فرحت بخش گرمی اس کے چہرے کے مسامات میں سے گزر کر اس کے جسم میں داخل ہو رہی تھی۔

چند ثانیوں بعد اسے کچھ سکون ہوا تو اس نے پیچھے کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ نہ تو مرعوب ہوئی اور نہ شرمائی بلکہ اس نے بے دھڑک پاؤل کی نظر سے اپنی نظر ملا دیں۔ لڑکی کی آنکھوں کی وہ عجیب چمک بدستور قائم تھی۔

وہ خاموشی اور تقریباً بھوکی نظروں سے پاؤل کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اب بھی یہ بتانے کے لئے تیار نہ تھی کہ وہ کون تھی اور اس بھیانک اور ویران کھنڈر میں کیا کر رہی تھی۔

پاؤل زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔

"یہ قصر" اس نے کہا "کن صاحب کا......

اس سے پہلے کہ وہ سوال مکمل کرتا لڑکی اس کی بات کاٹ چکی تھی۔

"تم یقیناً بھوکے ہو گے" وہ جلدی سے بولی "کچھ کھانے کو لے آؤں؟"

پاؤل ہچکچانے لگا۔

"بات یہ ہے کہ رات بہت زیادہ بیت گئی ہے اور اس وقت میں آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ لیکن میں ــــ بہت زیادہ تھکا ہوا ہوں۔"

لڑکی نے اپنا سر جھکا لیا۔

"میں بستر تیار کرواتی ہوں ۔۔ تم ۔۔ یہیں ٹھہرو"

اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ کا سایہ بلکہ نامعلوم لہر سی آکر گزر گئی ۔ وہ گھوم کر دل لوٹ لینے والے انداز میں کمرہ عبور کر کے اس دروازے کے سامنے پہونچی جو کمرے کے انتہائی سرے پر تھا اور جو قصر کے نسبتہً سالم حصے میں کھلتا تھا۔

وہ دروازے میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو پاؤل دفعتہً وحشت اور بے چینی محسوس کرنے لگا۔ لڑکی میں کوئی خاص بات تھی اس کے دم بخود کر دینے والے حسن کے علاوہ اس میں کوئی خاص چیز تھی جو پاؤل کو بے چین اور وحشت زدہ کر رہی تھی ۔ یہ چیز کیا تھی یہ تو وہ سمجھ نہ سکا لیکن کچھ تھا ضرور۔

اپنے اس خیال سے چھٹکارا حاصل کرنے اور دھیان ہٹانے کے لئے وہ کمرے میں گھوم پھر کر پردوں اور دوسری چیزوں کا جائزہ لینے اور انھیں چھو کر دیکھنے لگا۔

جب وہ ایک پردے کے، جو ایک محراب سے لٹک رہا تھا، قریب سے گزرا تو وہ ذرا سا یوں ہلا جیسے ہوا کا جھونکا اسے چھوتا ہوا گزر گیا ہو۔

عین اس وقت پاؤل کی نظر دیوار پر لگے ہوئے ایک خنجر پر پڑی ۔ خنجر قدیم تھا اور کاریگری کا اعلیٰ ترین نمونہ ۔ اس کا ہلالی پھل زنگ یا شاید خشک خون سے کتھئی ہو رہا تھا۔ پاؤل نے ہاتھ بڑھا کر یہ خنجر اتار لیا اور بڑی دلچسپی اور شوق سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ خنجر کو دیکھنے میں ایسا مشغول تھا کہ اس نے اس چمگادڑ کو نہ دیکھا جو محراب سے لٹکتے ہوئے پردے کے پیچھے سے نکل آئی تھی۔

چمگادڑ پردے کے قریب ہی چند ثانیوں تک جیسے ہوا میں معلق رہی، پھر اس نے اپنے بازو سمیٹے اور اس کی ہیئت رفتہ رفتہ تبدیل ہونے لگی۔ دو لمبی ٹانگیں نکل کر کمرے کے فرش پر ٹک گئیں، چمگادڑ کے سمٹے ہوئے بازو انسانی بازوؤں میں تبدیل ہو گئے۔

اور اب وہاں ایک دبلا پتلا اور طویل القامت آدمی کھڑا تھا جو ہر طرف سے انسان ہونے کے باوجود چگادڑ سے مشابہ تھا۔

وہ اپنی سلگتی ہوئی آنکھوں سے پاؤل کی طرف دیکھنے لگا۔

دسواں باب

کونٹ ڈراکیولا خاموش کھڑا اس بے باک نوجوان کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے اس کے قصر میں گھس آنے کی جرأت کی تھی۔ حالانکہ ڈراکیولا کے بشرے سے کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہ ہو رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی تباہ کن چمک تھی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا جیسے اسے اپنے اس بن بلائے مہمان کی بھری جوانی اور قابلِ رشک صحت پر حسد ہو رہا ہو۔

پاؤل خنجر کی طرف یوں متوجہ تھا کہ اسے احساس تک نہ ہوا کہ کوئی اسے ایسی حاسدانہ اور نفرت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ ڈراکیولا اپنا رات کا سا کالا لبادہ لپیٹ کر ایک بار پھر چمگادڑ میں تبدیل ہو جاتا اور پرواز کرتا ہوا عین پاؤل کے سر پر سے گزر جاتا تب بھی شاید وہ بے خبر رہتا۔ پاؤل نے خنجر کی نوک اپنے سینے کی طرف کی اور اس کی تیزی کا اندازہ لگانے کے لئے اس پر انگلی پھیرنے ہی والا تھا کہ ایک اکھڑ اور غیر جذباتی آواز کمرے میں گونج گئی۔

"ذرا احتیاط سے"

پاؤل ایک دم سے اچھل کر اس طرف گھوم گیا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ آواز ایسی عجیب اور غیر انسانی سی تھی کہ پاؤل کی گدی کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور جب اسکی نظر محراب کے سائے میں کھڑے ہوئے اور سیاہ لبادے میں ملبوس ڈراکیولا پر پڑی تو اس کا دل پھڑپھڑا کر ایک دھڑکن بھول گیا۔

"اس کا پھل بہت تیز ہے۔ ڈراکیولا نے اسی اکھڑ آواز میں لیکن اس طرح کہا جیسے وہ کسی احمق اور ضدی بچے کو مخاطب کر رہا ہو۔

ڈراکیولا نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کی انگلیاں پتلی اور کسی شکاری پرندے کے پنجوں سے مشابہ تھیں۔ پاؤل نے مکانکی طور پر خنجر ڈراکیولا کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اس سیاہ پوش کونٹ نے پاؤل پر ہپناٹزم کر دیا ہو۔

اس خلاف توقع ملاقات کے پہلے لمحے میں ہی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اس وقت ڈراکیولا جو بھی حکم دیتا پاؤل اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا۔

رفتہ رفتہ پاؤل کا خوف قدرے دور اور حواس بجا ہوئے تو اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز نے اس کا ساتھ نہ دیا اور الفاظ جیسے پگھلے ہوئے موم کی طرح اس کے حلق کی اندرونی دیوار سے چپک گئے۔

آخر کار اس نے ایک آواز سنی۔ یہ خود اس کی آواز تھی لیکن سراسر بدلی ہوئی

"میں معافی چاہتا ہوں جناب۔ لیکن۔ یقین کیجئے میں یہاں چوری چھپے نہیں گھس آیا ہوں۔"

اس کی اس معذرت پر ڈراکیولا کے لمبوترے چہرے پر شک اور غصے کے آثار ہویدا ہوئے۔

"آپ بھی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں یہاں گھس آیا" پاڈل نے پھر کہا" لیکن میں سچ کہتا ہوں ــــ یقین کیجئے ــــ ایسا نہیں ہے"

پاڈل خاموش ہو گیا اور منتظر رہا کہ یہ دبلا پتلا اور طویل القامت آدمی کچھ کہے گا لیکن ڈراکیولا نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے ہونٹ دانتوں پر زور اسے کھنچ گئے اور اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی۔ اب وہ کسی انسان سے زیادہ بلی کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں۔

"در اصل ایک لڑکی ــــ میرا مطلب ہے ایک خاتون نے مجھے اندر بلا لیا تھا" پاڈل نے پھر کہا" میں ان کا نام تو نہیں جانتا۔ انھوں نے نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ یہ کہ وہ کون ہیں۔

ڈراکیولا نے کوئی جواب نہ دیا۔ پاڈل جیسے پتھر کے کسی مجسمے سے باتیں کر رہا تھا۔

"وہ ــــ وہ ــــ میرے لئے بستر تیار کرنے گئی ہیں" پاڈل نے پھر کوشش کی" لیکن میرا یہاں آنا آپ کو اتنا ہی ناگوار ہے تو میں چلا جاتا ہوں"

ڈراکیولا کے کھنچے ہوئے ہونٹ ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے چہرے پر سے کرختگی بکھر گئی۔ اور اب وہ ایک خلیق اور مہماں نواز شخص تھا۔

"اگر تا نیا تمھیں قصر میں لائی ہے تو ٹھیک ہے" وہ بولا۔

"اگر ڈراکیولا کی یہ رضامندی محض بناوٹ یا دکھاوا تھی تب بھی وہ پاڈل کو بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو گیا در اصل وہ اس قدر تھکا ہوا تھا اور اتنا نڈھال ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ کچھ بھی سوچ سمجھ نہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ صرف ایک لفظ کہہ سکا۔

"شکریہ"

ڈراکیولا محراب کے سائے میں سے نکل آیا۔ اور اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

قصر کی تباہی سے پہلے یہاں اجنبیوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہا جاتا تھا" اس نے خنجر واپس دیوار پر رکھتے ہوئے کہا۔ تشریف رکھئے۔ جب تک آپ کے سونے کے لئے کمرہ تیار کیا جا رہا ہے تب تک شاید آپ کچھ پینا پسند فرمائیں گے"

ڈراکیولا اس الماری کے سامنے پہونچا جس پر عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس نے الماری کا پٹ کھولا تو پاؤل نے دیکھا کہ اس میں شیشے کی صراحیاں اور جام ایک قطار میں رکھے ہوئے تھے جو آتشدان میں جلتی ہوئی آگ کی روشنی میں جیسے شوخی سے آنکھیں مار رہے تھے۔ پاؤل کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ اپنے میزبان کے اس بدلے ہوئے سلوک سے کیا نتیجہ اخذ کرے۔ چنانچہ وہ خاموش اور ششدر سا کھڑا تھا۔ تاہم وہ اس شراب اور اپنے میزبان کی میزبانی سے پوری طرح سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ڈراکیولا نے جام اور گہرے سرخ رنگ کی شراب کی صراحی اس کی طرف بڑھائی تو پاؤل نے کمر سے ذرا خم ہو کر دونوں چیزیں قبول کرلیں۔

"شوق فرمائیے" ڈراکیولا نے کہا۔

"آپ ساتھ نہیں دیں گے میرا؟"

"مجھے افسوس ہے۔ میں شراب نہیں پیتا"

دفعتہ پاؤل کا دماغ چکرا گیا اور بڑی کوششوں سے ابکائی روک سکا۔ ڈراکیولا کے منھ سے سڑاند کا ایک بھبھکا نکل کر اس کی ناک میں گھس گیا تھا۔ بدبو ایسی تھی جیسے مدت سے بے گور و کفن پڑی ہوئی اور سڑی ہوئی لاش میں اٹھتی ہے۔

متلی سے بچنے کے لیے پاؤل نے جلدی سے جام میں شراب انڈیلی اور ایک ہی سانس میں غٹ غٹا گیا۔ اس کی رگوں میں خوشگوار گرمی کی لہر دوڑ گئی اور اب اس نے اپنے میزبان کے سامنے شائستہ اور اس کا ہم مزاج بننے کی کوشش کی۔

آپ کے پاس تو بڑی نایاب چیزیں ہیں" اس نے کہا اور کمرے میں اور اس کی دیواروں پر سجے ہوئے نوادرات کی طرف اشارہ کیا۔

ڈراکیولا نے بے بسی سے اپنے ہاتھ ہلائے۔

"اب تو بس یہی چیزیں باقی رہ گئی ہیں ورنہ کبھی میرے پاس نوادرات کا بے بہا خزانہ تھا"

پاؤل کو دفعتہً ڈراکیولا سے ہمدردی ہو گئی۔

"کیا ہوا تھا آخر؟" پاؤل نے پوچھا۔

"کس کو کیا ہوا تھا؟"

"میرا مطلب ہے یہ قصر۔ کیسے جل گیا؟"

ڈراکیولا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہ چمک آگئی جو ابھی کچھ دیر پہلے غائب ہوئی تھی اور اس کا لمبوترا چہرہ ایک دم سے بھیانک بن گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاؤل نے اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

عین اسی وقت تانیا کمرے میں آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر وہی موہوم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ پاؤل کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ اس کی نظر آتشدان کے قریب کھڑے ہوئے ڈراکیولا پر پڑی۔ وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کی طرف گھوم گئی اور اب وہ جیسے پاؤل کو یکسر بھول کر ڈراکیولا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈراکیولا بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی نظر نے تانیا کو جکڑ رکھا ہو۔

"کمرہ تیار ہے" اس نے ڈراکیولا کو یوں مطلع کیا جیسے یہ کام تانیا نے اسی کے حکم سے کیا ہو۔

ڈراکیولا اور تانیا ایک دوسرے میں کھو سے گئے اور کمرے کی فضا ایک بے چین کردینے والی خاموشی سے بوجھل ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں اس قدر

گم تھے کہ پاؤل یہ سوچ کر بے چینی محسوس کرنے لگا کہ وہ حقیقت میں اس وقت کباب میں ہڈی بنا ہوا تھا۔ چنانچہ خود اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے وہ کچھ نہ کچھ کہنے کے لئے مجبور ہو گیا۔

"مناسب ہو گا کہ میں اپنا تعارف کرا دوں" اس نے بڑے ہیجانی انداز میں کہا "میرا نام پاؤل کارلسن ہے"۔

ڈراکیولا نے تانیا پر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"اور آپ تانیا سے تو مل ہی چکے ہیں"

"جی ہاں۔ اور آپ کا اسم شریف؟"

ڈراکیولا نے وہ بندھن، جسے پاؤل شدت سے محسوس کر رہا تھا، کاٹ دیا جو اس کے اور بت کی طرح کھڑی ہوئی لڑکی کے درمیان قائم ہو گیا تھا۔

"مجھے ڈراکیولا کہتے ہیں۔ اس کی اپنی نظریں پاؤل کی طرف منتقل کر دی" کونٹ ڈراکیولا پاؤل کے دماغ میں کوئی چیز چیخ گئی۔ وہ کوئی مناسب و موزوں جواب تلاش کرنے لگا۔ بے شک اس نے ڈراکیولا کے متعلق بہت سی روائتیں سنی تھیں وہ اس کی مکروہ شہرت سے واقف تھا۔ لیکن ٹرانسلوانیا جیسے ملک میں بہت سی روائتیں اور بے بنیاد افواہیں نہ صرف گشت کرتی بلکہ باپ سے بیٹے تک پہنچی ہیں۔ خصوصاً جاہل کاشتکار پر اسرار اور مخفی قوتوں اور بھوتوں اور چڑیلوں میں اعتقاد رکھتے تھے۔ لیکن بڑے بڑے شہروں میں مافوق الفطرت اور پر اسرار ان دیکھی قوتوں کو وہم سمجھ کر ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور ان چیزوں میں بوڑھی عورتیں اور بے پڑھے لکھے لوگ ہی یقین رکھتے تھے۔

تاہم یہ بات تو صاف تھی کہ پاؤل جہاں آ گیا تھا وہ کوئی معمولی گھرانہ نہ تھا جہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا اور اگر کچھ ہوا تو پھر اسے اس کا مقابلہ کرنے، اس سے نمٹنے

نے کے لئے تیار رہتا تھا۔

یہ بتانے کے بعد وہ کون ہے ڈراکیولا ایک بار پھر اپنی نظریں تانیا سے ہٹا دیں۔ پاؤل کو یہ لڑکی اس پھنسے ہوئے مفلوج پرندے کی طرح معلوم ہوئی جیسے سانپ نے اپنی نظر سے ٹانک دیا ہو۔ اس کے بشرے سے اس وقت جو جذبہ ہویدا ہوا وہ بے بسی کا تھا۔

پاؤل نے اپنا جام خالی کر کے قریب کی میز پر رکھ دیا۔ ایک بار پھر وہ عجیب طرح کا اضطراب اور اعصابی ہیجان محسوس کر رہا تھا چنانچہ ایک بار پھر وہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

"میں آپ لوگوں کو بڑی تکلیف دے رہا ہوں" اس نے معذرت خواہ لہجے میں کہا۔ اس کے الفاظ ڈراکیولا کے کانوں تک یوں پہنچے جیسے وہ رک رک کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہے گئے ہوں۔ کونٹ نے ایک جھرجھری سی لی اور چونک کر پاؤل کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے پہچانتا نہ ہو۔ پھر وہ سنبھلا جیسے اسے ہوش سا آ گیا

"اور شراب سے شوق فرمایئے" ڈراکیولا نے یوں کہا جیسے ان کی گفتگو میں رخنہ پڑا ہی نہ ہو۔

پاؤل نے نفی میں سر ہلایا۔

"جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال میں اب مجھے چلنا چاہیے"

یہ اس نے اس لئے کہا تھا کہ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس وقت وہ خود یہاں کسی نجی اور خفیہ رسم میں خلل انداز ہو رہا تھا۔ ایک ایسی رسم میں جس میں تانیا نارضامندی سے شریک نہ تھی۔ بے شک اس کے خوبصورت چہرے سے خوف کا اظہار ہو رہا تھا اس کے باوجود وہ ایک خاص قسم کا اور غیر فطری مزا لے رہی تھی۔

چنانچہ جب تانیا نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا تو اسے حیرت ہوئی۔

"جاد ہے ہو؟" اس نے اشتیاقاً پوچھا۔

پاؤل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"جی ـــــ جی ہاں"

"یہ کیا حماقت ہے ڈریکیولا نے کہا" ہم چاہتے ہیں کہ آپ یہیں ٹھہریں"

پاؤل چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔

"جی - مہربانی ہے آپ کی" وہ بولا "لیکن میں آپ کو مزید تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ اب امید ہے کہ مجھے کوئی دوسرا ٹھکانہ مل جائے گا۔"

"یہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے" ڈریکیولا نے بے تابی سے کہا۔

"میں چلنے کا عادی ہوں اور میلوں تک بے تھکے چل سکتا ہوں"

اور پاؤل نے فرش پر پیر دبا کر دیکھا۔

"یہ دیکھئے" وہ بولا "میرا ٹخنہ بھی اب کچھ ٹھیک ہے۔ ورم اتر گیا ہے۔"

ڈریکیولا نے جھنجھلاہٹ سے ہاتھ ہلایا۔

"نوجوان! یہ کلینس برگ نہیں ہے" وہ بولا "اس طرف کے علاقے سے تم واقف نہیں ہو، چنانچہ بھٹک جاؤ گے۔"

چند ثانیوں تک تو پاؤل خاموش رہا کیونکہ ڈریکیولا نے جو کہا تھا اس میں سے کوئی خاص بات نظر ہی نہ آئی تھی۔ پھر دفعتہً اسے احساس ہوا کہ ڈریکیولا کیا کہہ گیا تھا چنانچہ اس نے وحشت زدہ ہو کر پوچھا۔

"آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں کلینس برگ سے آیا ہوں؟"

ڈریکیولا نے اس کا سوال سنا ان سنا کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ پاؤل کو جواب دیتا وہ اس دروازے کی طرف گھوم گیا جس میں سے کلیو بڑی خاموشی سے اور پراسراریت سے کمرے میں آ گیا تھا۔

ڈراکیولا نے قدرے بے چینی سے اپنے ملازم کی طرف ہاتھ ہلایا اور کہا :۔

" ان صاحب کو ان کے کمرے میں پہنچا دو"

کلیوؔ آگے آیا ۔ کبڑا اور بدہئیت ۔ وہ احترام سے پاؤل کے سامنے جھک گیا اور پاؤل کو قصر کے اندرونی حصے میں چلنے کا اشارہ کیا ۔ پاؤل نے سمجھ لیا کہ اس کے لیئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ بہتری کی اُمید رکھے اور بدترین کے لئے تیار رہے ۔ چنانچہ وہ کلیوؔ کے پیچھے چل دیا ۔ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے گھوم کر اپنے میزبان کی طرف دیکھا ۔

" امید ہے کہ آپ اپنے مہمانوں کے لئے ہر آسائش مہیا کر دیتے ہوں گے کہ انہیں اجنبیت کا احساس نہ ہو"

" ڈراکیولا کے بشرے سے کسی قسم کے جذبات کا احساس نہ ہو ۔ وہ مسکرایا بھی نہیں ۔

" میں اس کی پوری پوری کوشش کرتا ہوں میرے نوجوان دوست" وہ بولا ۔

پاؤل دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رُک گیا ۔

" تو پھر میں آپ دونوں کو شب بخیر کہتا ہوں" اس نے کہا ۔

تانیا نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نہ تو کچھ سن رہی تھی اور نہ ہی کچھ دیکھ رہی تھی ۔

ڈراکیولا نے ان دونوں کی طرف سے جواب دیا :۔

" شب بخیر"

پاؤل نے آخری بار تانیا کی طرف دیکھا ۔ لیکن اس کی نظریں بدستور ڈراکیولا پر جمی ہوئی تھیں اور منتظر تھی ، بے تابی سے منتظر تھی کہ کچھ ہو ، اس کے ساتھ کچھ کیا جائے ۔ پاؤل نے شانے اچکائے اور محرابی دروازے میں کلیوؔ کے پیچھے ہی پیچھے داخل ہو گیا ۔

اس کے اور کلبوڈ کے چلے جانے کے بعد کونٹ ڈراکیولا آہستہ آہستہ تانیا کی طرف گھوم گیا۔ اس کی آنکھیں کسی درندے کی طرح دہک رہی تھیں۔ تانیا اس کی طرف یوں دیکھتی رہی جیسے وہ اس کے اثر میں ہو۔

ڈراکیولا نے اپنا ایک ہاتھ تانیا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جیسے ایک عالم بیخودی میں آہستہ آہستہ ڈراکیولا کی طرف بڑھی۔ ڈراکیولا کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے لباس کے گریبان کے بوتام کھول کر ایک طرف سے اوپری حصہ نیچے سرکا دیا اب اس کی مرمریں گردن برہنہ تھی، اس میں ایک رگ پھڑپھڑا رہی تھی اور عین اس پر دو سرخ سوراخ تھے۔

اپنی گردن برہنہ کرنے کے بعد وہ ڈراکیولا کے سامنے قدرے جھک گئی۔ فوراً ہی ڈراکیولا کے ہونٹ اس کے دانتوں پر کھنچ گئے اور دائیں بائیں دو لمبے اور نکیلے دانت نمایاں ہو گئے۔ ڈراکیولا جھکا اس نے اپنا منہ تانیا کے حلق پر اور پھڑپھڑاتی ہوئی رگ پر رکھ دیا اور اس کے دونوں نکیلے دانت تانیا کے گلے پر کے دو سرخ سوراخوں میں اتر گئے۔

تانیا کراہنے لگی اور اس پر غشی سی طاری ہو گئی۔ لیکن ڈراکیولا کے دانتوں کی چبھن اور تکلیف میں بھی وہ حد درجہ کا جنسی انبساط محسوس کر رہی تھی۔ تانیا کے رخساروں پر رنگ دوڑ گیا اور اس نے اپنی رانیں بھینچ لیں۔ اب وہ انبساط سے کانپ رہی تھی۔

ڈراکیولا نے اپنا سر اٹھایا۔ اس کے دانت اور منہ تانیا کے خون سے سرخ تھا۔ تانیا نے ایک لمبا سانس لیا جیسے اب بھی اسکی تسکین نہ ہوئی ہو۔

ڈراکیولا پلنگ بخون چشیدہ کی طرح غرایا۔ وہ پھر جھکا، اس کے ایک بار پھر اپنے دانت تانیا کی شہ رگ میں اتار دیئے۔

وہ ایک بار پھر "اپنی دلہن" کا گرم تازہ اور حیات بخش خون چوس رہا تھا۔

گیارھواں باب

ڈراکیولا اور تانیا کو ایک دوسرے میں گم چھوڑ کر پاؤل کمرے سے باہر آیا اور کلیو کے پیچھے چلتا ہوا اندھیرے اور سوختہ کمروں، گزرگاہوں اور گھنڈر بنے ہوئے بڑے ہال میں سے گزر کر ایک زینے کے قدموں میں پہنچ گیا اس زینے کو بھی آگ نے خطرناک حد تک کمزور کر دیا تھا۔

اس تمام عرصے میں آگے چلتے ہوئے کلیو نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ دیواروں کے شگافوں میں ہوا کے جھونکے اندر گھس آتے اور پاؤل کے بالوں کو بکھیر دیتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اسے دھند کی چادر میں سے پہاڑ کی کالی مہیب چوٹیاں دکھائی دے جاتی تھیں۔

کلیو اسے جس کمرے میں لے گیا وہ قصر کے مغربی بازو میں تھا۔ وہ آگ، جو گاؤں والوں نے لگائی تھی، قصر کے اس حصے تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ گئی تھی۔ البتہ کمرے کا دروازہ جس کے کواڑوں میں آہنی کیل جڑے ہوئے تھے، ضرور جھلس گیا تھا۔ لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی پاؤل نے دیکھا کہ اس کمرے میں پچھلے کئی برسوں سے کوئی نہ آیا تھا سوائے مکڑیوں اور چوہوں کے۔

ہر طرف جالے اور مٹی تھی۔ فرش پر مٹی کی موٹی تہہ تھی اور شہتیروں سے اور دیواروں کے کونوں میں جالے جھومروں کی طرح لٹک رہے تھے ایک دیوار کے قدموں میں اور راکھ بڑے سے سوراخ میں آگ جل رہی تھی یہ سوراخ آتش دان کی غرض پوری کر رہا تھا۔ بستر کے قریب ایک موم بتی جل رہی تھی۔

پاؤل کلیو کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس کی طرف گھوم گیا لیکن اس پُراسرار آقا کا پُراسرار ملازم دروازہ بند کر کے خاموشی سے رخصت ہو گیا تھا۔

اس کے چلے جانے سے پاؤل نے ایک گونہ مسرت محسوس کی۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے اس بد ہیئت اور بونے ملازم کی صورت تک سے گھن آتی تھی چنانچہ وہ اس کی خوشامد کر کے اس کے آقا اور اس قصر کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فی الحال تیار نہ تھا سب سے پہلے اس نے تالے میں لگی ہوئی کنجی گھما کر دروازہ بند کیا اور پھر بستر کا معائنہ کرنے کے لئے اس کے قریب پہنچا۔

پلنگ کمرے کی حالت سے نہ صرف میل کھا رہا بلکہ اس کی فضا سے گویا پورا پورا انصاف کر رہا تھا۔ پلنگ کی حیرت انگیز لمبائی اور چوڑائی سے پتہ چلتا تھا کہ کبھی یہ قصر کی کسی بے حد سجی ہوئی اور آرام دہ خوابگاہ میں رکھا ہوا ہوگا۔ پاؤل نے سوچا کہ اسے کسی نہ کسی طرح آگ سے بچا کر اور پھر ترچھا کر کے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا ہوگا۔

یہ مسہری ادار تھا اور یقیناً اس پر کئی دلہنوں نے اپنے دولہا کے ساتھ پہلی رات گزاری ہوگی، اس پر کئی ماہ عسل منائے گئے ہوں گے، کئی رنگینیاں ہوئی ہوں گی اور کئی موتیں بھی۔ اس پلنگ پر زندگی کا مکمل ترین ناٹک کھیلا گیا ہوگا یعنی انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کا ناٹک۔

پاؤل تجربتاً اس پر بیٹھ گیا۔ پلنگ کے پائے مضبوط تھے چنانچہ اس کے ڈھے جانے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ بستر نرم تھا چنانچہ وہ آرام سے سو سکتا تھا اس نے ایک لمبا سانس لیا اور کوٹ کی جیبوں سے چیزیں نکالنے لگا۔

اس نے اپنا رومال، ریزگاری اور دوسری چیزیں میز پر رکھ دیں جو پلنگ کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے جیب میں سے ایک ایسی چیز

برآمد کی جس نے گھڑی بھر کے لئے خود پاؤل کو بھی چکرا دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا اس نے پیکٹ کھولا تو اس میں لاکٹ تھا جس میں سارہ کی تصویر جڑی ہوئی تھی۔ پاؤل نے حیرت اور بے یقینی سے اپنا سر ہلایا ابھی چند ہی گھنٹے ہوئے تھے جب وہ یوں بھاگم بھاگ سارہ کی سالگرہ کی پارٹی سے رخصت ہوا تھا اور ان چند گھنٹوں میں اس کے ساتھ اتنے حیرت انگیز اور اتنے بہت سے واقعات ہو گئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے ساتھ نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اور یورپ کے کسی دور افتادہ حصے میں ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر سارہ کی تصویر کی طرف دیکھا۔

"سارہ! میری پیاری! اگر میں نے واپس لوٹ کر تمہیں اپنی داستان سنائی تو تم اس پر یقین نہ کرو گی" وہ بولا اور پھر نیچی آواز میں اضافہ کیا۔ "بشرطیکہ میں واپس آسکا"

اس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی جاکٹ اتار کر ایک طرف رکھی، پھر اپنا اوپری لباس اتارا اور بستر پر کی موٹی چادر اٹھا کر اس میں گھسنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ــــ

دفعتہً ایک ہلکی سی آواز کمرے کی خاموشی میں تیر گئی۔ شاید کوئی بند دروازے پر ناخن گھس رہا تھا۔ وہ کان لگا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ یہ شاید کوئی چوہا تھا جو دروازے کے باہر ہی رہ گیا تھا اور اب اپنی ماند سی خوابگاہ میں واپس آنا چاہتا تھا۔

وہ آواز خاموش ہو کر پھر سنائی دی۔ اس دفعہ قدرے شدت سے جیسے وہ پاؤل کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہو۔ چوہا یا اس کی قسم کا کوئی دوسرا جانور ایسی آواز پیدا نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ دروازے کے باہر جو بھی تھا وہ بہرحال انسان تھا۔

پاؤل نے ایک لمبا سانس لیا۔

"خدایا! یہ بھیانک رات کب ختم ہوگی؟" اس نے سوچا۔

وہ پلنگ کے قریب سے ہٹ آیا، کمرہ عبور کر کے دروازے کے قریب پہونچا اور ڈرتے ڈرتے کواڑ ذرا سے کھولے۔

فوراً تانیا کواڑ اور پھر پاؤل کو دھکیلتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ وہ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی۔ جیسے کسی نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ وہ پاؤل سے نظریں چرا رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ پاؤل کچھ پوچھتا وہ اس کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ پاؤل نے دیکھا کہ وہ کھڑکی سے باہر رات کے اندھیرے میں دیکھ رہی تھی، اس کا جسم تنا ہوا تھا اور اس کے نائٹ گون کا بوتام اس کی گردن کے بہت اوپر تک، بلکہ ٹھوڑی کے عین نیچے تک بند تھے۔ پاؤل منتظر اور خاموش کھڑا رہا یہانتک کہ اس نے دیکھا کہ تانیا کی گھبراہٹ قدرے دور ہوگئی۔

"تانیا ......" اس نے آہستہ سے کہا۔

تانیا نے بے تابی سے ہاتھ ہلایا جس کا مطلب تھا کہ پاؤل کو کچھ کہنا نہیں بلکہ تانیا جو کچھ کہے اسے سننا ہے۔

پاؤل اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ تانیا نہ صرف اندھیرے میں دیکھ بلکہ کچھ سننے کی بھی کوشش کر رہی تھی۔ پاؤل بھی سننے لگا اور پھر اس نے وہ آوازیں سن لیں۔

کہیں دور بھیڑیے اپنی منحوس اور بھیانک آوازمیں رو رہے تھے۔

"یہ آوازیں سن رہے ہو؟" تانیا نے پوچھا۔ اسکی آواز کانپ رہی تھی۔

پاؤل مسکرایا۔ تانیا اس خوف سے بری نہ تھی جو ہر عورت میں پایا جاتا ہے۔

"بھیڑیے ہیں" اس نے اسے تسلی دی۔ "پہلے بھی تم نے انکی آوازیں سنی ہوں گی"

وہ ایک دم سے پاؤل کی طرف گھوم گئی۔

"کاش کہ میں آزاد ہوتی" اس نے کہا۔

"آزاد؟" پاؤل نے دہرایا۔

تانیا نے پاؤل کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجب یادیں دینے والی التجا تھی۔

"تم۔۔ تم۔۔ دیکھ نہیں رہے کہ اس نے مجھے یہاں قیدی بنا رکھا ہے تو وہ بولی۔

"تو وہ۔۔ تمھارا اچچا یا۔۔ سرپرست نہیں ہے؟"

تانیا کے منہ سے غصے اور نفرت کی پھنکار نکلی۔

"وہ میرا جیلر ہے۔۔ جلاد ہے"

پاؤل چکرا گیا۔

"وہ اس سے بھی برا ہے" تانیا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "وہ۔۔ وہ ۔۔ مجھ سے باتیں کرواتا ہے"

"باتیں؟"

"کام کرواتا ہے مجھ سے۔ مجبور کرتا ہے مجھے"

سچ تو یہ ہے پاؤل خود کچھ خوفزدہ تھا اور وہ مزید کچھ معلوم کرنا نہ چاہتا تھا لیکن وہ اس حسین اور سہمی ہوئی لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس کی پوری سرگزشت سے واقف ہونا ضروری تھا۔

"کیسے کام؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

تانیا کانپ گئی اور پاؤل کی نظروں سے بچنے کے لئے اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"برے کام۔۔ واہیات اور گھناؤنے کام" اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ اسے سننے کے لئے پاؤل کو آگے کی طرف جھکنا پڑا۔

تانیا نے پھر کہا ا۔

" ایسے کام جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے"

پاؤل کے دل میں رحم اور ہمدردی کا طوفان سا اُمڈ آیا وہ تانیا کی طرف بڑھا لیکن وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں" وہ بولی" مجھے نہ چھونا"

"کیوں ؟"

"اگر تم حقیقت سے واقف ہوتے تو مجھے چھوتے بھی گھبراتے"

لیکن اب پاؤل اپنے آپ کو نہ روک سکتا تھا۔

"تانیا" اس نے بے تابی سے کہا:۔

اور اس نے تانیا کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ تانیا سہم گئی لیکن اس نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ پاؤل کے بازوؤں نے وہ کپکپی محسوس کی جو تانیا کے بدن میں دوڑ گئی تھی۔

"تانیا" اس نے پھر کہا۔

اور اس وقت اس کے بھڑکے ہوئے جذبات کی رو تانیا کے جسم میں داخل ہو گئی تو وہ ایک دم سے پگھل گئی اور پاؤل سے بڑی گرم جوشی بے قراری سے لپٹ گئی۔ پاؤل کو ایسا معلوم ہوا کہ اس لڑکی کے شہوانی جذبات کو بھڑکا کر یا تو ان کی تسکین نہ کی گئی تھی اور اگر کی گئی تھی تو پوری طرح سے نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ اس کے پاس نہ آتی خصوصاً یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تھکا ہوا اور نڈھال تھا لیکن تھکن اب اس کی راہ میں روڑا نہ بن سکتی تھی۔

وہ اس کے ہونٹ چومنے کیلئے جھکا تو تانیا نے جلدی سے کہا:۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں۔ وہ۔ بستر پر۔ جلدی"

وہ اسے آہستہ آہستہ پلنگ کے قریب لے آیا اور آہستہ سے اس پر لٹا دیا۔ پاڈل نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے نائٹ گون کے بٹن کھولنے لگا۔

تانیا نے تیزی سے پاڈل کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"نہیں۔ نہ کھولو ۔ یہ نہیں ۔ صرف وہ ۔ صرف وہ۔ اس نے کہا جلدی کرو۔"

پاڈل نے اس کے ہونٹ چومے تو تانیا نے اسے اتنی تیزی اور اتنی قوت سے پاڈل کو اپنے اوپر گھسیٹ لیا کہ وہ حیران رہ گیا خود تانیا نے ہی اپنا گون اوپر اٹھایا اور اس کی ٹانگیں بڑی بے تابی سے پاڈل کے نیچے کھل گئیں اور وہ دیوانہ وار پاڈل کی پتلون کا پٹکا کھولنے لگی۔

اس سے پہلے کہ وہ ٹانگیں چلا کر اپنی پتلون اتارتا۔ تانیا کمر میں سے کمان بن کر اوپر اٹھ گئیں

وہ بہت سی عورتوں سے جسمانی تعلقات قائم کر چکا تھا لیکن تانیا جیسی گرم اور ماہر عورت سے پہلے کبھی اس کا پالا نہ پڑا تھا۔

بارھواں باب

صبح پہاڑ کی چوٹیوں پر اتر آئی اور دھند کی آخری ونجی بھی غائب ہو گئی اور افق مشرق پر سے اندھیرا سمٹ کر بھاگا۔ یہی صبح پورے ٹرانسلوانیا میں اتر آئی تھی لیکن اس دور افتادہ، ویران اور بھیانک علاقے میں اس روشنی کا اثر قطعی مختلف تھا۔

کہیں پرندے نہ چہچہا رہے، کہیں سے وہ آوازیں نہ آ رہی تھیں جو صبح کا استقبال کرتی ہیں۔ یہاں صبح اتنی ویران اور خاموش تھی جیسی کہ دنیا کے ابتدائی دور میں رہی ہو گی جب نہ انسان تھا اور نہ کوئی دوسرا جاندار۔ قصہ مختصر ماحول اور فضا ایسے

چوبیس گھنٹوں کا اعلان کر رہی تھی جو یکساں، خاموش، بھیانک اور اکتا دینے والے ہوں گے پھر ایک داہیات جگہ تھی اور اس کی ہیبت ناکی نمو کے سہانے وقت سے بھی پھوٹ رہی تھی۔

روشنی کی پہلی لکیریں اس خوابگاہ میں رینگ آئیں جہاں پاؤل اور تانیا سو رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے جسمانی تعلق قائم کرنے اور ایک دوسرے سے مسلسل لذت اٹھانے کے بعد نڈھال ہو چکے تھے۔ پاؤل ایک شیر خوار بچے کی طرح بے خبر سو رہے تھے۔ بڑی پرسکون نیند تھی اس کی گزشتہ رات کی جوشیلی سرگرمیوں کا اطمینان اور سکون اس کے بشرے سے عیاں تھا۔

اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی تانیا اس قسم کے اطمینان اور سکون سے محروم تھی۔ وہ جاگ رہی تھی اور نیم باز آنکھوں سے اور رغبت، شوق اور قدرے نفرت کے ملے جلے جذبات سے پاؤل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

چند ثانیوں کے بعد وہ آہستہ سے یوں اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے بے خبر پڑے ہوئے پاؤل کے ہونٹ چومنا چاہتی ہو۔ لیکن اس کی نظریں پاؤل کے ہونٹوں پر نہ تھیں بلکہ اس کے گلے میں پھڑپھڑاتی ہوئی شہ رگ پر جمی ہوئی تھیں۔

تانیا کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ چند ثانیوں تک وہ پاؤل کی پھڑپھڑاتی ہوئی شہ رگ کو شکار کو تاکتے ہوئے درندے کی طرح دیکھتی رہی۔ دفعتہً اس کا حسین چہرہ بگڑ گیا، اس کے پتلے ہونٹ آہستہ آہستہ کھل گئے اور اس کے دو تیز اور نکیلے دانت باہر نکل آئے۔ تانیا کے یہ کتا دانت اس کے دوسرے دانتوں کے مقابلے میں قدرے زردی مائل تھے۔ وہ پاؤل پر جھک گئی، اس کی شہ رگ میں کاٹنے کے لئے اس نے ایک لمبا سانس لے کر ہوا اپنے پھیپھڑوں میں بھر لی اور وہ پاؤل کی گردن پر پوری طرح سے جھک گئی۔

اسکے ہونٹ پاؤل کی گردن پر ٹک گئے اور اسکے دانت شہ رگ میں اترنے ہی والے تھے کہ دفعۃً ایک جھٹکے کے ساتھ مسہری کا پردہ ہٹ گیا۔

تانیا نے پاؤل کی گردن پر سے منھ ہٹایا اور تیزی سے گھوم کر دیکھا تو وہاں ڈراکیولا کھڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے بگڑ گیا تھا اور آنکھوں سے چنگاریاں سی جھڑ رہی تھیں۔ اسکے دائیں ہاتھ میں وہ خنجر تھا جسے گزشتہ رات پاؤل شوق اور تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا وہی جس کا پھل زنگ یا شاید جمے ہوئے خون سے کتھئی ہو رہا تھا۔

ڈراکیولا کے بھنچے ہوئے دانتوں کے درمیان سے غراہٹ کی ہلکی سی آواز نکلی اس نے اپنا خنجر والا ہاتھ بلند کیا، پوری قوت سے جھکایا اور خنجر پوری قوت سے اور دستے تک تانیا کے سینے میں اتار دیا۔

تانیا کی پہلی ہی چیخ سے پاؤل کی نیند کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور دہشت سے ڈراکیولا کی طرف دیکھنے لگا جو تانیا کے سینے پر وار کر رہا تھا حالانکہ اب تانیا شاید زندہ نہ تھی۔ لیکن ڈراکیولا کا خنجر والا ہاتھ نہ رک رہا تھا جیسے وہ اس کے اختیار میں نہ رہا ہو خون اگلتا خنجر "چخ چخ" کی آواز کے تانیا کے سینے میں اتر اور نکل رہا تھا۔

پاؤل نے اپنی دہشت پر قابو حاصل کر کے اس پاگل شخص کو روکنے کی دیوانہ وار کوشش کی۔ وہ ایک دم سے ڈراکیولا پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اب تانیا کو بچانے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا اور اس کے سینے سے خون کی دھاریں پھوٹ کر اس کے نائٹ گون کو سرخ کر رہی تھیں۔

یہ دیکھ کر کہ تانیا مر چکی ہے ڈراکیولا نے خنجر پھینک دیا اور اپنے دونوں آہنی ہاتھوں سے پاؤل کا گلا پکڑ لیا۔ ڈراکیولا دبلا پتلا اور طویل القامت تھا اس کے باوجود اس کے جسم میں ایسی مافوق الفطرت قوت تھی کہ اسے محسوس کر کے پاؤل بھی حیران رہ گیا۔

وہ تڑپا اور ہاتھ پاؤں چلاتا رہا لیکن ڈراکیولا کی آہنی گرفت سے اپنے

آپ کو نہ چھڑا سکا۔ پاؤل کی آنکھیں پھٹ کر بونا موں کی طرح ابھر آئیں اور اس کے چہرے کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہو گیا۔ اطمینان کی حیوانی غراہٹ کے ساتھ ڈریکولا نے اپنے مہمان کو صاف اوپر اٹھا کر زور سے پھینک دیا۔

پاؤل کمرے کے فرش سے دو تین فٹ اوپر ہی ہوا میں ہاتھ پاؤں چلاتا کمرہ عبور کر گیا اور دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ اتنے زور سے ٹکرایا تھا کہ اس کا بھیجہ ہل گیا اور آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچ گئے۔ وہ اتنا نڈھال ہو رہا تھا کہ جہاں تھا اور جس حالت میں تھا اسی حالت میں پڑا ڈریکولا کی طرف دیکھتا رہا۔

ویمپائر کی آنکھیں نہ صرف پھیل گئی تھیں بلکہ ان میں گھناؤنی بھوک تھی۔ اس کے ہونٹ دانتوں پر بھنچ گئے تھے اور وہ تانیا کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے تانیا کے مردہ گوشت کی بھوک نہ تھی۔ بلکہ اس کے سینے سے بہتے ہوئے تازہ اور سرخ خون کی پیاس تھی۔

ڈریکولا کا منہ اس شخص کی طرح کھل گیا جو کئی گھنٹوں سے پیاسا ہو۔ وہ تانیا کے لاش کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، اس کی زبان باہر لٹک آئی۔ اس نے اپنا سر تانیا کے سینے پر جھکا یا اور اب وہ اس کا خون چاٹ رہا تھا اور اس کی چپڑ چپڑ کی آواز پاؤل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پاؤل برداشت نہ کر سکا اور اس گھن اور نفرت سے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کی آنتیں الٹنے لگیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ قے کر دے گا۔ چنانچہ وہ بدقت تمام اٹھا اور لڑکھڑاتی ٹانگوں سے کمرے کے کونے میں رکھے ہوئے منہ دھونے کے پیالے تک پہونچ گیا وہاں پہنچا تو اس کی پشت کی طرف سے آتی ہوئی خون چاٹنے کی آوازیں ایسی بھیانک اور گھناؤنی ہو گئی تھیں کہ پاؤل خوف سے بیہوش ہونے لگا

وہ پیالے پر جھک گیا اور قے پر قے کرنے لگا یہاں تک کہ اس کے معدے

میں کچھ بھی باقی نہ رہ گیا۔

اسے قدرے سکون ہوا تو اس نے ایک بار پھر گھوم کر پلنگ کی طرف دیکھا لیکن اس وقت کہیں دور سے کسی مرغے کی بانگ کی آواز آئی اور پاؤل نے دیکھا کہ کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ پلنگ پر تانیا کی لاش پڑی تھی اور اس کے قریب جہاں ڈراکیولا گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا وہاں اب وہ خود نہ تھا اس کی جگہ سفید دھوئیں کا ایک ستون سا تھا جو کمرے کے فرش سے لگے ہی لگے آہستہ آہستہ بہہ کر کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔

دھواں کسی زندہ چیز کی طرح کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ پاؤل کپکپاتی ٹانگوں پر اپنا تقریباً سن جسم سنبھالے پلنگ کے قریب پہنچا۔ وہ تانیا کے لئے ظاہر ہے کہ اب کچھ نہ کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ اس کی لاش پر چادر ڈھنک دے۔ چنانچہ اس نے دیوار پر سے ایک پردہ گھسیٹ کر لاش پر ڈال دیا۔

اور اب وہ خود اپنی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلا خیال اسے یہ آیا کہ جلد از جلد اس منحوس کمرے سے نکل جائے۔ وہ دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچا۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر زور سے گھمایا لیکن کچھ نہ ہوا۔

دروازہ نہ صرف باہر سے بند بلکہ مقفل تھا۔

اور پاؤل کو اس بھیانک کمرے میں قید کر دیا گیا تھا۔

چند منٹ تک پاؤل بند کواڑوں پر اندھا دھند گھونسے مارتا اور ساتھ ہی ساتھ چیختا رہا۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا جیسے وہ آہنی کواڑوں پر گھونسے مار رہا اور ویرانے میں چیخ رہا ہو۔ گھونسے مار مار کر اور چیخ چیخ کر اسکی آواز پھٹ گئی۔

"مدد ـــ مدد ـــ" وہ چیخ رہا تھا۔ "خدا کے لئے ـــ کوئی مدد کرے میری۔"

آخر کار اسے احساس ہوا کہ اگر وہ کواڑوں پر گھونسے مار مار کر اور چیخ چیخ

کہ مر بھی جائے گا تب بھی کوئی اس کی مدد کو نہ آئے گا۔ جسمانی اور روحانی طور پر شکست خوردہ ہو کر وہ دروازے کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے پہنچا اور جھانک کر نیچے دیکھا کہ شاید اس طرف فرار کی کوئی راہ ہو۔

قصر کے جس بازو میں اسے رکھا گیا تھا وہ پہاڑ کی چوٹی کے عین کنارے پر تھا۔ کھڑکی سے نیچے وادی تک سینکڑوں فٹ کا گراؤ تھا۔ نیچے، بہت نیچے کھیتوں اور پگڈنڈیوں اور کچے راستوں کا ایک الجھیڑا سا تھا۔

ٹھیک سے دیکھنے کی غرض سے ہارول کھڑکی سے اپنا دھڑ باہر نکال کر نیچے کی طرف جھک گیا اور تب اس نے دیکھا کہ خود اس کے کمرے کی کھڑکی کی باہری دہلیز کے عین نیچے دوسری کھڑکی تھی جو اس کی کھڑکی سے چھوٹی اور ساخت میں قدیم گاتھک طرز کی تھی۔ اس کھڑکی کی نہ چوکھٹ تھی اور نہ شیشے۔

ممکن تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس نیچے والی کھڑکی تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کے جسم میں ہمت اور امید کی نئی رو دوڑ گئی۔ وہ کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر پلنگ کے قریب آیا اور پھر دیواروں اور پلنگ پر سے پردے کھینچنے لگا اور اپنی جلد بازی میں اس نے یہ نہ دیکھا کہ اس کے اس عمل سے پلنگ ہل جاتا تھا وہ پردے گھسیٹ چکا تھا کہ اس نے کسی چیز کو اپنی ٹانگوں سے ٹکراتے محسوس کیا۔ اس نے نیچے کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ تانیا کا ایک بازو پھسل کر پلنگ کے نیچے لٹک رہا تھا۔

اپنے جسم کی کپکپی پر قابو پا کر وہ پردوں کو گرہ لگا کر آپس میں جوڑنے لگا جب یہ رسہ تیار ہو گیا تو اس نے اس کا ایک سرا پلنگ کے پائے سے باندھ دیا اور دوسرا سرا لے کر کھڑکی کے سامنے پہنچا۔ اس نے دوسرا سرا کھڑکی سے باہر لٹکا دیا۔

اسے خوف تھا کہ اس کا بنایا ہوا رستہ نچلی کھڑکی تک نہ پہنچ سکے گا۔ لیکن یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ پردوں کا رستہ نہ صرف نچلی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا بلکہ اس سے قدرے نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ کھڑکی میں چڑھ گیا، اس نے اپنی دونوں ٹانگیں باہر لٹکا دیں اور دونوں ہاتھوں سے رستہ پکڑ کر احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔

اس پر اسے تعجب ہوا کہ یہ کام اسکی توقع کے خلاف کم خطرناک ثابت ہوا۔ اسے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ وہ چکرا دینے والی بلندی پر تھا اور اگر پردوں میں سے کسی ایک کی گرہ چھوٹ گئی تو پھر اس کی ہڈیاں تک سرمہ ہو جائیں گی۔

لیکن پردوں کی گرہیں مضبوط ثابت ہوئیں اور وہ آسانی سے نچلی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنی ٹانگیں چلا کر کھڑکی کی دہلیز کو تلاش کر لیا، ان پر پیر جمائے اور دوسرے ہی لمحے وہ کمرے میں تھا۔

پاول اب اپنے آپ کو جس کمرے میں پا رہا تھا وہ اوپر کے کمرے سے جہاں سے وہ لٹک کر آیا تھا، چھوٹا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ زیادہ اندھیرا بھی تھا۔ ذراسی روشنی ہی اندر آرہی تھی۔

یہ دیکھنا اور کہنا مشکل تھا کہ اس جھرے نما کمرے میں کیا تھا۔ پاول کمرے کی کھردری دیواروں پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔

اور وہ دروازے تک پہنچ گیا۔ لیکن یہ دروازہ بھی مضبوطی سے بند تھا۔ وہ پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا تو مکڑیوں کے جالوں کے جال میں تھا۔ جالے اس کے چہرے اور ہاتھوں سے لپٹ گئے۔ اس نے اپنے جسم سے جالے گھسیٹ کر الگ پھینکے اور پھر آگے بڑھا۔

دفعۃً ایک آواز سن کر اس کے پیر فرش پر گڑ گئے۔ وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف گھوم گیا۔ آواز اسی طرف سے آئی تھی اور اب زیادہ صاف اور واضح تھی۔

یہ پھڑپھڑاہٹ کی آواز تھی۔ کسی بہت بڑی چمگادڑ کے بازوؤں کی آواز۔

وہ بت بنا کھڑا یہ آواز سن رہا تھا کہ اس نے کچھ دیکھا۔ پردوں کا وہ رسہ جو اوپر کی کھڑکی سے لٹک رہا تھا اپنے آپ ہلنے لگا اور پھر اوپر اٹھنے لگا۔

اوپر کے کمرے میں کوئی تھا جو رسے کو اوپر کھینچ رہا تھا۔

پاؤل سب کچھ بھول کر کھڑکی کی طرف بھاگا اور اس نے اوپر جاتے ہوئے رسے کو پکڑنے کے لئے دیوانہ وار ہاتھ چلائے لیکن رسہ ایک دم سے اوپر کھینچ لیا گیا۔ اور اب پاؤل کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ تھی۔ وہ پوری طرح سے پھنس گیا تھا۔

ہمدردی اور مدد حاصل کرنے کے لئے وہ جان پر کھیل کر کھڑکی میں سے اس طرح باہر لٹک گیا کہ صرف اس کے پنجے حجرے کے فرش پر ٹکے ہوئے تھے۔

"اوپر کون ہے" وہ چیخا۔ "تم جو بھی ہو ــــ خدا کے لئے۔ میری مدد کرو۔"

اوپر سے کوئی جواب نہ آیا۔

انتہائی مایوسی کے عالم میں کراہ کر پاؤں کھڑکی کے قریب کمرے کے ہٹ آیا اور اس دفعہ وہ اندھا دھند کمرے میں چل پڑا۔ اس کے حواس بجا تھے اور وہ کچھ نہ جانتا تھا اور کچھ سمجھتا نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ کسی سخت چیز سے ٹکرا گیا۔

پاؤل نے سنبھل کر اور سر جھٹک کر دیکھا۔ یہ پتھر کا چبوترہ سا تھا اس نے اور زیادہ غور سے دیکھا تو چبوترہ مقبرہ معلوم ہوا۔

"کس کا مقبرہ ہے یہ" وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ "قبر ہے کہ کیا؟"

اور پھر اسنے دیکھا کہ اس چبوترے پر ایک تابوت رکھا ہوا تھا جسکا ڈھکن ذرا سے کھلا ہوا تھا۔ شوق تجسس سے بیقرار ہو کر وہ آگے بڑھا اور اسنے تابوت کا ڈھکن پوری طرح سے دھکیل کر تابوت میں دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے پاؤل خوف سے کانپ کر پیچھے ہٹ چکا تھا

تابوت میں کونٹ ڈراکیولا کا بے جان جسم یوں پڑا ہوا تھا جیسے بھی اس کا

گھر ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ڈراکیولا کئی دنوں، مہینوں بلکہ برسوں سے اسی تابوت میں پڑا ہوا تھا۔

کونٹ ڈراکیولا کی آنکھیں بند تھیں، اس کے بازو اس کے پہلوؤں کے دونوں طرف لمبے کٹے ہوئے تھے اور اس کے ہونٹوں کے کونوں سے خون کی دو چمکدار لکیریں بہہ کر اس کی تھوڑی کے نیچے آکر مل گئی تھیں۔

کونٹ ڈراکیولا اپنے شکار کا خون شکم سیر ہو کر پینے کے بعد تابوت میں بےفکر ہو کر سو رہا تھا۔

تیرھواں باب

سرائے کاسل میں کام کا گھنٹہ سویرے ہی شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ٹھیک اس وقت جب پاؤلی تھر ڈراکیولا کی کھڑکی میں سے پردوں کا رسّہ لٹکا کر اس سے مکھی کی طرح چپکا نچلی کھڑکی کی طرف کھسک رہا تھا تو سرائے کاسل کی بارمیڈ جولی اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں پر جھکی ایک گیلے کپڑے سے بار کے فرش پر سے رات کا جما ہوا گاہکوں کا تھوک اور دوسری غلاظت صاف کر رہی تھی۔

ویسے سرائے دس بجے سے پہلے نہ کھلتی تھی لیکن اس کے کھلنے سے پہلے پورے چار گھنٹوں کا کام ہوتا تھا جو تنہا جولی کرتی تھی اور اس سے پہلے کہ صبح کا پہلا گاہک سرائے میں آتا جولی کام سے فرصت پا کر بار کے پیچھے پہنچ کر آرڈر لینے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔

اس صبح، جس کا ذکر ہو رہا ہے سرائے میں جو پہلا گاہک آیا وہ نہ تو غلیظ کسان تھا اور نہ اجڈ کاشتکار بلکہ اس گرجا کا پادری تھا جو ویران پڑا تھا اور جہاں کوئی

عبادت کے لئے نہ جاتا تھا۔ اس پہلے گاہک کو دیکھ کر سرائے کے مالک کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس گرجا سے، جس کا یہ پادری تھا، ایک بھیانک یاد وابستہ تھی اور اس کے متعلق خوفناک افواہیں مشہور تھیں اور چونکہ اس کے علاوہ گردونواح میں کوئی دوسرا گرجا نہ تھا اس لئے گاؤں والے اپنے گھروں میں عبادت کر لیتے اور خود گھر کا مربی ہی اپنے خاندان والوں کے سامنے مناسب خطبہ دیا کرتا تھا۔

اس پست قامت پادری کے ساتھ گپ لڑانے کے لئے سرائے کے مالک کی زبان کھجلا رہی تھی لیکن پادری خاموش تنہائی پسند معلوم ہوتا تھا اور اس کے گھٹنے پن سے پتہ چلتا تھا کہ کم سے کم فی الحال وہ کسی کے بھی ساتھ کو پسند نہ کرے گا۔ ممکن ہے اس خوفناک واقعہ کی یاد نے اب تک اس کے اعصاب کو مضطرب رکھا ہو جب وہ گاؤں والوں کے ساتھ قصر ڈراکیولا کو آگ لگانے گیا تھا اور جب وہ لوگ واپس آئے تھے تو انھوں نے گرجا کو خود ان کی بیویوں کا مقتل پایا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو پادری بہر حال اداس اور خاموش تھا اور جب اس نے برانڈی طلب کی تو سرائے کے مالک نے شدت سے محسوس کیا کہ آواز دھیمی، بے جان سی اور غمناک تھی۔ اس نے ذرا بھی مسرت یا جوش کا اظہار کئے بغیر برانڈی کا جام اپنے کانپتے ہاتھ میں لیا اور ایک کونے کی میز پر بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔ اس تمام عرصے میں وہ غیر جذباتی آنکھوں سے کہیں خلا میں دیکھتا رہا۔

جولی اور سرائے کے مالک کو مصروف رکھنے کے لئے اور بھی کام تھے چنانچہ وہ جلد ہی اس اداس چہرے والے خاموش پادری اور اس کے مسائل کو بھول گئے۔

کچھ ہی دیر بعد صحن میں سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ سرائے کا مالک اس وقت ریزگاری گن رہا تھا۔ چنانچہ وہ اس نے کاؤنٹر پر ہی چھوڑی اور اپنے نئے گاہکوں کے استقبال کو دروازے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ

وہ دروازے تک پہنچتا یہ نئے گاہک اندر آ چکے تھے۔

یہ آنے والے دو تھے اور پولس افسر تھے۔ ان کی ڈھیلی ڈھالی دھیلیوں پر جمی ہوئی دھول سے پتہ چلتا تھا کہ دونوں کہیں دور سے اور خاصا طویل سفر کرکے آئے تھے۔ سرائے کے مالک نے دیکھا کہ اس کے گاہک حکومت کے کارندے تھے جو مفت خوری کے لئے مشہور ہیں تو اس کے ہونٹوں پر کی استقبالیہ مسکراہٹ نے دم توڑ دیا۔ لیکن پولس کے دونوں افسروں نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ جس کام کے لئے چلے تھے وہ بڑا ہی اہم تھا۔

" شراب لاؤ۔ جلدی " پہلے افسر نے رعب دار آواز میں کہا اور دونوں افسروں نے جیسے پورے کمرے پر قبضہ جما لیا۔

لیکن سرائے کا مالک ذرا بھی مرعوب نہ ہوا اور ان کی خدمت کے لئے نہ دوڑ پڑا۔ آخر وہ سرائے چلا رہا تھا خیرات خانہ نہیں۔

" بل ادا کرو گے؟ " سرائے کے مالک نے بے خوفی سے پوچھا۔

پہلے افسر نے ہاتھ ہلا کر اس حقیر سے انسان کے سوال کو غیر اہم قرار دیا۔

" اب ہم یہاں سرکاری کام سے آئے ہیں۔ کیا؟ " اس نے سینہ پھلا کر اعلان کیا

" ہاں سرکاری اور بے حد اہم " اس کے ساتھی نے دہرایا۔

معاملہ ذرا ٹیڑھا تھا اور سرکاری گرگوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ چنانچہ ان افسروں کی رعونت اور دردی اور افسری کا تخمہ دور کرنے کے لئے سرائے کے مالک نے اپنی دریا دلی کا ثبوت دینے کا فیصلہ کیا۔

" آپ دونوں کے لئے ایک ایک جام بیر دے سکتا ہوں " اس نے دل پر جبر کرکے اعلان کیا۔ " اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ہر ایرے غیرے کو مفت

کی پلانے کے قابل ہوں۔ میں تو غریب آدمی ہوں۔ اس واہیات جگہ میں گاہک آتے ہی کتنے ہیں:

افسروں کو احساس تو ضرور ہوا کہ یہ بھی غنیمت تھا کہ سرائے کا مالک ایک ایک جام بیر مفت پلانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرا افسر بہرحال سرائے کے مالک کو مرعوب کرنا اور اسے دکھا دینا چاہتا تھا کہ وہ بہرحال ایسا ویسا نہ تھا۔

"ہمیں پچھلی سرائے میں جی بھر کر شراب پلائی گئی تھی" اس نے اعلان کیا۔

اب سرائے کے مالک کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔

"تو پھر یہاں کیوں آئے ہو۔ اس سرائے میں ہی جاؤ" وہ دانت پیس کر بولا۔

بات بگڑنے دیکھ کر اور اپنی عزت و شان بچانے کے لئے پہلے افسر نے بیر کا وہ جام قبول کر لیا جو چوہلی نے اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"تجھے تو بیر ہی پسند ہے۔ کیا؟" وہ بولا "بشرطیکہ شریفوں کے پینے کے قابل ہو"

چنانچہ دونوں نے جام ہونٹوں سے لگا کر ایک بڑا سا گھونٹ لیا۔ پھر پہلے افسر نے، جو دوسرے سے عہدے میں بڑا معلوم ہوتا تھا، اپنی جیب میں سے ایک تڑا مڑا کاغذ برآمد کیا اور اسے سرائے کے مالک کی آنکھوں کے سامنے نچا کر بولا:

"جانتے ہو یہ کیا ہے؟"

سرائے کے مالک نے نفی میں سر ہلا دیا تو اس نے اسے مطلع کیا:۔

"یہ وارنٹ ہے۔ کیا؟"

"گرفتاری کا" دوسرے نے لقمہ دیا جیسے وہ زبانی شطرنج میں سامنے والے کو شہ دے رہا ہو۔

اگر اسے یہ یقین تھا کہ اس کے اس اعلان سے وہ سرائے کے مالک کو گھبرا

دے گا تو اس کا یہ یقین بے بنیاد ثابت ہوا۔ سرائے کا مالک واپس اپنی ریخہ کاری کے اہرام کی طرف متوجہ ہو چکا تھا، جولی ایک بار پھر فرش صاف کرنے لگی تھی کیونکہ ہر دفعہ وہ ایک دو داغ صاف کرنا بھول جاتی تھی۔ رہا پادری تو وہ کمرے کے کونے میں اپنے خیالات میں گم بیٹھا تھا۔

اپنا غصہ ظاہر کرنے کے لئے دوسرا افسر بڑی آواز سے بیر پینے لگا۔ پہلے افسر نے اپنے ساتھی کی طرف بے چینی سے دیکھا اور ایکبار پھر سرائے کے مالک سے ڈ دیل لڑنے لگا۔

"جانتے ہو کس کے لئے ہے یہ وارنٹ گرفتاری؟" اس نے کہا۔

سرائے کے مالک نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

"میرے لئے نہیں ہے تو پھر کسی کے لئے بھی ہو میری بلا سے" وہ بولا۔

خدا جانے کیوں دوسرے افسر کو سرائے کے مالک کی یہ بات بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوئی چنانچہ وہ اس طرح ہنسا کہ اس کے منہ سے بیر کی پھوار اڑی اور اسے اچھو بھی لگ گیا۔

"ہاں یار۔۔ یہ تمھارے لئے نہیں ہے" جب اس کی حالت سنبھلی تو وہ بولا۔

"یہ ایک نوجوان کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ پہلے نے کہا، کلینس برگ کا ہے۔"

یہ سن کر سرائے کا مالک اپنے آپ کو روک نہ سکا اور اس نے معنی خیز نظروں سے جولی کی طرف دیکھا۔ ادھر جولی نے بھی فرش صاف کرنا ترک کر دیا تھا اور وہ ہمہ تن گوش بنی دونوں افسروں کی طرف دیکھ رہی تھی پہلے افسر نے اپنی بات کا یہ اثر دیکھا تو اس کی ماند پڑتی ہوئی افسریت دمک اٹھی۔

"جانتے ہو کیا کیا ہے اس سالے نے؟" اس نے پوچھا۔

سرائے کے مالک نے نفی میں سر ہلایا تو پہلا افسر بولا۔

"تو پھر سنو۔ میں بتاتا ہوں۔ کیا؟"

جولی نے اپنے کان کھڑے کر دیئے لیکن یہ دیکھ کر اس کی مایوسی اور بے چینی کی انتہا نہ رہی کہ تینوں آدمی سر سے سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور چند منٹوں تک کھسر پھسر کرتے اور حیرت سے سر ہلاتے رہے۔ جولی نے لاکھ کوشش کی لیکن ایک لفظ بھی نہ سن سکی آخر کار ان کی سرگوشی ختم ہوئی۔ سرائے کا مالک نہ صرف سیدھا کھڑا ہو گیا بلکہ ایک قدم پیچھے بھی ہٹ گیا اور ایک لمبا سانس لیا کیونکہ پولیس افسر کے منھ سے پیاز اور لہسن کی بو کے ملے جلے بھبکے نکل رہے تھے کہ سرائے کے مالک نے اپنا سانس روک کر اسکی سرگوشی سنی۔

"تو یہ کیا اس سالے نے؟" پہلے افسر نے فتحمندی سے کہا" اور وہ بھی صدر بلدیہ کی چھوکری سے"

"ہاں۔ صدر بلدیہ کی چھوکری سے" دوسرے افسر نے سر ہلایا" جب وہ بھاگ کر نیچے آئی ہے چیختی ہوئی تو اس کی ٹانگوں کے درمیان سے خون ٹپک رہا تھا"

جہاں تک سرائے کے مالک کا تعلق تھا اس کے لئے سب لڑکیاں برابر تھیں پھر اس نوجوان نے کسی رنڈی سے زنا کیا ہو یا بادشاہ کی بیٹی سے، کوئی فرق نہ پڑتا تھا

"تو تمہیں یقین تھا کہ وہ نوجوان تمہیں یہاں مل جائے گا؟" اس نے پوچھا۔

"ایسا تو یقین نہ تھا؟" پولیس افسر نے کہا" لیکن اس سے تو تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ وہ اس طرف کم سے کم گزرا ہو گا یا گزر سکتا ہے۔

دوسرے افسر نے جام دھڑام سے میز پر مارا۔

"اور سب جگہوں پر تو ہم تپاس (تحقیقات) کر چکے ہیں" اس نے اعلان کیا۔

پہلے افسر نے پھر سرائے کے مالک کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

"ہمیں حکم ہے کہ ہم اسے ہر جگہ پوری تندہی سے تلاش کریں۔"

"پوری تندہی سے" دوسرے نے دہرایا۔

"ہر جگہ اور ہر مقام پر" پہلا بولا۔

"ہر مقام پر"

ان کے پیش پا افتادہ مکالمے سے اکتا کر جونی نے ان کی طرف دیکھا اور تلخی سے کہا:۔

"بہر حال وہ یہاں نہیں۔ پھر کوئی بھی ہو اور کچھ بھی کر کے بھاگا ہو"

پہلے افسر نے یوں تالی بجائی جیسے کسی فلسفیانہ بحث میں اس نے سامنے والے کو مات دے دی ہو۔

"میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ یہاں نہیں ہے" وہ بولا "لیکن کون کہتا ہے کہ وہ یہاں نہیں آیا تھا؟ کیا جواب ہے اس سوال کا تمھارے پاس...

سرائے کے مالک نے جونی کی طرف دیکھا۔ موخر الذکر کے بشرے پر التجا تھی لیکن سرائے کا مالک اس سے متاثر نہ ہوا۔

"گزشتہ رات ایک نوجوان یہاں آیا تھا......" اس نے کہا۔

"آیا تھا نا؟" پہلے افسر نے اپنی کرسی میں پھدک کر کہا۔

"اس نے میرے سرائے میں ایک کمرہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی......"

"ہاں۔ کی تھی نا؟" افسر نے تالی بجائی۔

"لیکن میں نے اسے باہر سے ہی چلتا کر دیا......"

"ایں! کیا؟"

"بہت زیادہ رات گزر چکی تھی اور میں جانتا نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ اس کے علاوہ

مجھے اپنے اسٹاف کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ جولی میری بار میڈ ہے اور مجھے اسے ان مسافروں سے بچانا پڑتا ہے جو ہر لڑکی کو دیکھتے ہی اس کے ساتھ بستر میں گھسنے کے منصوبے گھڑنے لگ جاتے ہیں۔"

جولی نے کھا جانے والی نظروں سے سرائے کے مالک کی طرف دیکھا۔

"اس ہمدردی اور خیال کا شکریہ" وہ بڑبڑائی۔

"یہ عقلمندی کی تم نے" پہلے افسر نے کہا۔

"ہاں۔ عقلمندی۔ ورنہ وہ تمھاری بار میڈ کو بھی نہ چھوڑتا۔"

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا کیونکہ دونوں افسر سوچ رہے تھے کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیئے۔"

"کس طرف گیا ہے وہ؟" آخر کار پہلے افسر نے پوچھا

سرائے کا مالک چند ثانیوں تک خاموشی سے سوچتا رہا کہ وہ ان سرکاری گرگوں کو ان کے آدمی کے متعلق ضروری اطلاعات بہم پہنچا چکا ہے چنانچہ اب مزید ان سے زبان لڑانا مناسب نہیں۔ اس نوجوان کو تلاش کرنا ان کا کام ہے چنانچہ وہ جانیں اور ان کا کام۔

"یہ تو میں نہیں جانتا" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "لیکن تم ایسا کرو کہ یہاں سے نکل کر ناک کی سیدھ میں چلے جاؤ۔ سراغرسانی کا یہ آسان اور بہترین طریقہ ہے۔"

اور پھر وہ ان کے قریب سے ہٹ کر بڑبڑایا

"ابھی تو اتنے بہت سے کام کرنے کو پڑے ہیں میرے لئے"

دونوں افسروں نے مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں نہ جانتے تھے کہ اب انھیں کیا کرنا یا اس سرائے سے نکل کر کہاں جانا چاہیئے۔ البتہ وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ کلنیس برگ لوٹنے سے پہلے کوئی قطعی اور قابلِ قبول بات کا معلوم

کرنا ضروری ہے ورنہ صدرِ بلدیہ صاحب کا نزلہ ان دونوں پر گرے گا اور وہ ان دونوں کو خود ان کے ہی جیل خانے میں بند کر دے گا۔

ابھی وہ دونوں "کیا کریں" اور "کیا نہ کریں" میں ہی الجھے ہوئے تھے کہ جولی اٹھ کر ان کے قریب آئی۔ دونوں افسروں نے، حیرت، دلچسپی اور اُمید کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ سرائے کا مالک حدِ سماعت سے پرے تھا جولی نے آہستہ سے کہا:۔

"شاید میں تم لوگوں کی کچھ مدد کر سکتی ہوں"

"اچھا! کیا؟" پہلے افسر نے بے اعتباری سے کہا۔

"ہاں۔ کیا؟" دوسرا تھوڑے آگے کی طرف جھک گیا۔

جولی نے نظریں جھکالیں اور وہ یوں سرخ ہوگئی جیسے کوئی زبردست راز افشا کر رہی ہو

"بس یہ بتا سکتی ہوں کہ یہاں سے نکالے جانے کے بعد وہ کس طرف اور کہاں گیا ہے"

افسروں کے ماتھوں پہ بل پڑ گئے اور انھوں نے افسرانہ شان کے مظاہرے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لئے۔

وہ کسی سے ایک اہم اطلاع اگلوا رہے تھے اور یہ کوئی ہنسی مذاق نہ تھا۔ لیکن اگر وہ جانتے ہوتے کہ جولی باؤل کے متعلق انھیں یہ اطلاع کس غرض سے دے رہی تھی تو ان کی ساری خوشی معدوم ہو جاتی۔

جولی نے سوچا یہ تھا کہ اگر ان افسروں جیسے خود پسند، خود نما اور کوڑھ مغز لوگ اس نوجوان کی تلاش میں ہیں جس کی مردمی سے سرائے کے مالک نے اسے لطف اندوز ہونے نہ دیا تھا تو پھر مناسب ہوگا ان دونوں کو اس نوجوان کا پتہ بتا دے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں اسے واپس لے آئیں اور پھر جولی کو اپنی تڑپتی ہو آرزو کو تسکین پذیر کرنے کا موقع مل جائے۔ اس کے علاوہ اگر تھر میں وہ پہنچ گیا تھا تو پھر یقیناً اسے مدد کی ضرورت

ہوگی اور یہ یونیفارم میں ملبوس سرکاری خبطیوں کے علاوہ، اور کون اس کی مدد کرسکتا تھا۔

"اچھا تو بتاؤ۔ وہ کس طرف اور کہاں گیا ہے" پہلے افسر نے رسان سے پوچھا۔

"وہ قصر کی طرف گیا ہے" جولی نے جلدی سے کہا

"ایسا!"

"ہاں۔ وہیں گیا ہے وہ۔ قصر میں"

"قصر میں؟" پہلے افسر نے بے چینی سے اپنے ماتحت کی طرف دیکھا۔

"کون سے قصر میں" دوسرے افسر نے پوچھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس علاقے میں صرف ایک ہی قصر ہے۔ قصر ڈراکیولا جس کے متعلق عجیب وغریب روائتیں مشہور تھیں

"یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے" جولی نے بے تابی سے کہا" وہی قصر جس کا ایک حصہ حالی ہی میں جل گیا ہے"۔

"زیادہ دور نہیں ہے۔" پہلے افسر نے کہا۔

"ہاں۔ اگر گھوڑوں پر سوار ہوکر جایا جائے تو ذرا سا سفر ہے" جولی نے اسے یقین دلایا۔

"گھوڑے پر سوار ہوکر۔۔۔ہم۔م۔م۔ تب تو کافی دور معلوم ہوتا ہے" پہلے افسر نے کہا۔

"کافی دور" دوسرے نے حسب معمول دہرایا۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمھیں اسے ہر جگہ اور ہر مقام پر تلاش کرنے کا حکم ملا ہے" جولی نے انھیں یاد دلایا۔ پہلے افسر نے خاموش ہوکر اس پر غور کیا۔

"بے شک۔ لیکن ہر اس جگہ اور ہر اس مقام پر جو ہماری حدود میں ہے" اس نے کہا" اور یہ قصر یقیناً ہماری حدود سے باہر ہے"۔

"بہت زیادہ باہر ہے" دوسرے نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"لیکن ہم اس کی رپورٹ کردیں گے" پہلے افسر نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ ہم مکمل رپورٹ پیش کردیں گے۔ وہ سالا بچ کر نہ جا سکے گا۔ کیا؟ ہم جو کہتے ہیں کہ وہ بچ نہیں سکتا ہاں۔ ہم جو کہتے ہیں" دوسرے نے سینہ پھیلایا۔

دونوں افسروں نے اپنے جام خالی کئے، انھیں دوبارہ بھرنے کو کہے بغیر اور بل ادا کئے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ جولی نفرت اور حقارت سے انھیں جاتے دیکھتی رہی۔

"کام چور، بزدل، سور کہیں کے" اس نے بڑبڑا کر غصے اور حقارت سے تھوک دیا جولی کے الفاظ کونے میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے پادری تک پہنچ گئے تھے۔ اب اس نے پہلی دفعہ سر اٹھایا اور جولی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا:۔

"بیٹی!"

"کیا ہے" جولی نے پھر ہی کھینچ مارا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

"کیا سچ ہے؟"

"یہی جو تم نے اس نوجوان کے متعلق کہا ہے؟"

"کیا کہا ہے؟"

"یہی کہ وہ قعر کی طرف گیا ہے؟"

"ہاں مقدس باپ" جولی ایک دم سے نرم پڑ گئی "یہ سچ ہے پادری نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

"تو پھر خدا اس کے فانی جسم اور لافانی روح کی حفاظت کرے" وہ بڑبڑایا۔

جولی کے دل میں ایک ٹیس سی لگی اور پادری کی دعا پر اس نے بے اختیار کہا۔

"آمین۔"

چودھواں باب

قصر ڈراکیولا کے تنہار کھوالے اور کونٹ ڈراکیولا کے خاص ملازم کلیو کی وہ صبح بے حد مصروف گزری تھی۔

اپنے آقا کے حکم کے مطابق وہ پو پھٹنے سے پہلے ہی بیدار ہو گیا تھا کیونکہ ڈراکیولا نے اسے پاؤل اور اس کی حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھنے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ جب کونٹ ڈراکیولا نے خنجر سے وار پر وار کر کے اتنی بے دردی سے تانیا کو قتل کر دیا تھا تو اس وقت کلیو خوابگاہ کے باہر ہی تھا۔ بعد میں جب پاؤل جان پر کھیل کر اوپر سے لٹک کر کونٹ ڈراکیولا کے حجرے میں پہنچ گیا تھا تو کلیو نے جلدی سے آگے بڑھ کر پردوں کے بنے ہوئے رسّے کو اوپر کھینچ لیا تھا۔

اور اب، جبکہ گیارہ بج رہے تھے، وہ اپنے ہولناک کام کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

وہ کمرے میں سے جبکہ قصر کی خاموش گزرگاہوں میں سے گزر رہا اور اپنے پیچھے نہانے کا ایک بڑا سا ٹب گھسیٹ رہا تھا۔ ٹب کے کناروں پر نہایت خوبصورت گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ کسی زمانے میں کونٹ کے خاندان کی خواتین اسی ٹب میں بیٹھ کر نہایا کرتی تھیں۔ لیکن اس وقت اس ٹب کو نہانے کے لئے نہیں بلکہ ایک لرزہ خیز کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

بڑی خوش دلی اور فراغت سے سیٹی بجاتا ہوا کلیو ٹب کو گھسیٹ کر اس کمرے میں لے آیا جس میں پلنگ پر تانیا کی نیم عریاں اور خون میں لتھڑی ہوئی لاش اب بھی اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ اس کا ایک ہاتھ پلنگ سے نیچے لٹک رہا تھا۔

جب وہ ٹب کو گھسیٹتا ہوا پلنگ کی طرف بڑھا تو ٹب میں رکھی ہوئی چیزیں آپس میں ٹکرا گئیں اور ان کے ٹکرانے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوئی۔ اس میں ایک تو کوچی تھی، چند گندے چیتھڑے تھے، فرش دھونے کا ایک گھسا ہوا برش تھا اور ربڑ کی ایک پھٹی ہوئی چادر تھی جس پر بے شمار داغ دھبے تھے۔ ان کے علاوہ ایک غلیظ کپڑے میں لپٹے ہوئے کچھ اوزار تھے، انھیں دیکھنے والا کہہ سکتا تھا یہ چیزیں کسی داہیات اور ان گھڑ ہسپتال میں استعمال کی جاتی ہوں گی، کسی ایسے ہسپتال میں جہاں کا عملہ کلوروفارم وغیرہ کے نام تک سے واقف نہ ہوگا۔

پلنگ کے قریب پہونچ کر کلیو نے ٹب کے کنارے چھوڑ دیئے اور ایک سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اپنی کمر سیدھی کرنے کے بعد وہ تانیا کی لاش کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے پاؤل کی وہ چیزیں سمیٹنے لگا جو اس نے، پاؤل نے، گزشتہ رات اپنی جیب میں نکال کر پلنگ کی قریب کی میز پر رکھ دی تھیں۔

روپیہ تو اس نے مسکرا کر اپنے لئے رکھ لیا۔ کاغذات کنگھی سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی چنانچہ ان چیزوں کو اس نے ایک طرف پھینک دیا۔ اور پھر وہ لاکٹ اس کے ہاتھ میں آگیا جس میں سارہ کی تصویر جڑی ہوئی تھی۔ کلیو کچھ سوچنے لگا۔ اس کی سیٹی نے لرز کر دم توڑ دیا اور وہ غور سے سارہ کی تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے کند دماغ پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اس نے سارہ کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔

دفعتہ اس کے دماغ کی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ اسے کچھ یاد آگیا۔ خوشی کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے لاکٹ کو اس کے نچلے پہلو سے لٹکا کر کھڑا کر دیا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ کام کرتا جاتا۔ اور بار بار لاکٹ میں سارہ کی تصویر کی طرف دیکھ کر خوشی سے سر ہلاتا جاتا تھا۔ وہ آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔

اس نے بڑے اطمینان سے پلنگ کے پردے اٹھا کر ٹھیک کئے۔ پھر وہ منھ دھونے کے پیالے کے قریب پہنچا اور وہاں دھری ہوئی مٹی کی صراحی میں سے پانی ٹب میں انڈیلا۔ اب اس نے ربڑ کی چادر کھول کر فرش پر بچھا دی اور اپنا پہلا اوزار اٹھا لیا یہ ایک زنگ خردہ آری تھی بالکل ایسی ہی جیسی کہ قصاب بڑے جانور کی ہڈیاں کاٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

آئندہ چند گھنٹوں تک کلبو اس قدر خوش تھا کہ پہلے کبھی وہ اتنا خوش نہ رہا تھا کم سے کم اسے تو یاد نہ تھا کہ پہلے کبھی بھی اس نے ایسی خوشی محسوس کی تھی۔

اس کی سیٹی کی دھن بدل گئی تھی۔ اب اس میں موسم بہار کے پرندوں کی سی چہچہاہٹ تھی۔ جب وہ سیٹی سے تھک جاتا تو گنگنانے لگتا اس فنکار کی طرح جسے ایک مدت کے بعد اپنے فن اور اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا ہے۔

وہ دن کے زیادہ تر حصے میں تانیا کی لاش کو کاٹنے، چیر پھاڑ کرنے اور اس کے حصے بخرے کرنے میں مصروف رہا۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت آیا تو وہ تانیا کے جسم کے کٹے ہوئے حصوں اور خون سے بھرے ہوئے ٹب کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا اور سینڈوچ اور ساسیج چبانے لگا۔ اس نے ایک بوتل سے سستی قسم کی شراب کے چند گھونٹ لئے اور دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بچے کی طرح ۔غوں ۔غوں کرنے لگا کہ شراب کا رنگ تانیا کے اس خون کے رنگ سے کس قدر ملتا جلتا تھا جو ربڑ کی چادر پر جما ہوا تھا جہاں اس نے تانیا کی لاش کے مختلف بڑے عضو آری سے کاٹے تھے

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر اپنے کام میں جٹ گیا اور دوپہر اور سہ پہر کے آخر تک لاش کو کاٹتا اور مختلف عضو الگ کرتا رہا۔ ربڑ کی چادر اب اس قدر خون آلود ہو چکی تھی کہ وہ زیادہ خون کو روک نہ سکتی تھی۔ اس نے ربڑ کی چادر اٹھا کر کھڑکی کی دہلیز پر خشک ہونے کے لئے ڈال دی۔

اسے بعد میں پانی سے دھولوں گا۔ اس نے فیصلہ کیا۔

شام ہو چکی تھی جب اس نے لاش کا آخری ٹکڑا ٹب میں ڈال دیا۔ اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اب وہ سارا کی تصویر کے سامنے جھک گیا جیسے اس سے اپنے اس بھیانک کام کی داد طلب کر رہا ہو۔ اب اس نے جھاڑو اٹھائی اور بھگونے کے ٹب میں ڈال دی، تو کوئی گلابی سی چیز ٹب کے پیندے میں سے اٹھ کر سرخ، خون آلود پانی کی سطح پر آگئی۔ یہ تانیا کا ایک کٹا ہوا پیر تھا۔ کلیو نے غرا کر جھاڑو کے دستے سے پیر کو دوبارہ ٹب کے پیندے میں دبا دیا۔

شام کا دھندلکا اندھیرے میں تبدیل ہو گیا تو اس وقت بھی کلیو فرش پر سے خون کے دھبے دھونے میں مصروف تھا۔ کمرے سے روشنی رخصت ہوئی تو کلیو نے ایک موم بتی جلائی۔ اس نے یہ موم بتی لاکٹ کے قریب میز پر چپکا دی تاکہ وہ اب بھی سارا کی تصویر کی طرف دیکھ اور مسکرا سکے۔

اس طرف سے فرصت پا کر وہ اپنے کام کے سب سے زیادہ مشکل اور مشقت طلب حصے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ کمرے سے نہرا ہو کر ٹب کو کمرے سے باہر گھسیٹ لایا اور اب وہ اسے ایک اندھیری گزرگاہ میں سے گھسیٹتا ہوا قصر کے تہ خانے کی طرف لیے جا رہا تھا جہاں یہ ٹب اور اس کا اثاثہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا اور پھر کبھی انسانی نظر اسے دیکھ نہ سکے گی۔

جب وہ اپنا کام پورا کر کے اپنے حجرے میں، جو ڈراکیولا کے حجرے کے قریب تھا، آیا تو وہ بے حد تھکا ہوا تھا اور اس کا عضو عضو درد کر رہا تھا۔

کلیو کے حجرے میں فرنیچر کے نام ایک چوبی صندوق تھا جو میز کی غرض پوری کر رہا تھا، ایک ٹوٹی اور کمزور ٹانگوں پر جھولتی ہوئی کرسی تھی اور ایک گندی سی چٹائی تھی جس میں جوئیں دوڑتی پھر رہی تھیں۔ یہ چٹائی بستر کا کام دیتی تھی جسے فرش پر

کہیں بھی بچھا کر اور اس پر گٹھڑی بن کر کلیو اپنی رات گزار دیتا تھا۔ دیوار کے ایک بڑے طاق میں کلیو کی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ چیتھڑے اور لوگوں کے اترے ہوئے کپڑے جنہیں کلیو یا تو چرا کر یا بھیک مانگ کر لایا تھا۔

اپنے حجرے میں داخل ہو کر اس نے موم بتی جلائی جو نصف سے زیادہ پہلے ہی جل کر ختم ہو چکی تھی۔ اس نے لاکٹ موم بتی کے قریب رکھ دیا اور اب وہ اطمینان سے اسی میں جڑی ہوئی تصویر کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ فرش پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور بڑی محبت اور جاں نثاری سے سارہ کی تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔

آخر کار نیند اس پر غلبہ حاصل کرنے لگی۔ کلیو نے چٹائی بچھائی، لاکٹ اٹھا کر سارہ کی تصویر پر اپنی کانپتی ہوئی انگلیاں پھیریں اور پھر اسے سینے سے لگا کر لیٹ گیا کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند میں تھا۔

پندرھواں باب

جب سے پادل پارٹی میں سے یوں بھاگم بھاگ رخصت ہوا تھا تب سے سارہ نہ تو کچھ کھا سکی تھی اور نہ ہی سو سکی تھی۔ اس کی بھوک پیاس مر گئی تھی اور نیند اڑ گئی تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا تھا کہ اس کا دماغ دفعتہً ناکارہ سا ہو گیا تھا چنانچہ وہ کچھ سوچ بھی نہ سکی تھی۔ حالانکہ اب تک وہ جانتی تھی کہ پادل کے متعلق اس کے صحیح جذبات کیا تھے لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ اگر پادل کو کچھ ہو گیا تو اسے (سارہ کو) سخت صدمہ پہنچے گا اور شاید اس کی زندگی زہر ہو جائے گی۔

آخر کار وہ برداشت نہ کر سکی اور سالمن سے اس صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کیا۔ آخر میں دونوں نے طے کیا کہ وہ شہر کے مضافات میں اسے تلاش کریں

شاید انھیں اس گمشدہ جو ان کے متعلق کوئی خبر مل جائے جو دونوں کو عزیز تھا سائمن کو اس لئے کہ اس کا چھوٹا بھائی تھا اور سارہ کو اس لئے کہ اس کا چاہنے والا تھا۔

انھوں نے یہ بھی طے کیا کہ وہ دونوں بھیس بدل کر مضافات میں جائیں اور ظاہر کریں کہ وہ مفلس میاں بیوی ہیں جو اپنے ایک دور کے عزیز کے پاس جا رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح پاؤل کی خبر ملنے کی زیادہ توقع تھی۔

چنانچہ اپنی بگھی میں سوار ہو کر جانے کے بجائے وہ دونوں پیدل ہی روانہ ہوئے۔ شہر سے کافی دور انھیں ایک کاشتکار مل گیا جو اپنا چھکڑا لئے اسی طرف جا رہا تھا جس طرف کہ سائمن اور سارہ بھی جا رہے تھے۔ ان کی درخواست پر کاشتکار نے انھیں اپنے چھکڑے میں بٹھا لیا۔

کچی سڑک پر ڈولتا ہوا چھکڑا جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا سارہ کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا سر اس کے چغے کی ٹوپی میں جیسے دبک گیا اور اس کی ہمت جواب دے گئی۔ سائمن سارہ سے کم پریشان نہ تھا تاہم وہ سارہ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پاؤل اس وقت کسی سرائے میں ہوگا" اس نے اس یقین سے کہا جیسے وہ خود بھی محسوس نہ کر رہا تھا۔ "اور وہ شاید اپنے زخموں اور چوٹوں کی مرہم پٹی کر کے اب آرام کر رہا ہوگا۔"

سارہ نے نظریں اٹھا کر سائمن کی طرف دیکھے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں سائمن۔ میرا دل کہتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی بھیانک واقعہ ہوا ہے" وہ بولی۔

سائمن کا ظاہری اطمینان رخصت ہو گیا۔ اسے سارہ کی اس بات سے اتفاق کرنا ہی پڑا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ ورنہ پاؤل ان لوگوں میں سے نہیں جو یوں غائب ہو جاتے ہیں" اس نے کہا" کم سے کم پاؤل اتنے دنوں تک غائب نہیں رہ سکتا"

" میں جانتی ہوں کہ وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے"

" تم کیسے جانتی ہو؟" سائمن نے حیرت سے پوچھا۔

" میرا دل کہتا ہے"

"اب تمھارے دل کا کیا ہے سارہ۔ اور پھر دل کا کہا ظاہر ہے کہ سند نہیں ہوتا سائمن نے اسے دلاسہ دیا" اگر اس کے ساتھ کوئی واقعہ، کوئی حادثہ ہوا ہوتا تو ہم یقیناً اس کے متعلق ایک یا دوسرے سے واسطے سے کچھ نہ کچھ سن لیتے"

سارہ نے یہ طفل تسلی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

" یہ تو میں نہیں جانتی سائمن" اس نے کہا" البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میرے دل میں ہول اٹھ رہی ہے۔ میں ناقابل بیان خوف محسوس کر رہی ہوں"

سائمن کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

ہم نہیں جانتے کہ پاؤل کے ساتھ کیا واقعہ ہوا ہے یا وہ کس حال میں ہے۔ وہ اچھے حال میں بھی ہو سکتا ہے اور برے میں بھی۔ ہم کچھ نہیں جانتے سارہ لیکن یہ ہمارے الٹے سیدھے اندیشے ہیں جو ہمیں دہلا رہے ہیں۔ ہمیں اب تک کم سے کم یہ تو خبر نہیں ملی کہ پاؤل کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے"۔

اب سارہ نے سر اٹھا کر سائمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

" تو پھر وہ کہاں ہے؟" اس نے پوچھا" ہاں۔ کہاں ہے؟"

سائمن اس سوال کا خاطر خواہ جواب نہ دے سکا۔

" یہ ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا" وہ بڑبڑایا" سرحد پر کے پہرے داروں سے ہمیں یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ وہ اسی طرف آیا ہے"

"بشرطیکہ وہ آدمی پاؤل ہی ہو"

"سارہ پیاری۔ اس کا تو یقین رکھو کہ وہ پاؤل ہی تھا" سائمن نے بڑے یقین سے کہا۔

"یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟"

"اس لئے کہ پورے ٹرانسلوانیا میں کوئی دوسرا جوان اتنی ہمت نہیں کر سکتا کہ سرحد کی روک کو توڑ کر نکل جائے"

اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ ایک ڈیڑھ میل تک سارہ اور سائمن نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ دراصل ان کے پاس کہنے کو کچھ رہ ہی نہ گیا تھا۔

چھکڑا اپنی اکتا دینے والی سست رفتاری سے چلتا رہا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ ایک چوبی عمارت کے سامنے رک گیا۔ یہ سرائے کاسل تھی۔ چھکڑا چلانے والا اور اس کے ساتھ بیٹھا ہوا خشخشی ڈاڑھی والا دیہاتی اپنی اگلی نشست پر سے اتر آئے اور چھکڑے میں لائے ہوئے تھیلے اتارنے لگے۔

"جوان! بس یہی ہے، ہماری منزل ہے" دیہاتی نے اکھڑپن سے کہا "ہم اس سے آگے نہیں جا رہے"

سائمن نے مجبوری سے شانے جھٹکے اور چھکڑے سے اتر آیا اور سہارا دے کر سارہ کو بھی نیچے اتار لیا۔ پھر وہ دیہاتی کی طرف گھوم گیا اور بڑے اخلاق سے بولا۔

"آپ کی مہربانی کا شکریہ جناب۔ لیکن ہمیں یہاں سے بھی آگے جانا ہے۔ کیا ہم آپ کو یہاں سے آگے چلنے پر رضامند نہیں کر سکتے کسی طرح؟ ہمارے پاس پیسہ تو ہے نہیں کہ آپ کو دے سکیں لیکن اگر آپ ہمیں یہاں سے آگے لے گئے تو ہم عمر بھر آپ کے احسانمند رہیں گے"

دیہاتی نے ضدی بچے کی طرح نفی میں سر ہلایا۔

"اگر مجھے کوئی ایک ہزار فرانک دے دے تب بھی میں یہاں سے آگے نہ جاؤں گا۔ میں تو اس جگہ سے جلد از جلد لوٹ جاؤں گا۔ یعنی بہر حال اندھیرا اترنے سے پہلے۔ اور اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یہاں زیادہ نہ ٹھہرتا۔ کسی صورت میں نہ ٹھہرتا۔"

سائمن کا شوقِ تجسس ایک دم سے بیدار ہو گیا۔

"وہ کیوں؟" اس نے پوچھا۔

دیہاتی جواب دینے سے پہلے چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔

"یہاں بڑے واقعات ہوئے ہیں۔ عجیب و غریب واقعات" اس نے کہا "ماضی میں بھی اور حال میں بھی۔ بڑی گڑبڑ مچی ہے۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اضافہ کیا "اس کے علاوہ یہ جگہ کسی نوجوان خاتون کے رہنے کی نہیں ہے۔"

سائمن نے سمجھ لیا کہ اس دیہاتی سے بحث کرنا فضول تھا۔

"تو پھر آپ اتنی مہربانی کیجئے کہ یہیں ٹھہرئیے ذرا" وہ بولا "میں سرائے میں جا کر لوگوں سے معلوم کرتا ہوں کہ بات کیا ہے۔ میں ایک منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔"

اس عرصے میں دیہاتی اور چھکڑے بان سامان اتار چکے تھے۔ چھکڑے بان نے چھکڑے پر چڑھ کر راسیں ہاتھ میں لے لیں۔

"ایک منٹ کیا اب میں یہاں ایک سکنڈ بھی نہیں ٹھہر سکتا" وہ بولا "میں تو جا رہا ہوں"

"تو پھر اس خاتون کو ہی اپنے ساتھ لیتے جاؤ" سائمن نے التجا کی "تم اسے یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتے"

اس سے پہلے کہ چھکڑے والا ہاں یا نہ کہتا سارہ نے کہا:۔

"سائمن! میں نہ جاؤں گی"

"لیکن سارہ ...."

"کچھ بھی ہو۔ میں تمھارے ساتھ ہی رہوں گی"

انھیں بحث کرتا چھوڑ کر چھکڑے والے نے گھوڑوں کو ٹہوکا دیا۔ چھکڑا چرچرا کر چل پڑا۔

"سارہ خدا کے لئے" سائمن نے کہا" اگر چھکڑے والا چلا گیا تو تم یہاں پھنس جاؤ گی۔ میں اسے آواز دیتا ہوں۔ وہ تمھیں واپس شہر لے جائے گا"

سارہ نے اپنے شانے اچکائے۔

"کچھ بھی ہو جائے سائمن۔ میں تمھارے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھاؤں گی" اس نے کہا" چاہے آگے جانا ہو چاہے پیچھے"

چھکڑا اب اس راستے سے واپس جا رہا تھا جس راستے سے آیا تھا۔ سائمن اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر اس نے سارہ کی کمر میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور اس کے ہونٹ چوم لئے۔ سارہ نے اس کے بوسے کا جواب دیا تو سائمن کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

"جیسی تمھاری مرضی" اس نے کہا" آؤ اب سرائے میں چل کر معلوم کریں۔ شاید کوئی پاول کے متعلق کچھ جانتا ہو"

ایک منٹ تک سارہ خاموش کھڑی دور ہوتے ہوئے چھکڑے کی طرف یوں دیکھتی رہی جیسے اس کی آخری اُمید ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہو۔ ایک بار پھر اس کے چہرے پر پریشانی اور مایوسی چھا گئی۔ وہ بے حد مجبور، بے سہارا اور تنہا معلوم ہونے لگی۔ سائمن کا دل اسے اس عالم میں دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

"آؤ سارا" اس نے نرمی سے کہا" اندر چل کر کچھ کھا پی لیں"

سارہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے" اس نے کہا

لیکن سائمن بیوقوف نہ تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ سارہ کے اعصاب حد سے زیادہ کھنچ کر ٹوٹنے کے قریب ہو گئے تھے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اگر اس نے احتیاط سے کام نہ لیا تو پھر ایک روتی اور نیم پاگل سی لڑکی کو سنبھالنا اس کے لئے مشکل ہو گا۔

"یہ کیا حماقت ہے سارہ" اس نے کہا "تم تھکی ہوئی ہو اور سردی بھی محسوس کر رہی ہو۔ چنانچہ گرم سوپ اور آگ کی گرمی کی تمھیں سخت ضرورت ہے۔ سرائے کے آتشدان میں آگ جل رہی ہو گی۔ اس کے قریب بیٹھ کر ہم گرما گرم کھانا کھائیں گے تو تمھاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

اور اس نے سارہ کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ اس کے ساتھ بڑی فرمانبرداری سے چل پڑی۔ وہ اسے سرائے کے دروازے تک لے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہاں سارہ پھر اڑ جائے گی لیکن جب وہ اس کے ساتھ دروازے سے گزر کر اندر بھی آ گئی تو سائمن نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

سرائے کا مالک چند کاشتکاروں کی خدمت سے فرصت پا کر گھوما ہی تھا کہ وہ دونوں اندر آئے۔ سرائے کے مالک نے پر امید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ بار میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے شرابیوں نے بھی آنے والے اجنبی نوجوان اور اجنبی لڑکی کی طرف دلچسپی اور پُر شوق نظروں سے دیکھا۔ یہ دونوں باہر کی دنیا کے پہلے مسافر تھے جو اس دن اس سرائے میں آئے تھے اور سرائے کے گاہک اس قسم کے مسافروں کے منتظر رہتے اور انھیں خوش آمدید کہتے تھے۔ اگر یہ آنے والے صرف ایک جام شراب پینے کے لئے ہی سرائے میں آئے تھے تب بھی ان سے کلینس برگ کی تازہ ترین خبریں معلوم ہو سکتی تھیں یا اس شہر کی جہاں سے یہ آئے تھے۔ لیکن ان آنے والوں میں کوئی خاص بات تھی جو سرائے میں موجود ہر شخص کو کچھ بے ڈھب سی معلوم

ہوئی تھی۔ ان کے ارد گرد عجیب طرح کے کھنچاؤ کا ایک حلقہ سا معلوم ہوتا تھا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔ دیہاتیوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اس نوجوان مرد اور لڑکی کی آمد یقیناً کسی مصیبت کا پیش خیمہ تھی۔

ابتدا میں تو سائمن کو کوئی خاص اور غیر معمولی بات محسوس نہ ہوئی لیکن جب وہ دونوں ایک کونے کی میز پر جا کر بیٹھ گئے تو سائمن اور سارہ نے بھی محسوس کیا کہ نہ صرف سرائے کا مالک بلکہ گاہک بھی نہ صرف عجیب نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے بلکہ کوئی ان سے آرڈر لینے بھی نہ آیا تھا۔

سائمن شانے اچکا کر اٹھا اور کمرہ عبور کر کے بار کے کاؤنٹر کے قریب پہونچا۔

"سہ پہر بخیر" اس نے کہا

سرائے کے مالک نے ایک دیہاتی کی طرف بھویں اچکائیں لیکن بڑے اخلاق سے جواب دیا۔

"بخیر"

"ہمیں کچھ کھانے کو چاہئے" سائمن نے کہا "سادہ اور سستا کھانا"

سرائے کے مالک نے کچھ کہے بغیر اپنے پیچھے دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں کھانوں کی فہرست کا تختہ لگا ہوا تھا۔

"شوربہ اور پنیر دے دوں؟" سرائے کے مالک نے پوچھا

"ٹھیک ہے" سائمن نے سر ہلایا۔

"کھانا لگانے میں ذرا دیر ہوگی۔ تب تک کچھ پینا پسند کرو گے؟"

سائمن نے سارہ کی طرف دیکھا۔ وہ آتشدان کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ خون کو گرمانے اور نئی ہمت بندھانے کے لئے اسے کسی چیز کی سخت ضرورت تھی۔

"وہ برانڈی دے دیں" سائمن نے کہا۔

سرائے کے مالک نے جام بھرتے ہوئے بڑی بے تعلقی سے، جو ظاہری تھی، پوچھا "اس طرف سے جاتے ہوئے اندر آ گئے یا کوئی خاص کام سے تم لوگ یہاں آئے ہو؟"

"نہیں۔ کوئی خاص کام سے نہیں۔ مسافر ہیں" سائمن نے جواب دیا۔

فوراً ہی فضا کا تناؤ ختم ہو گیا۔ دیہاتیوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اپنی باتوں اور اپنے جاموں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سرائے کے مالک نے سر ہلایا۔

"اور یہ اچھا ہی ہے" وہ بولا "یہ علاقہ تم جیسے نوجوان جوڑے کے لئے مناسب نہیں ہے"۔ اس نے سائمن کو برانڈی کے جام دے کر آواز دی۔

"جولی! یہاں آؤ ایک منٹ"۔

بارمیڈ باورچی خانے سے نکل آئی جہاں بیٹھی وہ اپنا کھانا کھا رہی تھی۔ جلی ہوئی ترکاری۔

"کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ان صاحب اور ان کی بیوی کا کھانا لگاؤ" سرائے کے مالک نے پوچھا "ان کی ظاہری حالت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بچارے دن بھر سفر کرتے رہے ہیں"

"اور آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے" سائمن نے کہا۔

"اچھا!" سرائے کے مالک کو اب تک اطمینان نہ ہوا تھا" میاں بیوی ہو؟"

سائمن نے کوئی جواب نہ دیا تو سرائے کے مالک نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

"طالب علم ہو؟ شاید تعطیل گزار رہے ہو۔ ایں؟"

سائمن نے پھر کوئی جواب نہ دیا تو اس نے پھر کہنا شروع کیا

مزے اڑا رہے ہو گے شاید۔ طالب علمی کا دور، سنا ہے کہ زندگی کا بہترین دور ہوتا ہے۔

"بات یہ ہے،" سائمن نے گڑبڑا کر کہا۔ "ہم گلینس برگ سے آئے ہیں اور تعطیلات یہیں گزار رہے ہیں۔ دراصل ہم کسی کی تلاش میں آئے ہیں۔۔۔ دوست تھا ہمارا ایک۔"

دیہاتیوں کی باتیں ایک دم سے تھم گئیں اور سرائے کے مالک کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

"اچھ۔ چھا!" اس نے کہا۔ "اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمھارا یہ دوست کون ہے جس کی تلاش میں تم دونوں اتنی دور تک آئے ہو؟"

سائمن نے اپنے آپ کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"ایک نوجوان تھا۔۔۔ تقریباً میری عمر کا۔۔۔ اور قدوقامت بھی میرے جیسا ہی تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی صورت شکل بھی مجھ سے کچھ ملتی جلتی تھی۔"

"تب تو تمھارا بھائی ہوگا شاید؟"

سائمن نے شانے اچکائے۔

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔ دوست تھا گہرا۔ میرا خیال تھا کہ شاید آپ نے اسے دیکھا ہو۔"

"ہم اسے کیوں دیکھنے لگے؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرف سے گزر رہا ہو اور کچھ کھانے یا پینے کے لئے آپ کی سرائے میں آگیا ہو؟"

سرائے کے مالک کا چہرہ کھنچ کر کرخت ہو گیا یہاں تک کہ وہ تنے ہوئے گھونسے کی طرح معلوم ہونے لگا۔

"نہیں۔ اس نے کہا۔ "وہ یہاں نہیں آیا۔"

سائمن کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ سرائے کا مالک کسی وجہ سے جھوٹ بول رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" سائمن نے پھر بے پروائی کا اظہار کیا۔ "وہ ایک جام پینے کے لئے یہاں آگیا ہو اور آپ نے اسے نہ دیکھا ہو؟"

سرائے کا مالک بڑی کوششوں سے اپنا غصہ دبائے ہوئے تھا۔

"میں نے کہا ہے نہیں اور میرا مطلب ہے نہیں" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے" سائمن نے بڑے سکون سے کہا" میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا اس میں یوں چیخنے اور غصہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"

وہ سارہ کی برانڈی کا جام اٹھا کر میز کی طرف جانے ہی والا تھا کہ اس نے دیکھا کہ جولی اس کی طرف دیکھ کر اپنا سر ہلا رہی تھی۔ سائمن اس کی طرف دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن جولی گھوم کر کھانے کی میز پر میز پوش بچھانے میں مصروف ہو گئی۔

سائمن جولی کے سر ہلانے پر دل ہی دل میں غور کرتا اور اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا آتشدان کے قریب پہونچا اور جام سارہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے چند چسکیاں لے کر احسانمندی سے سائمن کی طرف دیکھا۔

"شکریہ" وہ بولی" اب میری طبیعت کچھ سنبھلنے لگی ہے"

سائمن نے اپنے جام سے چند چسکیاں لیں اور پھر سوچا کہ اگر یہاں لوگوں کو ایک دم سے گڑبڑا دیا جائے تو شاید ان سے کچھ معلوم ہو کیونکہ نفسیات کا اصول یہی ہے جسے "شاک ٹیکٹس" کہتے ہیں۔

چنانچہ سائمن گھوم کر اور بار اور وہاں بیٹھنے والے ہر شخص کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

" میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ کچھ چھپا رہے ہو" اس نے غصے سے چیخ کر کہا۔

دیہاتی آپس میں سرگوشیاں کرنے اور سر ہلانے لگے۔ سائمن سرائے کے مالک کی طرف گھوم گیا۔

"رہے تم" اس نے کہا" تو تم جھوٹ بکتے ہو"۔

سرائے کے مالک نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"زبان سنبھال کے" وہ دانت پیس کر بولا "مجھے جھوٹا کہنے والا اب تک تو پیدا نہیں ہوا لیکن سائمن اس قدر آگے بڑھ چکا تھا کہ اب اس کے لئے پیچھے قدم اٹھانا ممکن نہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ یہاں آیا تھا" وہ چیخا "لیکن تم لوگ اتنے خوفزدہ ہو کر اس کا اعتراف نہیں کر رہے ہو"

دیہاتیوں نے اپنے جام میز پر رکھ دیئے۔ ایک دو دیہاتیوں کے ہاتھ ان کے پٹکوں میں اڑسے ہوئے چاقوؤں پر جا پڑے اور بقیہ نے اپنے ہاتھ اپنے لٹھوں کی طرف بڑھا دیئے۔

"بکو کچھ اب" سائمن گرجا "کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟ سانپ سونگھ گیا ہے یا زبانیں کاٹ لی گئی ہیں؟"

سارہ نے دیکھا کہ لوگ سائمن پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے تو وہ ایکدم سے اٹھ کر اس کے قریب پہونچی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سائمن!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے؟" سائمن نے پوچھا

"آؤ۔ یہاں سے چلیں"

"یہ تم نے ٹھیک کہا" سرائے کا مالک بولا "اس سے پہلے کہ تمھیں اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے اپنی عزت سنبھال کر چلے جاؤ یہاں سے"

"نہیں" سائمن نے چیخ کر اور اپنا گھونسہ ہوا میں ہلا کر کہا "جب تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بادل کے ساتھ کیا واقعہ ہوا ہے میں یہاں سے نہ جاؤں گا یہ"

"سائمن! خدا کے لئے" سارہ گڑگڑائی۔

سرائے کا مالک اور اس کے گاہک دھمکی آمیز انداز میں ان دونوں کی طرف بڑھے
"سُنا نہیں تم نے کہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟" سرائے کا مالک بولا" نکلو
یہاں سے۔ یہاں کوئی تمہاری گیدڑ بھبھکیوں میں آنے والا نہیں"

اور اس نے آگے بڑھ کر اور ہاتھ چلا کر سائمن کے ہاتھ سے جام پھینک دیا اور
اس کے کوٹ کا گریبان پکڑ لیا۔ سائمن نے اس کی ناک توڑنے کے لئے گھونسہ
بلند کیا ہی تھا کہ جولی کی آواز سن کر اس کا ہاتھ ہوا میں اٹھا کا اٹھا ہی رہ گیا۔

"وہ قصر کی طرف گیا ہے"۔ جولی نے کہا۔

جولی کے اس اعلان نے وہاں مچی ہوئی ساری گڑبڑ کا ایکدم سے خاتمہ کر دیا۔
جو شخص جہاں تھا وہیں اور جس حالت میں تھا اسی میں کھڑا رہ گیا۔ دوسرے ہی لمحے
جولی پلٹ کر یوں بے تحاشہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی جیسے اس نے جو کچھ کہا تھا اس
سے خود ہی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

کلینس برگ سے روانہ ہونے کے بعد اب پہلی دفعہ سائمن نے محسوس کیا کہ ان کا
یہ سفر محض بیکار نہ تھا۔

"قصر؟" اس نے پوچھا" کون سا قصر؟"

اس کے اس سوال کے جواب میں سرائے کا مالک آگے بڑھا اور سائمن کو
دروازے کی طرف ڈھکیلنے لگا اس کا چہرہ غصے اور خوف سے بگڑ گیا تھا۔

سائمن نے ایک دم سے گھوم کر اس کے کوٹ کے کالر پکڑ لئے۔

"میں پوچھتا ہوں کون سا قصر؟" وہ گرجا۔

چند تنومند دیہاتی اب سرائے کے مالک کی مدد کو دوڑے آئے۔ وہ سائمن پر
ٹوٹ پڑے اور اس کے ہاتھ پاؤں چلانے کے باوجود اسے قبضے میں کر لیا۔ اور
اسے گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف لے چلے۔ سرائے کا مالک ان کے آگے

تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

"نکلو باہر" وہ بولا "تم دونوں۔ یہاں تمھاری کوئی ضرورت نہیں ہے"

"کم سے کم لڑکی کو تو یہاں رہنے دو" وہ لوگ اسے صحن میں لے آئے تو سائمن نے کہا "وہ حد سے زیادہ تھکی ہوئی اور......"

سرائے کے مالک نے کھا جانے والی نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے بھی اٹھا کر باہر پھینک دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن سارہ نے اسے اس کی زحمت نہ دی۔ وہ اپنے آپ ہی باہر آ گئی اور سرائے کے مالک کے قریب سے گزرتی ہوئی پیلی دھوپ میں آکھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا ہاتھ سائمن کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ دونوں مجبور اور بے بس سے کھڑے رہے جبکہ سرائے کا دروازہ دھڑ سے بند کر دیا گیا۔

عین اس وقت ایک بادل سورج پر رینگ آیا اور اس کا اداس سایہ ان دونوں پر اُتر آیا۔ ان دونوں نے کانپ کر ایک دوسرے کی طرف مایوسی سے دیکھا۔

سولھواں باب

سائمن بہت زیادہ غصے میں تھا اور اسے اپنے غصے کو قابو میں کرنے اور سنبھلنے میں کافی وقت لگ گیا

اسے غصہ اوّل تو اس احساس سے تھا کہ اسے سارہ کے سامنے ذلیل کیا گیا تھا اور دوم اس بات پر کہ وہ پاڈل کا مکمل اتا پتہ معلوم کرنے میں ناکام رہا تھا سارہ نے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ڈال دیا۔ سائمن نے اس کے اس عمل کو دل ہی دل میں سراہا لیکن اس کا احساس

شکست بدستور قائم رہا۔ وہ سرائے میں داخل ہو کر اور سرائے کے مالک کو مار مار کر اس سے حقیقت اگلوانے کا ارادہ کر چکا تھا اور اسے جامۂ عمل پہنانے کے لئے سرائے کی طرف گھوما ہی تھا کہ سارہ نے جلدی سے کہا۔

"کم سے کم ایک بات تو ہمیں معلوم ہی ہو چکی ہے"

"کیا؟"

"یہی کہ پاؤل قصر میں گیا ہے"

سائمن نے خشونت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کون سا قصر؟ کیسا قصر؟ کس طرف ہے وہ؟"

سارہ اس کے الفاظ کی تلخی کو برداشت کر گئی۔

"یہ ہم پوچھ لیں گے ...." وہ بولی۔

"کس سے پوچھ لیں گے؟"

"کوئی نہ کوئی تو ہمیں قصر کا راستہ بتا دے گا"

"کون بتا دے گا؟"

"یہاں کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی بھلا آدمی"

"یہاں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے۔ کوئی ہمیں کچھ نہ بتائے گا۔ یہاں کے لوگ تو خود اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں"

ابھی یہ الفاظ سائمن نے کہے ہی تھے کہ ایک دوسری آواز سنائی دی۔ ایک لڑکی کی آواز۔

"میں بتاؤں گی تمھیں" آواز نے وعدہ کیا۔

ان دونوں نے حیرت سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ سرائے کی ایک بلند کھڑکی میں سے جو لی نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس نے انھیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں کھڑکی کے عین نیچے جا کھڑے ہوئے تو جولی نے کہا:۔

"اس سڑک پر چلی پڑو جو گاؤں سے باہر جاتی ہے۔ آگے بڑھ کر اس سڑک کو چھوڑ کر اس سڑک پر ہو لو جو پہاڑوں پر چڑھتی ہے اور جہاں تک وہ سڑک جاتی ہے وہاں تک چلتے رہو اور تم منزل تک پہنچ جاؤ گے۔"

"لیکن ہم کیسے پہچان لیں گے اس قصر کو کہ یہ وہی ہے؟" سائمن نے پوچھا "اس طرف ایسے ہی دوسرے قصر بھی ہوں گے۔"

جولی یوں کانپ گئی جیسے سردی محسوس کر رہی ہو۔

"قصرِ ڈراکیولا کو ایک انجان آدمی بھی دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے" وہ بولی "اور اس میں رہنے والوں کو بھی:

انہیں پہچاننے میں کوئی بھی غلطی نہیں کر سکتا۔

دفعتہً جولی نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی اور جلدی سے پیچھے ہٹ کر اس نے کھڑکی بند کر دی۔

"خدا کرے کہ یہ بچاری لڑکی کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے" سارہ نے کہا سائمن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ سرائے کا مالک بڑا ظالم معلوم ہوتا ہے" سارہ نے وضاحت کی۔

حالانکہ سائمن سارہ سے متفق تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

"ضروری کام پہلے" وہ بولا "واپسی میں ہم شاید اس لڑکی کی کچھ مدد کر سکیں گے"

ان کے سامنے آگے بڑھتی ہوئی سڑک اور پھیلا ہوا منظر اداس، خاموش، ویران اور اندھیرا سا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دفعتہً دنیا کے ابتدائی دور

میں آگئے ہوں۔ کسی طرف اور کہیں بھی زندگی یا اس کی علامت تک نہ تھی۔ کھیت ویران تھے۔ ان میں کام کرنے والا کم سے کم اس وقت تو کوئی نہ تھا۔ سڑک ویران تھی۔ کہیں کوئی اکا دکا مسافر یا چھکڑا بھی نہ آرہا تھا اور نہ جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دھندلکا اترتے ہی ہر چیز نے۔۔ انسان، حیوان اور شجر و حجر تک نے دم سادھ لیا تھا۔

گاؤں والوں نے گھروں میں گھس کر دروازے اندر سے بند کر لئے تھے اور اب وہ صبح تک خود اپنے ہی گھروں میں قید ہو گئے تھے۔ سائمن اور سارہ نے سنا ضرور تھا کہ دیہاتی بڑے توہم پرست ہوتے ہیں اور شام ہوتے ہی اپنے گھروں میں جاتے ہیں اور ان علاقوں پر ایک عجیب طرح کی ہیبتناک ویرانی اتر آئی ہے۔ لیکن اس ویرانی کا تجربہ انھیں اب پہلی دفعہ ہو رہا تھا۔ لیکن ان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جوئی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں۔

چنانچہ وہ اپنے دل مضبوط کر کے اس ویران سڑک پر چل پڑے جو گاؤں سے باہر جاتی تھی۔

چھے بجے دن کی آخری روشنی میں بادلوں بھرے آسمان پر سے غائب ہونے لگی۔ وہ دونوں بڑی سڑک کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور اب پہاڑی راستے پر چل رہے تھے۔ راستہ ڈھلوانی تھا اور اوپر ہی اوپر چڑھتا جا رہا تھا چنانچہ ان دونوں مسافروں کو چلنے میں اب کافی زور لگانا پڑ رہا تھا۔

راستے کے موڑوں اور چٹانوں اور ادھر ادھر پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے قصر اب تک ان کی نظروں سے اوجھل تھا چنانچہ وہ یوں محسوس کر رہے تھے جیسے عمر بھر ڈھلان چڑھتے رہیں گے اور اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ پائیں گے۔

سارہ خصوصیت سے اس چڑھائی کی دشواری محسوس کر رہی تھی۔ اس کی پنڈلیاں

اور رانوں کے پٹھے درد کر رہے تھے، وہ کمر سے جھکی ہوئی تھی اور اس کا سر بھی اس کے سینے پر ڈھلکا جا رہا تھا۔ آخر کار اس نے اعلان شکست کر دیا اور راستے کے کنارے پر اگی ہوئی گھاس پر بیٹھ گئی۔

"اب مجھ سے نہیں چلا جاتا" اس نے کہا۔

سائمن نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔ حالانکہ سارہ کمزور اور نازک نہ تھی لیکن وہ دیہاتن بھی نہ تھی اور آپ جانیے دیہات کی عورتیں اس قسم کے سفر کی عادی ہوتی ہیں۔ چنانچہ سائمن نے بھی سمجھ لیا کہ سارہ واقعی نڈھال ہو گئی تھی چنانچہ اب اسے یا تو کچھ دیر سستانا تھا یا پھر اسی جگہ رات گزارنی تھی۔

"سارہ!" سائمن نے ہمدردی سے کہا "قصر اب بھی شاید میلوں دور ہے۔ چنانچہ میں کوئی مناسب جگہ تلاش کر لیتا ہوں جہاں تم سستا لو۔ بعد میں میں اکیلا ہی قصر کی طرف جاؤں گا"۔

سارہ نے بے جانی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں سائمن۔ میں ٹھیک ہوں"

"ٹھیک کیسے ہو؟ تھکن سے تو نڈھال ہو رہی ہو"

وہ مسکرائی۔

"پانچ منٹ سستا لینے دو اور ایک بار پھر میں تازہ دم ہو جاؤں گی"۔

حالانکہ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی لیکن اس کی آواز میں ایسا یقین تھا جسے جھٹلایا نہ جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے ڈانواڈول کیا جا سکتا تھا۔ سائمن کو پہلے بھی سارہ کے اس یقین اور ضد سے واسطہ پڑا تھا اور ہر دفعہ اس نے اس کے اس جذبہ کی دل ہی دل میں داد دی تھی لیکن اس دفعہ اس کی یہ ضد ان دونوں کو شاید تباہی بلکہ موت کی طرف لئے جا رہی تھی۔ پادل اگر کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا

اور اسے ان کی مدد کی ضرورت تھی تو پھر انھیں دماغی اور جسمانی طور پر تازہ دم ہو کر قصر میں جانا تھا - چنانچہ وہ بھی سارہ کے قریب بیٹھ گیا اور اسی وقت اٹھا جب سارہ اٹھی -

"سارہ تمھیں یقین ہے کہ تم چل سکو گی؟" سائمن نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا -

"کیوں؟ تمھیں اس پر شک کیوں ہے؟"

"تمھارا رنگ زرد ہو رہا ہے سارہ"

سارہ اس کی بانہوں میں سمٹ آئی اور اس کے سینے سے لگ گئی -

"پاؤل کا یہ پہلا سراغ ہمیں ملا ہے" وہ بڑبڑائی "اور ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے - سائمن! اب میں تمھیں اپنے سے الگ نہ کروں گی"

"نہیں ـــ کبھی نہیں"

اور سارہ نے مسکرا کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں کے لئے پیش کر دیئے اور جب ان دونوں کے ہونٹ آپس میں مل گئے تو وہ اردگرد سے اور ہر چیز سے بے خبر ہو گئے -

چنانچہ انھوں نے اس غیر معمولی طور پر بڑی چمگادڑ کو بھی نہ دیکھا جو سامنے والی چٹان کے پیچھے سے نکل آئی تھی اور ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی اور ان دونوں کی طرف نفرت اور غصے بھری نظر سے دیکھ رہی تھی -

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس گھناؤنی چمگادڑ کو ان دونوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا حکم ملا ہوا تھا اور وہ اس حکم کی تعمیل کر رہی تھی -

جب تک سائمن اور سارہ ایک دوسرے سے لپٹے رہے چمگادڑ ان کے سروں پر منڈلاتی رہی اور جب وہ الگ ہوئے تو وہ خاموشی سے اوپر اٹھ گئی

اور بہت اوپر جاکر ان کے سروں پر منڈلانے لگی۔

چند لمحوں بعد ہی وہ دونوں اپنی درد کرتی ہوئی ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے پہاڑی راستے پر اوپر چڑھ رہے تھے۔ اگر انھوں نے اوپر نظر کی ہوتی تو انھیں اسوقت چمگادڑ کی شکل کا ایک چھوٹا سا بادل چاند پر سے گزرتا دکھائی دے جاتا۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔

اور تب دفعتہً قصر ڈراکیولا یوں یکایک ان کی نظروں کے سامنے آگیا کہ وہ دونوں ٹھٹھک گئے۔ مغربی افق پر مرے ہوئے سورج کے پھیلے ہوئے سرخ خون کے پس منظر میں مہیب اور خوفناک نظر آتا ہوا وہ نیم سوختہ قصر جس پر غیر ارضی ویرانی چھا رہی تھی۔

وہ دونوں اور آگے بڑھے اور پانچسو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد قصر کے اس صحن میں تھے جہاں ان سے صرف دو دن پہلے پاؤل پہنچا تھا۔ سائمن نے خوف اور نفرت کے ملے جلے جذبات سے قصر اور اس کے گرد وپیش کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی بھی انسان، پھر وہ کتنا ہی گرا ہوا یا تارک الدنیا ہی کیوں نہ ہو، ایسے ویران اور مہیب مقام میں رہ سکتا ہے۔

نفرت اور گھن سے ناک سکیڑ کر سائمن سارہ کو صحن میں رکھے ہوئے پتھر کی بنچ کے قریب لے آیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ بنچ ایک مدت سے کسی کے استعمال میں نہیں آئی۔

"سارہ! تم یہاں بیٹھو" اس نے کہا "میں ذرا گھوم پھر کر دیکھ آؤں یہ"

سارہ بنچ پر بیٹھ گئی۔

"خدا کے لئے کہیں دور نہ جانا" اس نے التجا کی

"نہیں دور نہ جاؤں گا۔ بلکہ تمھارے نظر کے سامنے ہی رہوں گا" سائمن نے وعدہ کیا۔

اور سارہ کے گال پر تھپکی دے کر وہ اس کے قریب سے ہٹ آیا اور سست قدموں سے قصر کے پشتے کے کنارے پر پہونچا اور جھک کر نیچے گہرائیوں میں دیکھنے لگا۔

جب وہ اس طرف متوجہ تھا تو اس چمگادڑ نے، جو اب تک ان کا پیچھا کر رہی اور فضا کی بلندیوں میں معلق تھی، یہ موقع غنیمت جانا اور حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہ اپنے بڑے بازو سمیٹ کر یکبارگی یوں نیچے جھپٹی جیسے کسی نے آسمان سے پتھر لڑھکا دیا ہو۔ وہ بے خبر بیٹھی ہوئی سارہ پر حملہ آور ہوئی اور اپنے خوفناک پنجوں سے اس کے بال نوچنے لگی۔

سارہ کی فلک شگاف چیخ خاموشی اور ویرانی کو دور تک چیرتی چلی گئی۔

سائمن نے ایک دم سے گھوم کر سارہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ خواب پریشاں نہیں بلکہ حقیقت تھی۔

پھر وہ سنبھلا اور سارہ کی طرف بھاگا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چمگادڑ پر گھونسے چلائے۔ لیکن یہ چمگادڑ بڑی نڈر تھی کہ اس نے سائمن کے گھونسوں کی پرواہ نہ کر کے بے تحاشہ چیختی ہوئی سارہ پر ایک آخری حملہ کر دیا اور پھر حیرت انگیز تیزی سے اوپر اٹھ گئی۔

سائمن حیرت سے اسے اوپر ہی اوپر اٹھتے دیکھتا رہا۔

"گھبراؤ نہیں سارہ۔ وہ چمگادڑ بھاگ گئی ہے" اس نے سارہ کو تسلی دی "اب وہ دوبارہ....."

لیکن وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔ الفاظ اس کے حلق میں ہی پھنس گئے کیونکہ چمگادڑ بھاگی نہ تھی۔ اس کے برخلاف وہ نئے حملے کی تیاری کر رہی تھی وہ فضا میں دو تین چکر کاٹ کر ایک بار پھر تیر کی طرح سیدھی ان کی طرف آئی۔

سائمن نے دیوانہ وار چاروں طرف دیکھا کہ شاید کہیں چھپنے کی کوئی جگہ مل جائے۔ اور اس قصر کی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا۔

اور وہ سارہ کو گھسیٹتا ہوا اس دروازے کی طرف بھاگا۔ وہ عین وقت پر وہاں پہونچ کر چمگادڑ کے حملے سے بچ گئے کیونکہ وہ ان کے چہروں سے صرف چند انچ کے فاصلے سے اس طرح گزر گئی کہ اس کے پنجے بڑی خطرناکی سے آگے بڑھے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں شعلہ بار تھیں۔

"سارہ" سائمن نے جلدی سے کہا "آؤ۔ اندر چھپ جائیں"

اور اس نے دھکا مار کر دروازہ کھول دیا۔ دوسری طرف ایک گزرگاہ تھی جو چند قدم آگے بڑھ کر گھور اندھیرے کی آغوش میں سما گئی تھی۔

"آؤ — ادھر چلو" وہ بولا "اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں"

سترھواں باب

جب وہ اندھیری گزرگاہ میں راستہ ٹٹولتے آگے بڑھ رہے تھے تو سائمن سوچ رہا تھا کہ اس نے اندر داخل ہو کر غلطی تو نہ کی تھی۔

گزرگاہ اندھیری تھی۔ کسی طرف سے اور کہیں سے روشنی نہ آرہی تھی اور پھر کائی اور نمی کی تیز بدبو متلی آمیز تھی اور ہوا ایسی ٹھوس سی تھی کہ وہ چاروں طرف سے اس کا دباؤ محسوس کر رہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ گزرگاہ کی دیواروں میں بنے ہوئے بے شمار طاق ہی چمگادڑوں کی آرام گاہیں تھے۔ گزرگاہ کی چھت میں ابھرے ہوئے اور لٹکتے ہوئے پتھر اس اندھیرے میں چمگادڑوں اور بھیانک پرندوں کی طرح معلوم ہوتے تھے

وہ دونوں اندھا دھند اندھیری گزرگاہ میں چلتے رہے اور جب اس کا ایک موڑ مڑے تب انھیں انسانی زندگی کی پہلی علامت دکھائی دی۔

روشنی کی ایک زرد لکیر سی جو ایک طرف کی دیوار میں سے نکل کر دوسری دیوار تک آڑ کی طرح چلی گئی تھی۔

"وہ دیکھو" سائمن نے سامنے اشارہ کیا "وہاں کوئی ہے"۔

اس روشنی نے ان کے جسم میں حیات و قوت کی روسی دوڑا دی اور وہ تیزی سے اس روشنی کی طرف بڑھے جو ان کے لئے صحیح معنوں میں امید کی کرن تھی۔

چند لمحوں بعد ہی وہ روشنی کی لکیر کو عبور کرکے قصر کے اس بڑے ہال میں پہونچ چکے تھے جس میں ڈراکیولا نے اپنے اجداد کے نوادرات سجا رکھے تھے۔ وہ جن راستوں سے، جس ویرانی سے اور جن خطرات سے گزر کر آئے تھے اس کے بعد یہ ہال انھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خزانے سے بھرے ہوئے غار میں پہنچ گئے ہوں۔ کمرے میں رکھے ہوئے فرنیچر اور دیواروں پر لٹکتے ہوئے پردوں کے نظارے نے انھیں دم بخود کر دیا اور وہ جہاں تھے وہیں حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے۔

ان کی حیرت اس انتہا کو پہونچی ہوئی تھی کہ انھوں نے کالے لبادے میں ملبوس اس دبلے پتلے طویل القامت شخص کو نہ دیکھا جو آتشدان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ لیکن خود کونٹ ڈراکیولا نے آتشدان کی چھت پر لگی ہوئی الماری کے آئینے میں انھیں دیکھ لیا۔ وہ چند ثانیوں تک آئینے میں ہی انھیں دیکھتا اور ان کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا رہا اور پھر آہستہ سے ان کی طرف گھوم گیا۔

اور اب سائمن نے اسے دیکھا تو وہ ہکلا کر بولا۔

"م۔م۔میں۔ اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں۔ دراصل ہم......"

لیکن ڈراکیولا اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس کی نظریں سارہ پر جمی ہوئی تھیں۔

"شام بخیر" ڈراکیولا نے سارہ سے کہا۔ اس کی آواز میں اندھیرے کنوئیں کی سی گہرائی تھی۔

سارہ نے جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش اس کے لئے بڑی عجیب ثابت ہوئی۔ باوجود کوشش کے وہ اپنی زبان نہ ہلا سکی۔ دفعۃً اس کا سر گھومنے لگا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور وہ غش کھا کر آگے کی طرف گری۔ سائمن خوفزدہ ہو کر اس کی طرف لپکا۔

"سارہ! کیا ہوا؟"

اس نے عین وقت پر گرتی ہوئی سارہ کو تھام لیا اور سر اٹھا کر لمبوترے چہرے والے اپنے میزبان کی طرف دیکھا۔ کونٹ ڈراکیولا کے چہرے سے کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہ ہو رہا تھا۔

"بچی بیمار ہے شاید" ڈراکیولا نے کہا۔ "ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہیئے"

"کہاں لٹاؤں اسے؟" سائمن نے کہا

ڈراکیولا نے آتشدان کے قریب پشت دار صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاں بٹھا دو"

سارہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ اس کی ہر حس اسے خبردار کر رہی تھی کہ وہ دونوں اس قصر کو اور اس دبلے پتلے آدمی کو چھوڑ کر فوراً چلے جائیں۔ لیکن جب سائمن اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے صوفے کی طرف لئے جا رہا تھا تو یکایک سارا کا پورا بدن اور دماغ بھی دفعتہ مفلوج ہو گیا۔

اس نے سارہ کو صوفے پر لٹا دیا تو اس کا سرخ مخملی غلاف سارہ کے جسم کے نیچے سمٹ کر اسے عجیب طرح کا گرم سکون پہنچانے لگا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے

کے کہ اب تک اس نے ایسا سکون اور آرام محسوس نہ کیا تھا۔ اور اس وقت اسے ایسا محسوس ہوا کہ اگر یہ جنت نہ تھی تو پھر جنت میں ایسا سکون اور ایسا ہی آرام میسر ہوگا کہ اس کے تھکے ہوئے اعضا اور دماغ میں سکون ایک زندہ چیز کی طرح سرایت کر رہا تھا اور آتشدان میں سلگتی ہوئی آگ کی گرمی اسے فرحت بخش رہی تھی۔ صرف ایک چیز تھی جو اسے پریشان کئے ہوئے تھی اور وہ یہ کہ وہ دبلا پتلا طویل القامت اور کالے لبادے میں ملبوس شخص عجیب بے چین کر دینے والی نظروں سے اس کی طرف برابر دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ اس کا وہم تھا۔ اس دبلے پتلے شخص میں کوئی خاص بات نہ تھی ــــ لیکن ــــ وہ اس کی نظر اور اس کی وجہ کی پریشانی سے نجات حاصل نہ کر سکی۔

کونٹ ڈراکیولا نے جیسے سارہ کے خیالات معلوم کر لئے اور بڑی کوششوں کے بعد اس پر سے اپنی نگاہیں ہٹا لیں اور پلٹ کر اس میز کے قریب پہنچا جس پر برانڈی کی صراحی اور جام رکھے ہوئے تھے۔ سائمن صوفے کے قریب یوں کھڑا ہوا تھا جیسے سارہ پر پہرہ دے رہا اور بہر طور اس کی حفاظت کے لئے تیار ہو۔

"میں سمجھتا ہوں انھیں سخت دماغی یا شاید قلبی صدمہ پہنچا ہے جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے" وہ بولا۔ "باہر ہمارے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا۔ بھیانک واقعہ۔"

کونٹ نے بھویں اچکا کر اس کی طرف دیکھا

"کیسا واقعہ؟" اس نے پوچھا۔

"ہم پر ایک غیر معمولی طور بڑی چمگادڑ نے حملہ کر دیا تھا" سائمن نے کہا۔ "بڑی خونخوار تھی وہ جس نے ہماری جان لینے کی کوشش کی تھی۔"

ڈراکیولا نے شراب کی ایک خاص مقدار جام میں انڈیلی۔

"اس علاقے میں چمگادڑوں کی کمی نہیں" وہ بولا "بہر حال یہاں رہنے والے ان کے عادی ہو جاتے ہیں"

"ہو گا۔ لیکن اس چمگادڑ میں ایک خاص بات تھی" سائمن نے سر ہلایا

"کیا خاص بات تھی ؟"

"شاید آپ اسے حماقت کہیں لیکن ــ لیکن ــ وہ چمگادڑ مجھے انسان معلوم ہوئی"

ڈراکیولا مسکرایا۔

"تم نے ٹھیک ہی کہا میرے دوست ــ اس وہم کے لئے حماقت سے زیادہ مناسب لفظ کوئی دوسرا نہیں ہے"

اور اس نے سائمن کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر وہ جام لے کر سارہ کے قریب پہنچا۔ اس نے جام لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں اور اس کے اعصاب یوں تن گئے تھے جیسے ان میں بجلی دوڑ گئی ہو۔

اس کی یہ حالت اس وقت تک رہی کہ جب تک کہ اس نے نظر اٹھا کر کونٹ ڈراکیولا کی طرف نہ دیکھا۔ ادھر اس کی نظر ڈراکیولا کی نظر سے ملی اور ادھر اس کے اعصاب ایک دم سے ڈھیلے پڑ گئے اور انگلیوں کی کپکپاہٹ جاتی رہی۔ ڈراکیولا کی آنکھوں میں عجیب جادو تھا یا وہ خود عجیب و غریب قوتوں کا مالک تھا کہ اس نے ایک ہی نظر میں سارہ کی ساری پریشانی اور ساری تھکن دور کر دی تھی اور وہ ایک عجیب طرح کا سکون محسوس کر رہی تھی۔

اپنی نظر کا سارہ پر خاطر خواہ اثر دیکھ کر ڈراکیولا اس پر جھک گیا۔

"یہ لو۔ میری بچی" وہ بولا "پی لو"

سارہ قدرے ہچکچائی۔

"گھبراؤ نہیں ــ پی جاؤ" ڈراکیولا نے اس کی ڈھارس بندھوائی۔ "طبیعت سنبھل

جائے گی۔

سارہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور جام ہونٹوں سے لگا لیا۔ فوراً ہی اس زرد رخساروں پر رنگ دوڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیات کی چمک آگئی اور اس نے جام خالی کرنے کے لئے سر پیچھے ڈھلکا لیا تو اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھ گئی۔

کونٹ ڈراکیولا کی نظریں سارہ کے حلق پر جم گئیں اور پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ سارہ کے لئے ڈراکیولا کے ہاتھ کا لمس ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی خدا رسیدہ بزرگ کے ہاتھ کا ہوتا ہے جو بغیر تشخیص اور بغیر دوا کے ہر مریض کو اچھا کر دیتا ہے۔

"بس" وہ بولا "اب تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔"

سائمن خاموش کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ ڈراکیولا اور سارہ کے درمیان کوئی انجانا رشتہ قائم ہو گیا ہے جو خود اس کے اور سارہ کے یا پاؤل اور سارہ کے درمیان کبھی قائم نہ ہوا تھا۔

"اگر میں نے احتیاط سے کام نہ لیا" اس نے سوچا۔ "تو پھر سارہ اس شخص کے اثر میں آکر میرے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے گی۔"

اور اس اثر یا اس سحر کو توڑنے کے لئے اسے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری معلوم ہوا۔

"یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس قصر میں کوئی رہتا بھی ہے" وہ بولا "میرا مطلب ہے باہر سے تو یہ قصر بالکل ہی غیر آباد اور ویران معلوم ہوتا تھا۔"

کونٹ ڈراکیولا نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔ وہ بدستور سارہ پر جھکا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے" سائمن نے بے ڈھنگے پن سے پھر کہا "کہ ہمیں واقعی افسوس ہے کہ ہم یوں بے دھڑک قصر میں گھس آئے چنانچہ اب اگر آپ نے ہمیں

اسی وقت یہاں سے نکل جانے کو کہا تو اس میں آپ حق بجانب ہوں گے۔"
جیسے بڑی کوشش کے بعد اور دل پر جبر کر کے ڈراکیولا سیدھا کھڑا ہوا اور پھر ایک قدم پیچھے ہٹا کر سارہ کے قریب سے ہٹ گیا۔ اگر سائمن خلل انداز نہ ہوا ہوتا تو ڈراکیولا اور سارہ کی یہ حالت اس وقت تک قائم رہتی جب تک کہ ان کا یہ نیا بندھن اور بھی مضبوط نہ ہو جاتا۔
پچھلے دو تین منٹ سے ڈراکیولا کے بشرے سے سکون اور اطمینان عیاں تھا لیکن اب جو اس نے سائمن کی طرف دیکھا تو اس کے بشرے پر نفرت اور ناپسندیدگی عریاں تھی۔
"کیوں آئے ہو تم یہاں؟" ڈراکیولا نے ایک دم سے پوچھا۔ "اب تو یہاں کوئی بن بلائے نہیں آتا"
یہ سوال یوں بے مروتی سے اور یوں اچانک پوچھا گیا تھا کہ سائمن گڑبڑا گیا۔ اور کوئی اطمینان بخش جواب اسے نہ سوجھا۔
"ہم ۔ ہم ۔ کسی کی تلاش میں آئے ہیں" اس نے کہہ دیا۔
"کس کی؟"
"ایک نوجوان ہے"
"دوست ہے تمھارا"
"بھائی ہے"
ڈراکیولا چند لمحوں تک سائمن کی طرف یوں دیکھتا رہا جیسے اس میں باؤل کی مشابہت تلاش کر رہا ہو۔
"یہاں کوئی نہیں آیا" آخرکار اس نے کہا
اس عرصے میں سائمن کی پریشانی دور ہو چکی تھی اور اپنے میزبان کو چیلنج کرنے کے لئے تیار تھا۔
"شاید نہ آیا ہو" وہ بولا "لیکن ہم سے اس کے برخلاف کہا گیا ہے

ڈریکولا نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کہا گیا ہے؟ اس نے پوچھا

"یہی کہ میری شکل و صورت کے اور تقریباً میری ہی عمر کے ایک نوجوان کو اس طرف آتا دیکھا گیا ہے"

"اور کس نے کہا تم سے"

"وہاں نیچے ۔۔ سرائے کاسل میں

"کس نے کہا؟"

"گاؤں والوں نے"

"گاؤں والوں نے!" ڈریکولا نفرت سے بولا" وہ کیا جانتے ہیں کسی بات کے متعلق؟"

سائمن نے اپنا طریقہ بدل کر ڈریکولا کو دھوکے میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔

"ہاں۔ واقعی وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس کا یہاں آنا مجھے تو ممکن نظر نہیں آتا"

وہ بولا" بھلا پاڈل گاؤں کے لوگوں کی مہربانی ٹھکرا کر یہاں کیوں آنے لگا؟"

ڈریکولا چند ثانیوں تک سائمن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ کمرہ عبور کر کے اس دیوار کے قریب پہنچا جہاں گھنٹی کی رسی لٹک رہی تھی۔ اس نے رسی پکڑ کر ایک دو جھٹکے دیئے۔

دوسرے ہی لمحے کلیدیوں آگیا جیسے وہ بہت دیر سے اس بلاوے کا منتظر تھا۔ اس نے دیکھا کہ صوفے پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔ لیکن وہ سارا کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

"یہ دونوں ہمارے مہمان ہیں۔ آج کی رات یہیں رہیں گے" ڈریکولا نے کہا تو اس کی آواز سائمن کو ایسی معلوم ہوئی جیسے کوئی مردہ بول رہا ہو۔

سائمن وہاں رہنے سے انکار کرنے ہی والا تھا کہ کلیو نے جلدی سے کہا:۔

"مہمان خانہ تیار ہے آقا"

ڈراکیولا نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے" وہ بولا اور دیکھو۔ چند کمبل لے آؤ۔ ہمارے یہ نوجوان دوست یہیں صوفے پر سوئیں گے۔

کلیو اپنی ٹیڑھی ہوئی ٹانگیں گھسیٹتا نوکروں کے کمروں کی طرف چلا گیا تو ڈراکیولا ایک بار پھر سائمن کی طرف گھوم گیا۔ اس دفعہ اس کے بشرے سے کرختگی اور تلخی عیاں تھی۔ اپنے میزبان کے اس دم بہ دم بدلتے ہوئے مزاج نے سائمن کو الجھن میں ڈال دیا

"قصر کے چند کمرے آگ سے بچ گئے تھے۔" ڈراکیولا نے معذرت خواہ لہجے میں کہا "مجھے اعتراف ہے کہ یہ کمرے بہترین تو نہیں ہیں لیکن سرائے کے کمروں سے بہتر اور آرام دہ ہیں۔

"آگ کیسے لگی؟" سائمن نے پوچھا۔ اتفاقاً، حادثہ یا......؟"

ڈراکیولا کچھ سوچتا رہا اور پھر اس نے سائمن کے اس سوال کا جواب نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ سارہ کے قریب پہونچا اور اس کی انگلیوں میں سے خالی جام چھڑا لیا۔

"آؤ میری بچی" اس نے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ اب تم چل کر سو جاؤ۔

سارہ نے ڈراکیولا کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کا سہارا لیا اور کانپتی ہوئی ٹانگوں پر اپنا تقریباً برہنہ جسم سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دفعتہً اس پر غشی طاری ہو گئی اور وہ ڈراکیولا کے بازوؤں میں ڈھے گئی۔

اس سے پہلے کہ سائمن کچھ کرتا یا کچھ کہتا ڈراکیولا سارہ کو یوں اٹھا چکا تھا جیسے وہ ننھی سی گڑیا ہو۔ سائمن کی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے بغیر ڈراکیولا سارہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے کمرہ عبور کر کے گزرگاہ میں پہونچا اور اس کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

اب سائمن کو جیسے ہوش سا آگیا۔ ساتھ ہی غصے سے اس کی رگوں میں خون سنسنانے لگا۔ وہ دانت پیس کر ڈراکیولا کے پیچھے جانے والا تھا کہ کلیو کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سفید رنگ کے چند کمبل لئے ہوئے تھا۔

"وہ ــــ لڑکی ــــ" سائمن چیخا

"تم اس کی طرف سے بے فکر رہو جوان" کلیو نے کہا "اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی"

کلیو صوفے پر بستر لگانے لگا اور سائمن خاموش کھڑا اس کی مہارت دیکھتا رہا۔

سائمن موقع کا منتظر تھا اور جب اس نے دیکھا کہ کلیو بستر کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگیا ہے تو اس نے ایک دم سے پوچھا:۔

"کون ہے وہ؟"

"کون کون ہے؟" کلیو چونکا۔

"تمہارا میزبان۔ تمہارا آقا؟"

کلیو نے آخری کمبل کا تکیہ بنا کر رکھ دیا۔

"میرا آقا، جناب، ڈراکیولا خاندان کی آخری یادگار ہے"

"ڈراکیولا؟"

"جی ہاں۔ اگر تمام یورپ کا نہیں تو اس علاقے کا یہ قدیم ترین خاندان ہے" سائمن نے اپنا خوف چھپانے کی کوشش کی۔ اس نے ڈراکیولا خاندان کے متعلق وہ ساری روایتیں سُن رکھی تھیں جو اس خاندان کے ہر فرد کی شیطنت اور مظالم کے متعلق مشہور تھیں۔ عجیب ناقابلِ یقین اور بھیانک کہانیاں تھیں اور اگر ان میں کچھ بھی حقیقت تھی تو پھر قصرِ ڈراکیولا میں پناہ لینا بڑا ہی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اپنے میزبان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اس نے پوچھا "تمہارے آقا نے کہا تھا کہ قصر میں آگ لگ گئی تھی جس نے اس کے زیادہ تر حصے کو تباہ کر دیا۔"

کلیو نے سر ہلایا۔

"اور یہ آقا نے غلط نہیں کہا۔ بڑا المیہ تھا وہ۔"

"میرے خیال میں اتفاقاً آگ لگ گئی ہوگی۔"

اُس وقت کی یاد سے کلیو کا چہرہ بگڑ گیا۔

"نہیں۔ وہ اتفاق نہ تھا" وہ غصے سے غرایا" انھوں نے لگائی تھی آگ۔"

"انھوں نے؟"

"گاؤں والوں نے۔ وہ سب کے سب ایک دن یہاں آئے تھے۔۔ باپ رے کیا منظر تھا۔"

سائمن کچھ سمجھ نہ سکا۔

"لیکن گاؤں والوں نے ایسا کیوں کیا؟" اس نے پوچھا "کیا ضرورت تھی انھیں آگ لگانے کی؟"

اس سے پہلے کہ کلیو جواب دیتا ڈراکیولا کی آواز کمرے میں چابک کے تڑاکے کی طرح گونج گئی۔

"ٹھیک ہے کلیو۔ اب تم جاؤ۔"

کلیو یوں سمٹ گیا جیسے حقیقت میں اس کی کمر پر چابک پڑا ہو۔ وہ خوف اور خجالت سے سر جھکائے کمرے سے نکل گیا۔

ڈراکیولا کمرے میں آگیا۔ اس کے بشرے سے جو خفگی عیاں تھی اس سے پتہ چلتا تھا کہ اس نے سائمن اور کلیو کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ سائمن سے کچھ کہے بغیر الماری کے قریب پہنچا اور ایک صراحی اٹھا کر اپنا جام بھرا۔ شراب کا رنگ بے حد پرانی اور سرخ اینٹ کا سا تھا۔ اس نے دوسرا جام بھر کر سائمن کو دیا اور پھر اپنے جام سے ایک طویل گھونٹ لیا۔ سائمن کو وہ شراب، جو ڈراکیولا پی رہا تھا، ہر قسم کی شراب سے زیادہ گاڑھی اور چکنی معلوم ہوتی۔

"لڑکی سو رہی ہے" ڈراکیولا نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو اور شراب پیو۔"

سائمن نے اپنا جام ہونٹوں سے لگایا تو اس کے شیشے سے اسے ڈراکیولا کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے اور بھیانک معلوم ہوئے۔ اس کے دو دانت جیسے ہونٹوں میں سے نکل آئے تھے۔ لمبے اور نوکدار اور اس کی آنکھیں ناقابلِ یقین تک پھیل گئی تھیں۔

سائمن نے شراب چکھے بغیر ہی گھبرا کر جام اپنے ہونٹوں پر سے ہٹا لیا۔

"کیا بات ہے" ڈراکیولا نے پوچھا۔

سائمن نے دیکھا کہ اپنی اصلی حالت پر تھا۔ چنانچہ اس نے دیکھا وہ یا تو اس کا وہم تھا یا پھر جام کے کانچ کی شرارت۔

"کچھ نہیں۔ ٹھیک ہے" اس نے کہا۔

اور پھر اپنے جام سے ایک طویل گھونٹ لے کر بولا۔

"بہت عمدہ شراب ہے" اس نے ہونٹ چٹخائے۔

"پسند آئی؟" ڈراکیولا نے کہا۔ "یہ شراب تمہارے لئے پُرسکون نیند لے آئیگی۔"

اٹھارھواں باب

سارہ کو یاد نہ تھا کہ جب اس پر غشی طاری ہوگئی تو اس کے بعد کیا ہوا۔ اسے کچھ دھندلا سا خیال تھا کہ قصر کے طویل القامت اور خود سارہ کے دماغ پر قبضہ کرنیوالے مالک نے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا، سائمن پریشان اور دم بخود سا کھڑا دیکھتا رہا تھا اور قصر کا مالک اسے اٹھا کر کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اور پر پیچ گذرگاہوں سے گزر کر ایک چکر دار زینہ چڑھ کر ایک خوابگاہ میں پہونچ گیا تھا جس میں موم بتیاں جل رہی

تھیں اور جس کی فضا گرم اور فرحت بخش تھی اور جس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور ایک طرف شب خوابی کا لباس احتیاط سے تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔

ڈراکیولا نے آگے بڑھ کر اسے بستر پر اور تہہ کر کے رکھے ہوئے لباس کے قریب آہستہ سے لٹا دیا۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

جب تک ڈراکیولا نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند نہ کر دیا تب تک سارہ لیٹی رہی۔ پھر وہ اٹھی، میکانکی طور پر اپنے کپڑے اتار کر نائٹ گون پہنا اور اس عورت کی طرح مسہری میں گھس کر لیٹ گئی جیسے نیند میں چلنے کی عادت ہو اس نے تکیئے پر سر رکھا ہی تھا کہ نیند نے اس پر حملہ بول دیا اور اب وہ گہری اور بے خبر نیند سو رہی تھی۔

آدھی رات گزر چکی تھی کہ کمرے کی خاموشی میں ہلکی سی پھڑپھڑاہٹ کی آواز نے شگاف ڈال دیئے۔ سارہ کی نیند نہ کھلی۔ اسے نیند کی سخت ضرورت تھی اور اس کی یہ ضرورت پوری ہو رہی تھی۔ اس کا تنفس مناسبت سے چل رہا تھا اور اس کے چہرے پر نیند کا سکون بکھرتا جا رہا تھا کہ ایک پتلے اور مردے کے سے ہاتھ نے، جس کی دو انگلیوں میں بڑی بڑی انگوٹھیاں تھیں، پلنگ کے پردے آہستہ آہستہ ہٹا دیئے

یہ ڈراکیولا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے کونے نیچے کی طرف جھک گئے تھے، دو دانتوں کی نوکیں باہر جھانک رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں پیاس تھی۔ تازہ اور گرم خون کی پیاس۔ سارہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دیکھ کر ڈراکیولا نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور قطرے پونچھ لئے اور پھر اس کا یہی ہاتھ نیچے پھسلتا ہوا سارہ کی گردن تک آ گیا اور اور اس نے باریک نائٹ گون کے گریبان کا کنارہ پکڑ لیا۔

اس شخص کی طرح جو بے خبر سوئی ہوئی یا بیہوش پڑی ہوئی عورت سے اپنی آرزو پوری کرنا چاہتا ہو، ڈراکیولا نے نائٹ گون کا گریبان کھول لیا اور پھر اسے آہستہ آہستہ

نیچے سرکانے لگا یہاں تک کہ سارہ کی دودھیا چھاتیاں عریاں ہوگئیں۔ سارہ نے نین میں کسمسا کر ڈراکیولا کی طرف کروٹ لی اس کے ہونٹ تھوڑے سے کھل گئے جیسے وہ بوسہ طلب کر رہی ہو۔ ڈراکیولا کی آنکھیں سرخ ہوگئیں، اس کے ہونٹ دانتوں پر کھنچ گئے اور وہ ایک سرخوشی کے عالم میں سارہ پر جھک گیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ سارہ کے ہونٹ چوم لے گا۔ لیکن اس نے سارہ کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں سے چھوا تک نہیں ڈراکیولا کے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے بچ کر سارہ کی گردن کی طرف بڑھے۔ اس کے ہاتھ نے نائٹ گون کو اور بھی نیچے سرکا دیا اور اس کے دو نکیلے دانت پوری طرح سے ننگے ہوگئے، وہ سارہ کی گردن میں دھڑکتی ہوئی رگ کی طرف جھک رہا تھا۔

دفعتہً ڈراکیولا کا چہرہ کالا پڑ گیا اور اس کے منہ سے غصے کی زہریلی پھنکار نکل گئی اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ سارہ کی گردن میں ایک باریک زنجیر پڑی ہوئی تھی جس سے ایک سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ یہ صلیب سارہ کے برہنہ سینے پر سے پھسل کر گردن پر آ گئی تھی ڈراکیولا جب تک برداشت کر سکا تب تک خاموش کھڑا نفرت، خوف اور غصے سے اس صلیب کی طرف دیکھتا رہا جو اس کے شکار کے گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ پھر وہ پیچھے ہٹ کر اس دیوار کے قریب پہنچا جہاں گھنٹی کی رسی لٹک رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر رسی پکڑ لی۔ اسے مدد کی ضرورت تھی اور یہاں صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا اور وہ تھا کلیو۔

کلیو اپنے حجرے میں گندی چٹائی پر لیٹا لاکٹ میں جڑی ہوئی سارہ کی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا حجرے کے دروازے پر لٹکتی ہوئی گھنٹی ٹن ٹنا اٹھی۔ اس نے غصے سے گھنٹی کی طرف دیکھا۔ اس وقت کا بلاوا اسے پسند نہ آیا تھا کیونکہ وہ سارا کی تصویر پر سے نظریں ہٹانے کے لئے تیار نہ تھا۔

گھنٹی پھر بجی اور کلیو غصے سے بڑبڑاتا ہوا اٹھا۔ اس نے لاکٹ اٹھایا اور اپنے نم اور موٹے ہونٹوں سے بھینچ لیا۔ اور پھر اندھیری راتوں کے کسی ہیولے کی طرح وہ اپنی مڑی ہوئی ٹانگوں پر بھدکتا حجرے سے باہر آیا اور اندھیری گذرگاہ میں چل پڑا۔

اس کمرے تک پہونچنے کے لئے، جس میں سارہ تھی، اسے اس ہال میں سے گذرنا تھا جس میں سائمن لیٹا ہوا تھا۔ وہاں پہونچ کر کلیو نے حتی الامکان کم سے کم آواز پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی اس احتیاط کے باوجود سائمن کی آنکھ کھل گئی حالانکہ ڈراکیولا نے شراب کے آخری جام میں اسے خواب آور دوا پلائی تھی۔

سائمن نے ذرا اوپر اٹھ کر کلیو کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے خواب میں دیکھ رہا ہو۔

"سارہ ۔ سارہ کہاں ہے ۔۔۔۔" وہ بڑبڑایا" اسے تلاش کرنا ضروری ہے ۔۔ اسی وقت"

کلیو کے قدم رک گئے کیونکہ سائمن کمبل پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن یہ مشقت اس کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر ڈگمگایا اور بچھونے پر ڈھے گیا۔ کلیو نے مسکرا کر سر ہلایا اور کمرہ عبور کر کے ایک بار پھر اندھیری گزرگاہ میں آ گیا۔

وہ سارہ کی خوابگاہ کے سامنے پہنچا تو دیکھا کہ اس کا آقا باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا اور اس وقت ڈراکیولا کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس کا لمبوترہ چہرہ کچھ زیادہ ہی لمبوترا ہو گیا تھا، اس کے ہاتھوں کی انگلیاں مضبوطی سے آپس میں پھنسی ہوئی تھیں اور اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ کسی چیز نے ڈراکیولا کو حد سے زیادہ پریشان بلکہ خوفزدہ کر دیا تھا۔

کلیو اس کے سامنے یوں جھکا کہ دہرا ہو گیا۔

"آقا؟" اس نے کہا۔

ڈراکیولا نے کلیو کے کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے خوابگاہ میں دھکیل دیا۔

"اس کی گردن سے" ڈراکیولا غرایا "یہ لعنتی چیز نکال جو اسکی گردن میں ہے"

اس نے کلیو کو دوسرا دھکا دیا تو وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا اور تقریباً بھاگتا ہوا پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ سارہ نے دوسری طرف کروٹ لے رکھی تھی چنانچہ اس کا چہرہ تو کلیو کی طرف نہ تھا البتہ اس کے برہنہ سینے پر سنہری صلیب صاف نظر آرہی تھی۔

صلیب نے کلیو کو نہ تو پریشان کیا اور نہ خوفزدہ۔ وہ ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا تھا چنانچہ اب بھی اس کے دل میں اس مقدس علامت کا کچھ نہ کچھ احترام باقی تھا جب وہ پلنگ کی طرف بڑھا تو بے حد مضطرب تھا جیسے وہ ایک ایسا کام کرنے جا رہا تھا جو اسے نہ کرنا چاہیے۔ بہرحال اس نے اپنے اس جذبے کو جھٹک کر سارہ کی گردن میں پڑی ہوئی صلیب کی طرف ہاتھ بڑھایا عین اس وقت سارہ نے نیند میں ایک نامکمل انگڑائی لی اور کروٹ لے کر چیت لیٹ گئی۔

اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی کلیو بت بن گیا۔

"نہیں" اس نے بے یقینی سے سر ہلا کر اور حیرت سے چیخ کر کہا "نہیں"

ڈراکیولا نے شعلہ بار آنکھوں سے اپنے خادم کی طرف دیکھا

"الگ کرو اسے بیوقوف" وہ پھنکارا "الگ کرو فوراً"

ایک بار پھر کلیو کرب سے چیخا۔ اس جانور کی طرح جو پھندے میں پھنس گیا ہو۔

"نہیں" اس نے احتجاج کیا "یہ میں نہیں کر سکتا۔ نہیں کر سکتا"

اس کی آواز پھر چیخ میں تبدیل ہو کر اس قدر بلند ہو گئی کہ سارہ کے جاگ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

"خاموش۔ بیوقوف" ڈراکیولا نے کہا اور ساتھ ہی ایک زناٹے کا تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا۔

کلبوک کے منھ سے پٹتے ہوئے پلّے کی سی آواز نکلی، اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپایا اور گزرگاہ میں بھاگ پڑا۔

سارہ نے ایک بار پھر نیند میں جنبش کی اور اس کے ایک ہاتھ نے اٹھ کر صلیب کو پکڑ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے خبری میں بلکہ لاشعوری طور پر وہ اپنی حفاظت کر رہی تھی۔

ڈراکیولا نے دیکھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے زہر ٹپکنے لگا ہو اور اس زہر کے اثر سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ نفرت، گھن، غصّے اور ناکامی کی ایک غراہٹ کے ساتھ وہ پلٹ کر کمرے کے سامنے سے ہٹ آیا۔

اس نے گزرگاہ میں آکر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ اس کا سیاہ لبادہ پھیل گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک بڑی سی چمگادڑ اندھیری گزرگاہ کو عبور کر رہی تھی۔

تھرڈراکیولا کے ایک کمرے میں بڑی سے پلنگ پر لیٹی ہوئی سارہ کے منھ سے اطمینان کی سانس نکل کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بن کر بکھر گئی۔

اس کے ہاتھ کی انگلیاں صلیب کو بدستور گرفت میں لئے ہوئے تھیں۔

انیسواں باب

رات کا اندھیرا سمٹ گیا اور صبح کی روشنی زمین پر اتری تو یہ اجالا رات کے نم اور دھند بھرے اندھیرے کے مقابلے میں بڑا ہی خوشگوار معلوم ہوا۔

سورج آسمان کے سینے پر ایک چمکدار اور روشن تمغے کی طرح آویزاں تھا اور خود آسمان بلوبیل[1] کے رنگ کا ہو رہا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر دوڑ رہے اور خود اپنی

---

[1] ایک قسم کا نیلا پھول جو گھنٹی کی شکل کا ہوتا ہے۔

منظہرالحق علوی

مختلف اشکال سے آسمان کو سجا رہے تھے۔ ہوا کے جھونکے آہستگی سے بہہ رہے تھے اور تھکے ہوئے جسموں کو فرحت بخش رہے تھے اس کے باوجود صبح کی فضا مکمل نہ تھی۔ اس میں اب بھی کسی چیز کی کمی تھی۔

سارہ بیدار ہو چکی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کس چیز کی کمی تھی۔ رات بھر کی نیند نے اسے تازہ دم کر دیا تھا اور وہ صبح کی مسحور کن منظر سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی لیکن لطف ادھورا تھا کیونکہ فضا ادھوری تھی۔

چند منٹوں کے بعد ہی مکمل ترین خاموشی سارہ کو بے چین کرنے لگی اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا چیز تھی جو اس صبح کو مکمل ہونے سے روکے ہوئے تھی۔ یہ خاموشی تھی درختوں میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ دنیا کے ہر حصے میں پرندے شور مچا کر نہ صرف صبح کو خوش آمدید کہتے بلکہ اس سماں کو بے حد پر اثر بنا دیتے ہیں۔ لیکن یہاں پرندے نہ تھے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یا تو پرندوں کی زبانیں کھینچ لی گئی تھیں یا پھر اس علاقے میں سرے سے ان کا وجود ہی نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ فیصلہ کر پاتی کہ ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح تھی کسی نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ سارہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر اپنے گلے تک کھینچ لی۔

"کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں ہوں۔ اجازت ہو تو آ جاؤں"

سارہ نے اطمینان کا سانس۔

"ایک منٹ" وہ بولی۔

اسے اندر آنے دینے سے پہلے وہ یہ اطمینان کر لینا چاہتی تھی کہ کمرے میں اور کوئی نہ تھا۔ اسے کچھ دھندلا سا خیال تھا کہ رات کو کوئی۔ میزبان اس پر جھکا ہوا تھا اور اس کا سانس بڑی آواز سے چل رہا تھا جس میں سڑے ہوئے گوشت کی بو تھی اور اس کی آنکھوں میں تیز د

تمند سی آگ جل رہی تھی یہ یاد کر کے وہ حیران رہ گئی کہ اس نے ڈراکیولا کو روکنے کی کوشش نہ کی تھی اس کے برخلاف وہ منتظر تھی کہ ڈراکیولا اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر وہ کرے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے کبھی کسی مرد کو، پھر وہ اپنا ہو یا پرایا، اس قدر آگے بڑھنے نہ دیا تھا۔ چنانچہ وہ سوچنے لگی کہ ڈراکیولا نے اسے برانڈی میں تو کوئی چیز نہیں پلا دی تھی۔ کوئی چیز جس سے سارہ کے جذبات بھڑک اٹھے تھے اور وہ اپنے آپ کو ڈراکیولا کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی؟ لیکن اسے یہ خیال بے حد احمقانہ معلوم ہوا۔ چنانچہ یہ خیال جھٹک کر اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں اور پھر کہا:۔

"آجاؤ"

اس نے دروازے کے ہنڈل کو گھمتے تو دیکھا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ یہ دیکھ کر وہ چونکی۔ اس نے دماغ پر زور دیا لیکن اسے یاد نہ آیا کہ اس نے گزشتہ رات دروازہ مقفل کیا ہو وہ اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ اس نے اس کی پروا بھی نہ کی تھی ــ یا شاید اس کا خیال غلط ہو ــ ممکن ہے اس نے کنجی گھما دی ہو لیکن ٹوٹی پڑتی ہوئی نیند کی وجہ سے اسے یہ تک احساس نہ ہو کہ وہ کیا کر رہی تھی ــ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ گزشتہ رات کسی وقت شاید اسی دروازے سے کلیو کمرے میں آیا تھا ــ واقعی وہ آیا تھا یا سارہ نے ایسا کوئی خواب دیکھا تھا؟ شاید خواب تھا بھلا کلیو اس کے کمرے میں کیوں آنے لگا؟ کیا اس کی حفاظت کے لئے؟ لیکن جب سائمن موجود تھا اسے کسی کی بھی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔

" خدا جانے یہ سب کیا ہے " وہ دل میں بولی " یا تو میں خواب دیکھ رہی تھی یا پھر یہ سب میرا وہم ہے "

وہ بستر میں سے نکل آئی تو ــ تو ایک اور اچنبھا۔ اس کا گون کمر تک کھلا تھا اور اس کی چھاتیاں برہنہ تھیں۔ وہ بیک وقت حیران بھی ہوئی اور آپ ہی آپ شرما بھی گئی۔

اس نے آگے بڑھ کر کنجی گھما کر قفل کھولا اور دوڑ کر واپس بستر میں دبک گئی۔

"آجاؤ۔ قفل کھول دیا ہے" اس نے کہا

"اچھی لڑکی" سائمن نے بشاشت سے کہا۔

پھر وہ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

اس نے دروازے کے قریب ہی رک کر سارہ کی طرف دیکھا جسے اس نے گزشتہ رات اس حالت میں دیکھا تھا کہ اس پر غشی طاری ہو رہی تھی لیکن اس وقت سارہ کے چہرے سے نہ تھکن تھی اور نہ ہی غشی کے آثار۔ ڈراکیولا نے خواہ کچھ ہی کیا ہو یہ حقیقت تھی کہ اس نے سارہ کو بہر حال سخت بیمار ہونے سے بچا لیا تھا۔

"شکر ہے۔ گزشتہ رات کی بہ نسبت اس وقت تم بشاش اور تازہ دم معلوم ہوتی ہو" سائمن نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

اس نے بستر کے قریب پہونچ کر سارہ کو اپنی باہوں میں لے لیا۔

"واقعی میں اچھی ہوں" سارہ نے کہا

"رات کو تو کوئی پریشانی نہیں ہوئی؟"

سارہ کے ابرو پر بل پڑ گئے۔

"مجھے یاد ہے کہ رات میں نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا تھا لیکن اس وقت وہ بےقفل تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی"

"کچھ اور؟"

اس کے ماتھے کی سلوٹیں گہری ہو گئیں۔

"یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی ... اس وقت میں الجھ گئی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا تھا — ایک بھیانک خواب — لیکن — اس کے باوجود — وہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے — ہائے — سائمن! ڈارلنگ! میں یقین

سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔

وہ خاموش ہوگئی کیونکہ اپنے جذبات کا اظہار اطمینان بخش طور پر نہ کر سکتی تھی۔

سائمن نے نہ تو اس سے کچھ پوچھا اور نہ ہی اسے آگے کہنے پر مجبور کیا اس کے برخلاف وہ صبر و سکون سے منتظر رہا کہ خود سارہ آگے کہے۔ لیکن جب سارہ دوبارہ بولی ہے تو اس طرح جیسے اس موضوع کو بھول جانا چاہتی ہو۔

"کتنے بجے ہیں اس وقت؟" اس نے پوچھا "سویرا ہی ہوگا ابھی تو"

اس نے جیب سے گھڑی نکالی اور اس کی طرف دیکھ حیرت سے چونکا۔

"میرے خدا! دوپہر ہو چکی ہے" اس نے گھڑی ہلا کر کان سے لگائی۔ وہ بند نہ ہوئی تھی، "ہم دونوں اتنی دیر تک سوتے رہے"

وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سارہ نے کہا "بے شک ہم تھکے ہوئے تھے۔ لیکن......"

سائمن نے شانے اچکا کر گھڑی جیب میں رکھ لی۔

"غالباً ہم توقع سے زیادہ تھکے ہوئے تھے"

عین اس وقت دروازے کے باہر سے آواز آئی جیسے کوئی چیز کواڑوں سے ٹکرا گئی ہو۔ سائمن نے سارہ کی طرف دیکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ پنجوں کے بل دروازے پہونچا اور ایک دم سے دروازہ کھول دیا وہاں کوئی نہ تھا اس نے گزر گاہ میں دیکھا وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔

اس نے سنبھل کر دیکھا۔ فرش پہ چاندی کی کشتی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کشتی اٹھائی اور بڑی دلچسپی سے دیکھا کہ اس میں صرف ایک شخص کا کھانا لگا ہوا تھا۔ وہ اسے لے کر سارہ کے قریب پہنچا۔ گرم گرم سوپ اور گرم روٹی کی بو بڑی اشتہا انگیز تھی۔

"یہ لو" اس نے احترام سے جھک کر کشتی سارہ کے سامنے رکھ دی "اور کوئی خدمت؟"

"شکریہ ڈیٹر صاحب" سارہ نے ہنس کر کہا

"گرم سوپ اور کافی سے زیادہ" اس نے پیالا سارہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "سارا کا سارا پی جاؤ" "توانائی کے لئے بے حد مفید ہے"

جب سارہ سوپ سڑپ رہی تھی تو سائمن گزرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"کہاں چلے؟"

"کلیو کی تلاش میں" سائمن نے کہا "میں اس سے چند سوالات پوچھنا اور جواب معلوم کرنا چاہتا ہوں" سارہ نے اپنے منھ کے سامنے سے چمچہ ہٹالیا۔

"خدا کے لئے ۔۔ مجھے اکیلی چھوڑکر نہ جاؤ" اس نے التجا کی "میں تنہائی برداشت نہ کرسکوں گی ۔ کم سے کم اس قصر میں نہیں"

لیکن وہ دروازے سے نکل چکا تھا۔

"وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی واپس آجاؤں گا" اس نے کہا

دس منٹ بعد سائمن سوچ رہا تھا کہ وہ قیامت تک بھی کلیو کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگا کہ نہیں۔ وہ قصر کی تقریبًا ساری گزرگاہیں دیکھ چکا تھا لیکن نہ تو کہیں کلیو نظر آیا تھا اور نہ ہی اس کے آقا کا کوئی سراغ ملا تھا۔

آخری اُمید لے کر وہ قصر کے مخزنی بازو میں داخل ہوا جہاں کی خاموشی، اور ویرانی، عجیب طرح کی بو خواہ مخواہ اعصاب پر سوار ہو رہی تھی ۔ وہ تنگ گزرگاہ ہیں آوارہ روح کی طرح بھٹکتا اور ایک ایک دروازہ کھول کر دیکھتا رہا۔ ان میں چند دروازے ایسے کمروں میں کھلتے تھے جن کی صفائی کئی برسوں سے نہ کی گئی تھی اور جن میں کئی برسوں سے کسی نے قیام نہ کیا تھا۔

چونکہ اس کی ہر کوشش کا نتیجہ اب تک صفر ہی رہا تھا چنانچہ وہ اپنی تلاش کو یہاں ختم کردینے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ وہ چھوٹا سا کمرہ عبور کرکے ایک ایسی تنگ

گزرگاہ میں پہنچ گیا جو اس نے پہلے نہ دیکھی تھی ۔ وہ پنجوں کے بل چلتا رہا یہاں تک کہ اس نے کسی کو ہولے ہولے کراہتے سُنا ۔ یہ آواز ایک دروازے کے پیچھے سے آرہی تھی ۔

وہ دروازے کے قریب پہنچکر ٹھہر گیا اور کان لگا کر سننے لگا ۔ چند ثانیوں بعد پھر کسی کے کراہنے کی آواز آئی ۔ کوئی جیسے بے حد کرب یا انتہائی مایوسی کے عالم میں ہو ۔

سائمن نے اپنا کان بند دروازے سے لگا دیا اور سرگوشی سے ذرا ہی بلند آواز میں کہا ۔

"پاؤل"

آواز ایک دم سے بند ہو گئی

"پاؤل ۔ یہ تم ہو؟" سائمن نے پوچھا ۔

اور خاموشی رہی ۔ سائمن نے ہینڈل گھمایا ۔ دروازہ اندر سے بند تھا ۔

"پاؤل ۔ جواب دو" سائمن نے اس دفعہ چیخ کر کہا ۔

کوئی جواب نہ آیا تو سائمن نے ایک آخری فیصلہ کیا ۔

وہ کئی قدم پیچھے ہٹا اور پھر دوڑ کر پوری قوت سے دروازے کو ٹکر ماری ۔ دروازے کی ایک پھر اس کے شانے میں دھنس گئی لیکن دروازہ بہر حال ایک چٹاخ کے ساتھ کھل گیا ۔

سائمن منتظر رہا کہ کوئی سامنے آئے گا ۔ لیکن کوئی نہ آیا ۔

اپنے بدن کو خلاف توقع یا متوقع حملے کے لئے تیار کر کے وہ احتیاط سے آگے بڑھا صرف ایک قدم اندر کمرے میں دیکھا ۔

فرش پر بچھی ہوئی چٹائی اور فرنیچر کے نام چند پرانی چیزیں پتہ دیتی تھیں کہ یہ کمرہ کسی کے لئے خوابگاہ کا کام دیتا تھا ۔ وہ کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر گھومنے لگا اور دفعتہً وہ ایک بڑے سے پیالے کے پاس پہنچ گیا جس میں گہرے گلابی رنگ کا پانی بھرا ہوا تھا ۔ پیالے کے قریب کپڑے چیتھڑوں کا انبار تھا ۔ یہ چیتھڑے خون آلود تھے ۔ وہ ان چیتھڑوں کو غور سے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا تو اس کا ایک پیر چٹائی

کے کونے سے الجھ گیا۔ کونہ ذرا سا اوپر اٹھا تو سائمن کو اس کے نیچے رکھے ہوئے لاکٹ کی ایک جھلک نظر آ گئی۔ اس نے جھک کر لاکٹ اٹھا لیا اور اس کی طرف دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"خدایا!" وہ بڑبڑایا "تو پادری یہاں آیا تھا"

ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ ایک بھیانک حیوانی چیخ نے اسے لرزا دیا۔ کمرے کی دیوار میں بنی ہوئی محراب پہ لٹکتے ہوئے پردے کے پیچھے چھپا ہوا کلیو باؤلے کتے کی طرح باہر آیا، اس نے جھپٹ کر بڑے وحشیانہ پن سے سائمن کی گردن دبوچ لی۔ اس کے لمبے ناخن کھال کو ادھیڑ رہے تھے اور گوشت میں اتر رہے تھے۔

اس اچانک حملے کی تاب نہ لا کر سائمن چٹائی پر اس طرح گرا کہ کلیو اس کے سینے پر سوار تھا۔ ابتدا میں سائمن نے سوچا کہ کلیو اسے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ سائمن کی مٹھی کھولنے کی کوشش کرنے لگا تو اس نے سمجھ لیا کہ کلیو صرف لاکٹ چاہتا ہے۔

"یہ مجھے دے دو" کلیو غرایا "یہ میرا ہے۔ لاؤ۔"

اس سے پہلے کہ سائمن لاکٹ خود ہی اسے دیتا، کلیو نے اپنے حریف کے ہاتھ سے لاکٹ گھسیٹ لیا۔ سائمن کا پہلا ردِ عمل یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح سارہ کی تصویر اپنے قبضے میں کرے۔ چنانچہ اس نے دیوانہ وار ہاتھ چلا کر لاکٹ پر جھپٹا مارا۔ لاکٹ تو اس کے ہاتھ میں نہ آیا البتہ کلیو کی قمیص اس کی مٹھی میں آ گئی۔ کلیو تڑپ کر اٹھا تو پرانی قمیص نے اوپر سے نیچے تک پھٹ کر اس کی پیٹھ برہنہ کر دی اور سائمن کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹ گئیں۔

"میرے خدا" سائمن بڑبڑایا۔

کلیو کی پوری پیٹھ کی کھال تقریباً ادھڑی ہوئی تھی۔ خون رستے زخم اور خون اگلتی گہری خراشوں سے اس کی پیٹھ بھری ہوئی تھی اگر اسے روزانہ چرمی کوڑے

سے پیٹا جاتا تب بھی اس کی یہ حالت نہ ہوتی جیسی کہ اس وقت تھی

سائمن اس منظر کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔ لوتھڑے جو کبھی گوشت تھا اور کھرنڈ جو زخموں پر جم گئے تھے ایک بار پھر بڑی بیرحمی اور بے دردی سے کھول دیے گئے تھے۔ سرخ گرہیں تھیں جو زخموں کے مندمل ہونے سے پیدا ہو گئی تھیں انھیں بھی نئے سرے سے کھول دیا گیا تھا۔

سائمن کی حیرت اور الجھن سے فائدہ اٹھا کر کلیو نے اس کے ہاتھ سے قمیص گھسیٹ کر اپنی پیٹھ ڈھنک لی۔ جب بھی موٹی اور پرانی قمیص کے دھاگے اس کی پیٹھ کے زخموں سے چھو جاتے کلیو انتہائی تکلیف سے چیخ اٹھتا۔ آخر کار وہ قمیص کو اس طرح پہننے میں کامیاب ہو گیا کہ اب وہ ایک اناڑی پن سے بندھی ہوئی پٹی کا کام دینے لگی۔

آخر کار سائمن کے حواس بجا ہوئے تو اس نے کھوکھلی آواز میں کہا،

"یہ تمھاری پیٹھ ۔ کس نے یہ ظلم کیا ہے تم پر؟"

کلیو پیچھے ہٹ کر اندھیرے میں جا کھڑا ہوا جیسے اپنے زخم دکھا کر وہ شرمندہ ہو۔

"کس نے؟" وہ غرایا "کون ہو سکتا ہے بھلا؟"

"وہ تمھارا ....؟"

"صحیح خیال ہے تمھارا ۔ یہ میرے محترم آقا کا کارنامہ ہے۔ میرا آقا ۔ آخری کونٹ ڈراکیولا"

سائمن نے نفرت سے دانت پیسے۔

"تو پھر وہ انسان نہیں عفریت ہے جس کے سینے میں دل نہیں" وہ بولا۔

کلیو تلخی سے مسکرایا۔

"شاید" وہ بولا۔

سائمن خاموش رہا۔ حالانکہ اسے احساس تھا کہ کلیو سچ کہہ رہا تھا اس کے

باوجود اس کی انسانیت اسے احساس دلارہی تھی کہ جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ شاید نظر کا دھوکا تھا۔ کوئی بھی انسان، پھر وہ اپنے وقت کا چنگیز ہی کیوں نہ ہو، اپنے ملازم یا کسی کو بھی ایسی بیدردی سے نہیں پیٹ سکتا۔

"مناسب ہوگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ" کلیو نے کہا۔

"چلا جاؤں ......؟"

"ہاں۔ اس سے پہلے کہ وہ تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا کہ میرے ساتھ کیا ہے"۔

سائمن نے کوئی جواب نہ دیا۔ کلیو نے لاکٹ اس کی طرف بڑھادیا۔

"ہاں۔ تمھارے ساتھ" اور اس سے بھی برا سلوک اس لاکٹ والی کے ساتھ"

سائمن بیوقوفوں کی طرح لاکٹ کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اسے اور اس میں تصویر والی کو پہچانتا نہ ہو۔

"اس کے ساتھ!" آخر کار اس نے کہا

"ہاں اس کے ساتھ۔ خصوصاً اس کے ساتھ"

سائمن سنبھلا، اٹھا اور فوراً ہی کلیو پر ٹوٹ پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتا سائمن اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔

"بتاؤ" اس نے دانت پیس کر کہا "یہ لاکٹ تمھیں کہاں سے ملا"۔

کلیو آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔

"وہ یہاں آیا تھا" سائمن نے کہا "پاول یہاں آیا تھا۔ آیا تھا کہ نہیں؟ کہاں ہے وہ؟ کیا واقعہ ہوا اس کے ساتھ۔ بتاؤ"

"نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا" کلیو نے بدستور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

اب سائمن نے اس کے خشک اور بے ڈھلے بال یوں کھینچے اور یوں جھٹکے دیئے کہ معلوم

ہوتا تھا وہ انھیں جڑ سے اکھاڑ دے گا۔

"بتاؤ" اس نے دانت پیسے "بتاؤ"

دفعتہً کلیو نے ہاتھ پاؤں چلانے بند کر دیئے۔ وہ سائمن کے اس سلوک کو اب زیادہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"بتاتا ہوں" وہ بولا "بتاتا ہوں"

"تو بکو پھر"

"وہ یہاں آیا تھا — یہ سچ ہے"

"پھر؟"

"لیکن وہ یہاں سے بھاگ گیا۔ تم بھی بھاگ جاؤ۔ اسی وقت اور — لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اگر تم یہیں رک رہے تو پھر کونٹ تم دونوں کے ساتھ خوفناک سلوک کرے گا — ہاں بے حد خوفناک"

اور کلیو رونے لگا۔ بڑے بڑے آنسو اس کے بدہیئت چہرے پر لڑھکنے لگے۔

"کونٹ — لڑکی کے ساتھ — کچھ نہ کر سکے۔ اس لئے چلے جاؤ یہاں سے۔ اسی وقت — میں فرار ہونے میں تمھاری مدد کروں گا"

"کیسے؟" سائمن کو کلیو پر رحم آ رہا تھا۔

"میں ایک نہ ایک راستہ ......"

دفعتہً کلیو خاموش ہو گیا اور وہ چونک کر یوں پریشان ہو گیا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو

"کیا ہوا؟" سائمن نے پوچھا۔

"میں تمھاری مدد کروں گا۔ بشرطیکہ وقت نہ گزر چکا ہو" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ سوپ — کچھ ہے اس میں" کلیو نے وحشت سے کہا۔

بیسواں باب

کیتھو سے حقیقت اگلوانے کا ارادہ کر کے سائمن کمرے سے نکل گیا تو سارہ چند لمحوں تک بستر میں لیٹی رہی۔ قوت حیات کی پہلی لہر آکر گزر گئی تھی اور وہ کچھ بے جانی سی محسوس کر رہی تھی چنانچہ ایک بار پھر تازہ دم ہونے کے لئے اسے کچھ وقت درکار تھا اور تھوڑا سا آرام بھی۔ وہ لیٹی ہوئی تھی اور قریب ہی میز پر کشتی رکھی ہوئی تھی۔ جس زاویے سے وہ کشتی کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی وجہ سے سوپ کا پیالا بہت بڑا اور بھرا ہوا سوپ واہیات اور شریر سا معلوم ہو رہا تھا۔ گزشتہ رات کے تجربہ کے بعد سارہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے میزبان کی بھیجی ہوئی ایک چیز بھی نہ چکھے گی۔ لیکن پیالے سے اٹھتی ہوئی بھاپ اور اس کی بو ایسی اشتہا انگیز تھی کہ سارہ برداشت نہ کر سکی اور آخر کار اٹھ کر بیٹھ گئی۔

چند ثانیوں تک وہ پیالے کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے جھجکتے ہوئے، جیسے وہ اب بھی یہ فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے وہ غلط تو نہیں ہے، چمچہ اٹھا کر پیالے میں غوطہ دیا، اسی طرح جھجکتے ہوئے منہ تک لائی اور تجربتاً تھوڑا سا سوپ پیا۔ سوپ لذیذ، گرم اور فرحت بخش تھا۔ لیکن جب وہ چمچہ بھر سوپ پی گئی تو اسے احساس ہوا کہ اس میں کوئی خاص بات تھی کہ اس کا ذائقہ نہ صرف تلخ تھا بلکہ وہ تالو اور حلق میں خراش سی پیدا کر رہا تھا۔

اس عجیب احساس سے قدرے حیران ہو کر اور اسے اپنا وہم سمجھ کر وہ سوپ کا دوسرا چمچہ پینے والی تھی کہ سائمن ایک دم سے کمرے میں داخل ہوا اور بگولے کی طرح سارہ کی طرف لپکا۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے تھپڑ مار کر سارہ کے ہاتھ سے پیالہ گرا دیا اور چمچہ

ہوا جیسے وہ فرش پر گرتے ہی دیسی بم کی طرح پھٹ گیا ہو۔ اس کے چھینٹوں نے پلنگ کی چادر کو داغدار کر دیا۔

"سارہ! یہ سوپ پیا ہے تم نے؟" سائمن نے گھبرا کر پوچھا "خدا کے لئے سچ سچ بتاؤ"

سارہ سائمن کے لہجے میں گھبراہٹ محسوس کر کے سہم گئی۔

"ہاں۔ تھوڑا سا پیا ہے" اس نے جواب دیا "کیوں...؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا" وہ بولا "اس وقت تو اہم بات یہ ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں ــــ اسی وقت"

"لیکن....."

"خدا کے لئے بحث نہ کرو اور جیسا میں کہتا ہوں ایسا ہی کرو۔ طبیعت کیسی ہے؟"

"اچھی ہے"

"چل سکتی ہو؟"

"شاید"

سائمن نے قریب کی کرسی پر سے سارہ کا لبادہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ پہن لو نائٹ گون پر ـــ"

"لیکن ......"

"میں کہہ چکا ہوں کہ بحث نہ کرو اس وقت۔ پورا لباس پہننے کا وقت نہیں ہے۔"

وہ بستر سے نکل آئی، اپنے کپڑے لپیٹ کر ان کا بنڈل سا بنایا اور نائٹ گون پر لبادہ ڈال لیا۔ عین اس وقت اس کی نظر اس لاکٹ پر پڑی جو سائمن کے ہاتھ میں تھا۔ ایک سکنڈ تک وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بولی:۔

"میری تصویر ـــ یہ تو وہی ہے جو پاؤل میرے لئے ......"

"ہاں وہی ہے" سائمن نے کہا "پاؤل یہاں آیا تھا ـــ لیکن جلدی کرو"

حالانکہ وہ بڑی احتیاط سے اور سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہے تھے اس کے باوجود وہ چند منٹوں میں ہی نیچے پہنچ گئے۔ سوپ میں جو کچھ تھا اس کے اثر سے سارہ کی نظر قدرے دھندلا رہی تھی اور قدم اُلٹے سیدھے پڑ رہے تھے چنانچہ سائمن نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اس طرح اسے سہارا دے کر گزرگاہ کے موڑ عبور کرنے لگا اور زینے اُترنے میں اس کی مدد کرنے لگا

یہ دیکھ کر ان دونوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ان کا میزبان کونٹ ڈراکیولا کہیں نظر نہ آرہا تھا۔ وہ یقیناً قصر میں نہ تھا۔ شاید وہ قصر کے باہر صحن میں یا کہیں قریب ہی بیٹھا اپنے قصر کی تباہی کا ماتم کر رہا ہوگا۔ جب وہ بڑے ہال میں پہنچے تو وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ وہ ہال عبور کر گئے اور کسی نے ان کا راستہ نہ روکا۔ وہ اسی نیم تاریک اور نم گزرگاہ میں داخل ہوئے جو قصر کے بیرونی صحن تک جاتی تھی، اس میں بھی کوئی نہ تھا سوائے چند کیڑوں اور چھپکلیوں کے جو ان کے پیروں کے نیچے سے نکل کر ادھر ادھر پناہ لینے کے لئے بھاگ رہی تھیں۔

وہ دروازے تک پہنچ گئے اور اس سے باہر بھی نکل گئے اور تب انھیں معلوم ہوا کہ ان کی نقل و حرکت پر نہ صرف نظر رکھی جا رہی تھی بلکہ ان کا تعاقب بھی کیا جا رہا تھا کیونکہ جیسے ہی وہ باہر آئے قصر کا دروازہ ایک دم سے بند ہو گیا اور پھر اندر سے زنجیر لگانے اور آڑ رکھنے کی آواز آئی۔ سارہ نے خوف بھری اور سوالیہ نظروں سے سائمن کی طرف دیکھا تو اس نے جواب دیا۔

"ہمارا دوست کلبوہے شاید"

وہ قصر سے باہر آئے تو سرائے کا سیل تک کا طویل اور دشوار گزار راستہ سامنے تھا۔ سائمن جانتا تھا کہ سارہ یہ راستہ کبھی طے نہ کر سکے گی چنانچہ اس نے کسی سواری کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر جیسے اس کی دعا قبول ہو گئی۔ پھاٹک کے سامنے ڈراکیولا کی بگھی کھڑی ہوئی تھی جس میں گھوڑے جتے ہوئے تھے اور وہ سفر کے لئے تیار تھی

"آؤ" اس نے سارہ کو بگھی کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "اس سے پہلے کہ کوئی آجائے ہم یہاں سے فرار ہو جائیں۔"

اس نے بگھی کا دروازہ کھولا، سارہ کو اندر بٹھایا اور خود اچک کر کوچوان کے بکس پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں باگیں اور دوسرے میں چابک لے کر گھوڑوں کو رخ ٹھا دیا۔

گھوڑے بگھی کو لے کر بھاگ پڑے اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ قصر ڈراکیولا کا چکر کاٹ کر اس راستے پر تھے جو سرائے کی طرف جاتی ہوئی شاہراہ سے جا ملتا تھا۔ قصر کے قریب سے گزرتے وقت سائمن نے اوپر نظر کی تو اسے ایک ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں دو آنکھیں دکھائی دیں جو ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے یہ آنکھیں غائب ہو چکی تھیں۔ لیکن سائمن نے سمجھ لیا کہ یہ کلیو تھا جو خدا جانے کیوں اور کس مقصد کے تحت خفیہ طور سے انکی مدد کر رہا تھا۔ اگر وقت ہوتا تو سائمن رک کر کلیو کو بھی اپنے ساتھ لے لیتا۔ لیکن ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اسے اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ ان کے اور قصر کے درمیان جتنا زیادہ فاصلہ ہو گا اتنا ہی اس کے اور سارہ کے حق میں خصوصاً بہتر ہو گا۔

اس سفر میں زیادہ تر سائمن کوچوان کے بکس پر کھڑا ہی رہا اور ناہموار کچی سڑک پر دیوانہ وار بھاگتی ہوئی بگھی کے جھٹکوں سے ڈولتا اور اپنے آپ کو گرنے سے بچاتا رہا۔

جب سرائے دکھائی دی تو اس وقت دن کی روشنی ختم ہو چکی تھی، دھندلکا چھا رہا تھا اور رات صرف ایک قدم پیچھے تھی۔ بگھی سرائے کا سل کے باہر رک گئی سرائے میں داخل ہوتے ہوئے چند دیہاتی گاہکوں نے گھوم کر بڑی حیرت سے بگھی کی طرف دیکھا جیسے یہ دونوں مسافر جہنم کی سیر کر کے واپس آئے ہوں۔ پھر وہ لوگ ان دونوں کے واپس آنے کی خبر لے کر ایک دم سے سرائے میں گھس گئے۔

سائمن بکس پر سے کود کر نیچے آیا اور یہ دیکھنے کے لئے بگھی کے پیچھے بھاگا کہ اس سفر کا اثر سارہ پر کیا ہوا تھا۔ وہ اپنا لباس پہن چکی تھی اور بگھی کی پچھلی گدی دار نشست میں اس حالت میں پڑی تھی کہ اس کی آنکھیں بند، رنگ زرد اور چہرے کے پٹھے کھنچے ہوئے تھے۔ اس نے سارہ کو اپنے بازوؤں پر اٹھالیا اور سرائے کے دروازے کی طرف چلا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ وہ کھل گیا اور ایک دیہاتی نے ان کی طرف جھانک کر دیکھا۔

"یہ تو وہی دونوں ہیں" وہ بولا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ "دونوں زندہ بچ کر آگئے ہیں"

دیہاتی کے پیچھے سے سرائے کے مالک کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز بلند اور لہجہ تحکمانہ تھا۔

"دروازہ بند کردو فوراً۔ ہم انھیں یہاں نہیں چاہتے"

اس حکم کی تعمیل میں دیہاتی دروازہ بند کر ہی رہا تھا کہ سائمن نے جلدی سے اپنا ایک پیر دروازے میں اڑا دیا۔

"خدا کے لئے ۔۔۔ رحم کرو" وہ بولا۔

اور ایک دم سے اندر گھس آیا۔

لوگوں نے سارہ کو اس کے بازوؤں پر ٹوٹی ہوئی گڑیا کی طرح بے جان سی دیکھا تو ان سب پر ایک سنسنی طاری ہوگئی۔ بار کے قریب بیٹھے ہوئے دیہاتی جو اب تک باتیں کر رہے اور ہنس رہے تھے ایک دم سے خاموش ہو کر موم کی مورتوں کی طرح بے حرکت ہوگئے۔ پست قامت پادری۔ جو پچھلے دو دنوں سے صبح سے شام تک بار کے کونے میں اکیلا ہی بیٹھا کرتا تھا ۔ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنانے لگا۔

"مقدس مریم ۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

سائمن لڑکھڑاتے قدموں سے بار کی طرف بڑھا۔

"ہمیں مدد کی ضرورت ہے" وہ بولا "انسانیت کے ناتے تمھیں ہماری مدد کرنی چاہئے"

اس کے بازوؤں میں سارہ نے جنبش کی، اس کی پلکیں کپکپائیں، اس نے آنکھیں کھول دیں اور وہ وحشت اور خوف سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یسوع مسیح کے لئے" سارہ نے کمزور آواز میں کہا "خدا کے لئے"

سائمن نے اسے نیچے اتار دیا کہ وہ کھڑی ہو سکے۔

وہ اب بھی حد درجہ کمزوری محسوس کر رہی تھی چنانچہ تقریباً فرش پر ڈھے گئی۔ اپنا کام چھوڑ کر جولی اس کی مدد کو دوڑی۔ کانپتی اور لڑکھڑاتی ہوئی سارہ کا ہاتھ پکڑ کر جولی اسے اس کرسی تک لے آئی جو آتشدان کے قریب تھی۔

اب سائمن نے اطمینان کا سانس لیا، اس کی ہمت عود کر آئی اور بڑی بے خوفی سے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف گھوم گیا۔

"دوستو! میری مدد کر کے تم مجھ پر ہی نہیں بلکہ خود اپنے آپ پر بھی احسان کرو گے" اس نے کہا "ایک دفعہ ڈراکیولا کا خاتمہ کرنے کے بعد ہم سب راتوں کو بے فکر ہو کر سو سکیں گے"

یہ سن کر موم کی مورتوں میں جیسے جان پڑ گئی۔ دیہاتی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سائمن سے گفتگو کرنے کے لئے وہ اپنا نمائندہ تلاش کر رہے تھے لیکن کوئی آگے نہ آیا۔

ایک بار پھر سرائے کے مالک نے اپنے طور پر نمائندگی قبول کر لی۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے کرختگی سے پوچھا۔

سائمن نے اسے گھور کر دیکھا۔

"سب سے پہلے تو یہ" وہ بولا "کہ وہ نوجوان ــ میرا بھائی ــ وہاں ہے"

"کہاں ہے؟" سرائے کے مالک نے سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بن کر پوچھا

"قصر ڈراکیولا میں"

"چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ مردہ ہوگا"

"نہیں" سائمن نے بڑے یقین سے کہا "وہ زندہ ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ ہے اور اگر ہم وقت پر وہاں پہنچ گئے تو بچالیں گے"

"ہم؟" سرائے کے مالک نے حیرت سے پوچھا "یہ ہم کون لوگ ہیں؟"

سائمن نے سب کی طرف ہاتھ ہلایا ۔

"آپ سب اور میں ۔ آج ہی رات ہم قصر ڈراکیولا میں جائیں گے، پاؤل کو تلاش کریں گے اور ایک بار پھر قصر کو آگ لگادیں گے"

وہاں بیٹھے ہوئے دیہاتی بے تحاشہ ہنسنے لگے

پچھلی دفعہ ہم نے آگ لگائی تھی تو ہم جانتے ہیں کہ کیا ہوا تھا" ایک دیہاتی نے کہا "بہتر ہے کہ ہم اپنے گھروں میں ہی رہیں"

"لیکن اس دفعہ ہم قصر کو اڑادیں گے" سائمن نے تجویز پیش کی "یہاں سے بارود تو مل جائے گی ۔ ہم قصر کو بارود سے اڑادیں گے"

"پاگل ہوئے ہو" سرائے کے مالک نے احتجاج کیا "ہم لوگ کاشتکار اور تاجر ہیں نہ کہ سپاہی"

"بس بتاؤں گا تمھیں کہ کیا کرنا ہے" سائمن نے کہا "ہمت اور مردانگی شرط ہے پھر یہ کام آسان ہوگا"

اب تو سرائے کے مالک کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی ۔

"نکالو اس کو یہاں سے" وہ چیخا "میں پوچھتا ہوں تم لوگوں کو سانپ سونگھ گیا ہے کیا تم میں سے کوئی اسے اٹھا کر باہر کیوں نہیں پھینک دیتا ۔

لیکن کسی نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ۔

اس سے فائدہ اٹھاکر سائمن نے سلسلہ کلام جاری رکھا
"تم لوگوں کو آخر ہو کیا گیا ہے؟ کیا تم سب کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ اتنی بات نہیں سمجھ سکتے کہ ایک شخص کی زندگی خطرے میں ہے اور تم لوگ اسے بچا سکتے ہو؟"
"اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔" سرائے کے مالک نے قدرے ٹھنڈا پڑ کر کہا "ہم تمہارے بھائی کے نہ تو محافظ ہیں اور نہ ذمہ دار۔"
سائمن چند لمحوں تک خاموش رہا۔
"بہت اچھا" اس نے آخرکار کہا "میں اکیلا ہی جاؤں گا"
آتشدان کے قریب بیٹھی ہوئی سارہ سائمن کے اس اعلان سے کانپ گئی۔
"نہیں" وہ چیخ کر بولی "سائمن ڈارلنگ! نہیں"
سائمن نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
"میرا جانا ضروری ہے سارہ۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں" وہ بولا "لیکن تم یہیں ٹھیرو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ رحم دل لوگ تمھیں پناہ دینے سے انکار نہ کریں گے۔"
اس پر سرائے کے مالک نے نفرت اور غصّے سے فرش پر تھوک دیا۔
"دیکھو صاحبزادے، ہمیں مسکا مارنے کی کوئی ضرورت نہیں" اس نے کہا "ہم رحمدل ہوں یا کچھ اور یہ لڑکی بہرحال یہاں نہ رہے گی۔ یہ بھی تمہارے ساتھ ہی جائے گی پھر تم اسے کہیں بھی لے جاؤ۔"
"خدا کے واسطے ....." سائمن نے التجا کی۔
"یہاں تو تمھیں خدا کے بجائے شیطان کا واسطہ دینا چاہیے" سرائے کے مالک نے تلخی سے کہا "لو۔ لے جاؤ اسے بھی اپنے ساتھ"
وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آتشدان کے قریب پہنچا، سارہ کا بازو پکڑ کر اسے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھایا اور اسے گھسیٹتا ہوا سائمن کے قریب لے آیا!

اس نے ایک دھکا دے کر سارہ کو سائمن سے ٹکرا دیا اور پھر دونوں کو دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا یا کرتا پادری اٹھا، ان کے قریب سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر ان سے پہلے ہی باہر نکل گیا۔

"اچھا ہے کہ ان تینوں سے ہی ہمیں نجات مل جائے" سرائے کے مالک نے دھڑام سے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا" ان سالوں کے بغیر بھی ہمارے سر پر کچھ کم مصیبت نہیں ہے۔"

دیہاتیوں نے سر ہلا کر اور بڑبڑا کر اس سے اتفاق کیا۔ تنہا جولی نے سرائے کے مالک کو للکارنے کی جرأت کی۔

"بزدل" وہ چیخ کر بولی۔

سرائے کے مالک نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی ساری دبنگ بازی کورچ کر گئی

"ہاں" اس نے اعتراف کیا" اور یقین ہے کہ خدا میری اس بزدلی کو معاف کر دیگا"

جولی نفرت اور غصّے سے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر پلٹ کر زینہ چڑھنے لگی

سرائے کے مالک نے شانے اچکائے۔ اس کا خیال تھا کہ جولی ہر عورت کی طرح اپنے کمرے میں رو دھو کر دل کی بھڑاس نکالنے گئی ہے۔

بار کی فضا کا کھنچاؤ کم ہونے لگا تھا کہ جولی واپس آئی۔ وہ ایک بنڈل اٹھائے ہوئے تھی جس میں اس کے کپڑے اور دوسری چیزیں تھیں وہ نیچے اتر کر چند ثانیوں تک ٹھہری اور پھر بڑے یقین سے دروازے کی طرف بڑھی۔

سرائے کا مالک منھ کھولے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ہیں — یہ کیا کر رہی ہو تم؟" اس نے پوچھا۔

جولی نے اپنے سر کو ایک جھٹکا دیا۔

"میں جا رہی ہوں"

"جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ اور خبردار جو مجھے روکنے کی کوشش کی تو......"

"لیکن......"

"میں بزدلوں اور نامردوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی"

"لیکن جولی" سرائے کے مالک نے کہا۔ "تم سمجھتی نہیں ہو"

"بالکل یہی بات تو ہے" اس نے چلتے چلتے کمرے کے عین بیچ میں رک کر کہا "میں نہیں سمجھ سکی۔ تم میں سے کسی کو نہیں سمجھ سکتی"

سرائے کا مالک اسے روکنے کی کوئی مناسب ترکیب سوچنے لگا۔

"نہ جاؤ" اس نے التجا کی" اس کے علاوہ تم اس وقت نہیں جا سکتیں"

"اچھا!" جولی نے ضدی پن سے کہا" اور کیوں نہیں؟"

"یہ تو تم بھی جانتی ہو" اس نے کہا۔ تم سن ہی چکی ہو کہ یہاں اطراف میں کیا ہو رہا ہے ــ تم نے دیکھا ہے کہ ......

"ہاں۔ میں کچھ سن چکی ہوں جو سب کا سب وہم اور بکواس ہے" جولی نے اس کی بات کاٹ کر کہا " تم نے کچھ دیکھا نہیں۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ میں دنیا میں تمھاری بزدلی کا ڈھنڈھورا نہ پیٹوں گی۔

"جولی! خدا کے لئے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہمیں اپنی فکر نہیں ہے بلکہ ہمیں ان چند عورتوں کی فکر ہے جو بچ رہی ہیں"

جولی جواب لئے بغیر آگے بڑھی تو سرائے مالک اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے" وہ چلائی "میرے گاؤں کے لوگ تمھاری طرح بزدل نہیں ہیں اور اس سے پہلے کہ میں تم جیسی بن جاؤں میں یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں"

وہ اس سے بچ کر نکلنے لگی تو سرائے کے مالک نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک لیا۔

"جولی ــ خدا کے لئے" اب وہ گڑگڑا رہا تھا" میری بات سنو۔ ایک بات

تمھیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں"

"مجھے سود گننے کے لئے بہانے تراش لئے۔ کیوں؟"

"یہ بات میں نے تمہیں آج تک نہیں بتائی۔ یہ میری بیوی رینا کے متعلق ہے۔"

"کیا ہے اس کے متعلق؟"

"میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی"

"یہ تم بتا چکے ہو کہ اسے دل کا دورہ پڑا تھا"

"یہ جھوٹ کہا تھا میں نے"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں نہ چاہتا تھا کہ تم ڈر جاؤ"

"تو پھر حقیقت کیا ہے؟"

"یہ میں اب بتانے جا رہا ہوں"

"اچھا کہو"

جولی اس کی بات سننے کے لئے دل پر جبر کر کے تیار ہو گئی۔

"اس پر دل کا دورہ نہ پڑا تھا اور نہ ہی یہ اس کی موت کا سبب تھا ......"

سرائے کا مالک خاموش ہو گیا۔ جولی منتظر تھی کہ وہ آگے کچھ کہے گا۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ سرائے کے مالک کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"اب کہو بھی کہ تمھاری بیوی کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟" جولی نے کہا۔

سرائے کے مالک نے بڑی کوششوں کے بعد کہا۔

"جولی ---- اس کا خون کر دیا گیا۔ بڑی خوفناک طریقے سے"

"خون کر دیا گیا!" جولی نے کہا اور بار میں بیٹھے ہوئے دیہاتیوں کی طرف دیکھا اور ان سب نے اثبات میں سر ہلائے۔

"کیسے۔ کس نے کیا؟" جولی نے پوچھا

"اس نے" سرائے کے مالک کے خشک حلق میں آواز گھٹ کر نکلی،

"کس نے؟"

"ڈراکیولا نے۔۔۔ اس نے میری بیوی کو مار ڈالا جولی۔ ڈراکیولا نے"

جولی بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟" اس نے پوچھا

سرائے کے مالک نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمھاری بیوی کی جان ڈراکیولا نے لی تھی؟" جولی نے پوچھا

اس کے دل میں سرائے کے مالک کے خلاف پھر شک سر اٹھانے لگا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ چمگادڑیں تھیں۔ سرائے کے مالک نے کہا۔

"چمگادڑیں!"

سرائے کے مالک نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا انھیں"

"لیکن چمگادڑیں ......"

"ہاں۔۔ اس کی چمگادڑیں"

"یکون چمگادڑیں؟

"ہاں۔ جولی۔ ڈراکیولا کو پرندوں اور جانوروں پر اختیارات حاصل ہیں۔

میرا مطلب ہے۔۔۔ وہ ڈراکیولا کے غلام ہیں اور وہ جو چاہتا ہے ان سے

کروا لیتا ہے:

"یہ میں نہیں مان سکتی۔

"نہیں" سرائے کے مالک نے اسکی تصحیح کی۔ "تم سمجھ نہیں سکتیں...."

"اور سمجھنا چاہتی بھی نہیں" وہ بولی "میں جا رہی ہوں اور اسی وقت"
اور وہ پلٹ کر باورچی خانے کی طرف لپکی۔ سرائے کا مالک اس کے پیچھے لپکا لیکن جولی اس سے زیادہ تیز ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کاؤنٹر تک پہنچا اس نے باورچی خانے کے دروازے کے بند ہونے کی آواز سنی۔

جولی جا چکی تھی۔ سرائے کا مالک بیوقوفوں کی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے ہاتھ بے جانی سے ٹنگ رہے تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اپنے گاہکوں سے نظریں ملانے کی جرأت نہ کر سکا۔

اکیسواں باب

سائمن ایک بار پھر سرائے کے صحن میں تھا۔ لیکن اس دفعہ باہر آتے ہی وہ بگھی کی طرف لپکا لیکن فوراً ہی اس کی ساری امیدیں منہ کے بل گریں۔

جب وہ سرائے میں تھا اور سرائے کے مالک سے بحث کر رہا تھا تو اس عرصے میں کوئی چپکے سے یہاں آکر بگھی لے گیا تھا۔ کون ہو سکتا تھا وہ؟ شاید کلیہ یا اس کا کوئی گاؤں والا سا تھی۔ دن ختم ہو کر رات یوں جلدی سے آگئی تھی جیسے کسی نے پھونک مار کر دن کی روشنی بجھا دی ہو۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سائمن اور سارہ کو کپکپا رہے تھے۔ اور وہ دونوں صحن میں کھڑے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ساری دنیا اور اس کے راستوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کوئی نہ تھا جو ان کی مدد کرتا۔ کوئی راستہ نہ تھا جو انھیں کہیں پہنچا سکتا اور کوئی جگہ نہ تھی جہاں انھیں پناہ مل سکتی۔ سائمن کو سخت غصہ آرہا تھا چنانچہ اسے خوف ہوا کہ وہ سارہ کے سامنے پھر پھاڑ دینے والی گالی بک دے گا۔ اپنا غصہ بھول نے

گے۔ یہ وہ سیٹی بجانے لگا۔ لیکن اس کی پریشانی سارہ کو دھوکا نہ دے سکی۔ وہ اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا کر اس کے قریب آگئی، اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا اور کمزور مگر خوفزدہ آواز میں پوچھا:۔

"سائمن اب کیا کیا جائے؟"

"فکر نہ کرو" سائمن نے بڑی بہادری سے کہا "میں ایک نہ ایک ترکیب سوچ لونگا۔

سارہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"میں جانتی ہوں۔ لیکن ۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"لیکن اس وقت ہم جائیں گے کہاں"

سارہ کے اس سوال کا جواب سائمن ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اندھیرے میں سے ایک انسانی سایہ نکل کر ان کی طرف بڑھا۔

یہ پادری تھا۔ وہ بھی اس بگھی کو تلاش کر رہا تھا جس میں سائمن اور سارہ آئے تھے لیکن اسے بھی وہ کہیں نظر نہ آئی تھی۔ اس نے شہادت کی انگلی سے ان دونوں کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"میرے ساتھ آؤ میرے بچو" وہ بولا "میں واقف ہوں ایک جگہ سے"

اور وہ ان دونوں کو اپنی راہبری میں اس گرجا کے سامنے لے آیا جو سرائے سے زیادہ دور نہ تھا اور ویران پڑا تھا۔ کہ جاکی کھڑکیاں باہر سے بند تھیں اور ان پر چوبی تختے جڑ دیے گئے تھے۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو فرش پر مردہ مٹی کی موٹی تہہ جیسے قالین کا کام دے رہی تھی۔

سائمن سارہ کو سہارا دے کر بنچوں کے درمیان سے گزرتا اور جالوں کو ہاتھ سے ہٹاتا ہوا قربان گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پادری ان سے چند قدم آگے تھا۔ اس نے قربان گاہ پر رکھی ہوئی پرانی موم بتیوں میں سے ایک جلائی اور بنچوں کی اگلی قطار کی ایک بنچ پر سے کپڑا اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے سہارا دے کر سارہ کو بنچ پر بٹھا دیا اور ایک محافظ کی طرح اس کے قریب مستعد کھڑا رہا۔

سارہ نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کے چہرے پر سے تفکرات کے بادل چھٹ گئے۔

"گرجا ہے یہ" وہ اطمینان کا سانس لے کر بولی۔ "اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

پادری نے اداسی سے سر ہلایا۔

"بیٹی! اب یہ گرجا، گرجا نہیں رہا"

سارہ نے حیرت سے پادری کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب ہے مقدس باپ؟"

پادری چند ثانیوں کے لئے خاموش رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ موضوع اس کے لئے بڑا ہی تکلیف دہ تھا۔

"ایک دفعہ — اس گرجا میں بھیانک واقعہ ہوا تھا" اس نے رک رک کر کہا "اس کے بعد سے گاؤں والے اسے منحوس سمجھنے لگے اور تب سے یہ گرجا ویران پڑا ہے"

جب سارہ پادری کی طرف متوجہ تھی تو سالمن دروازے کی طرف کھسک رہا تھا اور اب وہ دروازے تک پہنچ گیا تھا چنانچہ اس نے وہیں سے پکار کر کہا:-

"مقدس باپ! آپ سارہ کا خیال رکھئے گا"

سارہ نے چونک کر سالمن کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب ہے" وہ حیرت اور خوف سے چیخی۔

سالمن نے بڑی سنجیدگی سے سارہ کی طرف دیکھا۔

"تم جانتی ہو سارہ کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا ہے؟" اس نے کہا۔

"نہیں میرے بیٹے نہیں" پادری نے کہا

اور پھر وہ ایک دم سے دوڑ کر سائمن اور دروازے کے درمیان کھڑا ہو گیا۔

"بیٹے تمہیں یہیں ٹھہرنا ہے تاکہ میں تم دونوں کی خبر گیری اور حفاظت کر سکوں"

"لیکن مقدس باپ میرا جانا بہت ضروری ہے" سائمن نے کہا "میں جانتا ہوں کہ پلوئل اب تک قصر میں ہی ہے"

پادری اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"تمہیں ایسی کوئی بات نہیں کرنی ہے۔ وہ بولا "تمہیں یہیں ٹھہرنا ہے......"

"لیکن ......"

"کم سے کم صبح تک"

سائمن نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

"صبح تک؟ صبح تک کیوں؟"

پادری نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ سائمن اس کی بات مان لے گا۔

"یہ میں سمجھا دوں گا" اس نے کہا "لیکن تمہیں ذرا صبر سے کام لینا چاہئے تاکہ میں تمہیں اس کام کے لئے تیار کر دوں جو ہم دونوں کریں گے"

سائمن چونکا۔

"ہم دونوں!" اس نے حیرت سے کہا۔

پادری نے سر ہلایا۔

"ہاں۔ ہم دونوں کیونکہ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ میری راہبری کے بغیر تم اس خبر آزما مصیبت سے بچ نہ سکو گے جو نہ صرف اکیولا میں ہے ... بلکہ

نازل ہو جاتی ہے اور تمھاری ہمت کے بغیر میں کچھ کر نہ سکوں گا۔ چنانچہ تمھیں میری راہبری کی اور مجھے تمھاری ہمت کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود نہ تو تم اور نہ ہی میں صبح سے پہلے کچھ کر سکتا ہوں۔

سائمن چند ثانیوں تک پادری کی اس بات پر غور کرتا رہا اور پھر کلیبو کے متعلق پادری کو تفصیل سے بتانے کے بعد بولا۔

"چنانچہ مقدس باپ دشمن کے کیمپ میں ہمارا ایک دوست موجود ہی ہے" اور پھر کہا، "کلیبو کو اپنے آقا سے حقیقت میں نفرت ہے۔ اس کمبخت نے کلیبو کو بری طرح سے پیٹا ہے اور میں سمجھتا ہوں وہ عفریت اسے اکثر پیٹا کرتا ہے۔ خود میں نے اس کی ادھڑی ہوئی پیٹھ دیکھی ہے۔ خود کلیبو نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کا آقا پورا شیطان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس نے غلط نہیں کہا۔ اگر کلیبو نہ ہوتا تو میں اور سارہ اس قصر سے کبھی فرار نہ ہو سکتے۔

"تو پھر تمہیں اس کا احسانمند ہونا چاہئے" پادری نے کہا، "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ڈراکیولا کا سلوک اپنے ملازم سے کچھ اچھا نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں" سائمن نے کہا "لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ وہ اس سے کیوں چپکا ہوا ہے۔ اور پھر میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کلیبو نے اپنے آقا کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے۔"

"کیا کہا ہے اس نے؟"

سائمن چند ثانیوں خاموش رہا اور پھر بولا:

"اس نے کہا ہے کہ۔۔ ڈراکیولا انسان نہیں ہے اور یہ کہ وہ بڑی فوق الفطرت قوتوں کا مالک ہے"

ایک لمحے تک پادری سائمن کے پیچھے قربان گاہ کی طرف دیکھتا رہا جیسے یسوع مسیح

سے مشورہ کر رہا ہو کہ اس نوجوان کو ڈراکیولا کے متعلق بتانا کہاں تک مناسب ہوگا اور پھر اس نے ایک ایک لفظ بڑی احتیاط سے منتخب کر کے کہا:۔

"کلیو نے سچ کہا ہے ___ میرا مطلب ہے ایک حد تک"

"آپ کا مطلب ہے وہ کچھ چھپا رہا تھا؟"

"اور اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس میں اس غریب کا کوئی قصور نہیں کیونکہ اس کا آقا، جیسا کہ خود کلیو نے کہا ہے، صحیح معنوں میں عفریت ہے۔ بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر اور اس سے بھی زیادہ برا ہے؟

"زیادہ برا؟" سارہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں بیٹی۔ شاید ہی تم اس پر یقین کرو لیکن حقیقت میں کونٹ ڈراکیولا ویمپائر ہے"

سائمن اور سارہ نے ایک دوسرے کی طرف بے یقینی سے دیکھا۔ کچھ دیر تک تو سائمن کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی لیکن جب اس کے حواس قدرے بجا ہوئے اور اس کی قوت گویائی واپس آئی تو اس نے کہا:۔

"ویمپائر!"

"ہاں ویمپائر"

"لیکن مقدس باپ ویمپائر تو چمگادڑ ہوتی ہے"

دفعتہً اسے یاد آیا کہ جب وہ اور سارہ قصر میں گئے تھے تو ایک چمگادڑ نے ان پر حملہ کر دیا تھا۔

"میرے خدا!" وہ بڑبڑایا "آپ کا مطلب ہے ڈراکیولا نے آپ کو چمگادڑ میں تبدیل کر سکتا ہے؟"

پادری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ وہ انسان سے چمگادڑ اور چمگادڑ سے انسان بن سکتا ہے بشرطیکہ ہم اسے انسان کہہ سکیں۔ ڈراکیولا زندہ مردہ ہے اور ان قوتوں کا مالک ہے جن کا ہم

تصور بھی نہیں کر سکتے"۔ چند جانوروں پر اسے اختیارات حاصل ہیں۔ یہ جانور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان میں چمگادڑیں بھی ہیں اور یہ گھناؤنا جانور خود ڈراکیولا کی طرح راتوں کو ہی اپنے گھونسلوں یا بھٹوں میں سے نکلتا ہے .....؟

گرجا میں خاموشی طاری ہوگئی اور اب سارہ نے ہمت کر کے ایک اہم سوال پوچھا:۔

"لیکن —— یہ —— ویمپائر چمگادڑیں تو خون پیتی ہیں۔؟"

"ہاں" پادری نے جواب دیا" وہ جانوروں کا خون پیتی ہیں"

"اور یہ انسانی چمگادڑ؟" سائمن نے پوچھا" وہ کیا پیتی ہے؟"

پادری کا جواب سیدھا، صاف لیکن لرزہ خیز تھا۔

"بیٹے! انسانی چمگادڑ —— انسانوں کا خون پیتی ہے"

یہ سنتے ہی سارہ کا ایک ہاتھ بے اختیار اس کے گلے کی طرف اٹھ گیا۔

"میرے خدا!" اس نے کہا۔

اس کی طرف دھیان نہ دیتے ہوئے پادری سائمن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ ہمارا مقابلہ کس سے ہے؟" وہ بولا۔

اس سے پہلے کہ سائمن کوئی جواب دیتا سارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

"میرا خواب" اس نے کہا" میرا وہ بھیانک خواب ....."

پادری ایک دم سے چونکا۔

"خواب؟" اس نے پوچھا" کیسا خواب؟"

سارہ نے ماتھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔ وہ سوچنے اور اس خواب کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یاد کرو بیٹی۔ یاد کرو" پادری نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا" یہ بہت ضروری ہے"

سارہ نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"میں نے دیکھا کہ ۔۔۔ وہ میرے بستر کے قریب ۔ میرے قریب آیا۔ اس کی آواز جیسے کہیں دور سے آرہی تھی" وہ مجھ پر جھک گیا اور میں نے اسکا سانس اپنی گردن پر محسوس کیا۔ خدایا! میری گردن پر ۔ ۔ ۔ ۔"

"سارہ!!" سائمن چیخ اٹھا۔

پادری نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا

"کہے جاؤ بیٹی" اس نے کہا "سب کچھ کہہ دو گی تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا"

"وہ ۔۔۔ وہ ۔۔۔ مجھے ۔ چوسنے والا تھا ۔ لیکن ۔ کسی چیز نے اسے روک دیا"

"تمھارا مطلب ہے کسی چیز نے تمھیں بچا لیا" پادری نے اس کی تصحیح کی۔

"بچا لیا؟" سارہ نے وحشت زدہ ہو کر پوچھا "کس نے؟ کیسے؟"

پادری نے اس کے گلے میں پڑی ہوئی اس سنہری صلیب کی طرف اشارہ کیا جس سے وہ غیر ارادی طور پر کھیل رہی تھی۔

"اسی نے" وہ بولا۔ اس صلیب نے تمھیں ڈراکیولا کی شیطنت سے محفوظ رکھا"

"یہ آپ یقین سے کہہ رہے ہیں مقدس باپ؟" سائمن نے پوچھا۔

"بے شک و شبہہ ۔ صلیب ان چند چیزوں میں سے ایک ہے جس سے ویمپائر ڈرتا ہے"

اور پھر وہ سائمن کو وہیں ٹھہرے رہنے کی ہدایت کر کے قربان گاہ کے پیچھے چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب تھی جو ایک زنجیر کے سرے سے لٹک رہی تھی۔

"لو بیٹے ۔ یہ اپنے گلے میں ڈال لو" اس نے صلیب سائمن کو دیتے ہوئے کہا۔ "خیال رہے اسے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے سے الگ نہ کرنا۔ سمجھ گئے؟"

سائمن نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم جس کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں وہ کسی طرف سے انسان نہیں ہے۔ وہ مجسم ہے" پادری نے کہا۔ "دنیا کی ساری برائیاں اس میں بند ہیں بلکہ ڈراکیولا بذاتِ خود شیطان ہے اور چند گھنٹوں بعد ہمارا مقابلہ اسی شیطان سے ہوگا۔

بائیسواں باب

کلیو گہری نیند میں تھا جب اس کی طلبی کی گھنٹی کرخت آواز میں بجنے لگی۔

کلیو اس لڑکی کے متعلق خواب دیکھ رہا تھا جسے اس نے کبھی دور سے دیکھ رکھا تھا اور خواب اس کے اتنے قریب آگئی تھی کہ وہ اسے چھو سکتا تھا۔ لڑکی بڑی مصیبت میں پھنسی تھی اور تنہا کلیو وہ شخص تھا جو اس لڑکی کو بچا سکتا تھا۔ نکیلے دانتوں والے عفریت نے لڑکی کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا اور اس پر جھکا تو کلیو اپنی چٹائی پر نیند میں بے تابی سے کروٹیں بدلنے لگا۔

گھنٹی پھر بجی اور پھر مسلسل بجنے لگی اور کلیو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا خبر منا سب جسم پسینے میں شرابور تھا اور اس کے بال پسینے اور دھول میں اٹ کر بئے کا گھونسلا ہو رہے تھے۔

ایک لمحہ تک وہ بت بنا بیٹھا رہا اور سمجھ ہی نہ سکا کہ وہ کہاں تھا۔ اور پھر اس نے چاروں طرف دیکھا، اپنے کمرے کو پہچانا اور تب سمجھا کہ وہ کسی حسینہ کو بچانے والا بہادر اور قبول صورت شہزادہ نہیں بلکہ بدہیئت، بدصورت اور ڈراکیولا کا غلام کلیو تھا۔ اور گھنٹی بار بار ٹن ٹنا کر اسے اس شخص کے پاس جانے کا حکم دے رہی تھی جس سے کلیو کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت تھی جس سے وہ سب سے زیادہ ڈرتا بھی تھا۔

اپنے سینے اور دل میں درد کی ایک ٹیس محسوس کر کے وہ اپنے غلیظ بستر میں سے نکل

آیا۔ اس نے پہلے ایک جمائی لی پھر ایک انگڑائی لی اور پھر اپنی مڑی ہوئی ٹانگیں گھسیٹتا کمرے سے باہر آ گیا۔

اس نے ڈراکیولا کو کمرۂ طعام میں بپھرے ہوئے لیکن پنجرے میں بند بھیڑیئے کی طرح ٹہلتے پایا۔ اس کا سر اس کے سینے پر جھکا ہوا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے بندھے ہوئے تھے اور اس کے ٹہلنے میں غصے کا انداز تھا۔

کلیو کیکڑے کی طرح ٹیڑھا چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی کوڑا اس پر پڑے گا۔

ڈراکیولا کا چہرہ غصے کی شدت سے بگڑ گیا تھا۔ خاموشی کا طویل وقفہ رہا جس میں آقا اور غلام ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ ان دونوں کے درمیان جو رشتہ قائم تھا وہ کچھ مشکوک اور کچا سا تھا اس کے باوجود اگر ان دونوں میں سے ایک مر جاتا تو پھر کہا نہیں جا سکتا کہ ان میں سے وہ، جو بچ رہتا، اپنے ساتھی کے بغیر زندہ رہ بھی سکتا یا نہیں ان میں سے ایک بھی دوسرے کے بغیر نہ رہ سکتا تھا اور یہی احساس دونوں کے لئے گھناؤنا تھا۔

آخر کار ڈراکیولا نے بڑے زہریلے لہجے میں کہا:۔

"وہ لڑکی ـــ وہ بھاگ گئی ـــ قصر میں سے بھاگ گئی"

"بھاگ گئی؟"

یہ الفاظ کلیو نے کہہ تو دیئے لیکن فوراً اسے احساس ہوا کہ اس کے لہجہ اور آواز کی لرزش چغلی کھا گئی تھی۔ کلیو ایکٹر نہ تھا چنانچہ آج تک اپنے آقا کو بیوقوف بنانے میں کامیاب نہ ہوا تھا اور پھر ڈراکیولا کا تو ایسا تھا کہ وہ دماغ کی گہرائیوں میں کلبلاتے ہوئے خیالات پڑھ لیتا تھا۔

"مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرو" وہ چیخا۔ وہ اپنے آپ یہاں سے فرار نہ ہو سکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ کسی نے اس کی مدد کی ہے اور یہ اندر کا آدمی ہے۔

"شاید وہ نوجوان جو اس کے ساتھ تھا... کلیو نے لنگڑے پن سے کہنا شروع کیا۔

"وہ نوجوان کچھ نہ تھا۔ کیا حیثیت تھی اس کی کہ اندرونی مدد کے بغیر وہ بھی یہاں سے نکل جاتا۔"

کلیو کمرے میں نظریں دوڑانے لگا جیسے اسے دیواروں پر سجے ہوئے قدیم ہتھیاروں سے جواب مل جائے گا یا وہ اسے دیواروں پر لکھا نظر آ جائے گا۔ لیکن کچھ نہ تھا۔ کوئی اشارہ نہیں کہ اسے اپنے بچاؤ کے لئے کیا کہنا چاہیئے۔ اس نے اپنے جسم کا بوجھ ایک سے دوسری ٹانگ پر منتقل کر کے سر جھکا لیا۔

ڈراکیولا نے اطمینان اور غصّے کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے انھیں نکل جانے دیا۔ کیوں؟ اس نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

کلیو نے سر اٹھا کر اپنے آقا کی طرف دیکھا۔

"بکواس" ڈراکیولا کا لہجہ لرزہ خیز حد تک نرم تھا" اقرار کرو کہ تم نے انھیں جانے دیا ہے"

کلیو نے جواب دیا تو اس کی آواز گھٹی ہوئی سرگوشی تھی۔

"ہاں آقا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ان کی مدد کی تھی"

ڈراکیولا نے دوسرا جملہ اس طرح کہا جیسے یہ اس رسم کا ایک حصہ ہو۔

"چنانچہ تم نے گناہ کیا ـــ اقرار کرو کہ تم نے گناہ کیا"

"میں اقرار کرتا ہوں آقا ـــ بے شک میں نے گناہ کیا"

"اور تم جانتے ہی ہو کہ گنہگار میرے سامنے جھک جاتے ہیں"

"بے شک"

اور وہ ڈراکیولا کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

"کلیو! اب یہ بتاؤ کہ گنہگاروں کے ساتھ میں کیا سلوک کرتا ہوں؟"

"آپ انھیں سزا دیتے ہیں"

"بالکل ۔ اور کیا ہونی چاہیئے سزا ؟"

کلیو منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا ۔

"کیا کہا تم نے ۔ تلوار ؟ یہی کہا نا تم نے کلیو ؟"

ستم رسیدہ کلیو نے نامعلوم طور پر سر ہلا دیا ۔

"چنانچہ تلوار تمھارے لئے تیار ہے کلیو ۔ پچھلے ایک عرصے سے وہ تمھارے لئے تیار ہے"

اور یہ کہہ کر وہ آتشدان کی طرف لپکا ۔ آتشدان میں شعلے بلند تھے اور ان شعلوں میں ایک تلوار دیر سے رکھی ہوئی تھی ۔ ڈراکیولا نے تلوار کا دستہ پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ لیا ۔ تلوار تپ کر انگارہ ہو رہی تھی ۔ کلیو اپنے آپ کو روک نہ سکا ۔ بے اختیار اس کی نظریں تلوار کی طرف اٹھ گئیں اور وہ خوف و دہشت سے کانپ گیا ۔ ڈراکیولا دہکتی ہوئی تلوار اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اور اپنے آگے لمبی کر کے کلیو کے قریب پہونچا ۔

"کلیو ! اب تمھیں کیا کرنا ہے ؟" اس نے ایک سرخوشی کے عالم میں پوچھا ۔

"آقا ! اب مجھے اپنی قمیص اتارنی ہے "

"تو اتار دو پھر"

کلیو نے تقریبًا دیوانہ وار عجلت میں قمیص اپنے جسم سے الگ کر دی ۔

"نہیں" ڈراکیولا بولا "تمھارے سینے کی مجھے ضرورت نہیں ۔ گھوم جاؤ"

کلیو گھوم گیا اس جانور کی طرح جو اپنے مالک کا ہر حکم ماننے پر مجبور ہو ۔

"اب مجھے کیا کرنا ہے کلیو ؟" ڈراکیولا نے انبساط سے پوچھا ۔

"اس دہکتی ہوئی تلوار سے میرے جسم میں چھید کرنا ہے آقا"

"ہاں ۔ پچھ کے لگانے ہیں ، ضربیں لگانی ہیں اور تمھاری کھال ادھیڑنی ہے"

اور یہ کہتے ہی ڈراکیولا نے دہکتی ہوئی تلوار کے چپٹے حصے سے کلیو کی پیٹھ پہلی

ضرب لگائی۔ ایک منٹ تک، جس کا ہر سکنڈ کلیو کو ایک صدی معلوم ہو رہا تھا، ڈراکیولا دہکتی ہوئی تلوار کے چپٹے حصے سے کلیو کی پہلے سے ہی زخمی پیٹھ پر ضربیں لگاتا رہا۔

جب کلیو نیم بیہوشی کے عالم میں فرش پر ڈھے گیا تو ڈراکیولا نے اپنا ہاتھ روک لیا کیونکہ اب کلیو اور موت کے درمیان صرف دو تین ضربوں کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ لیکن کلیو کو زیادہ دیر تک پڑا رہنے کی اجازت نہ تھی۔

ڈراکیولا نے تلوار پھینک دی، برانڈی کی بوتل جھکا کر ایک لبریز جام بھرا اور پھر اسے بے سدھ پڑے ہوئے کلیو کے حلق میں انڈیل دی۔ کلیو نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں، ڈراکیولا کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا تو ایک دم سے اٹھ بیٹھا اور بقیہ ضربیں اپنی پیٹھ پر برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

"ٹھیک ہے کلیو" ڈراکیولا نے نرمی سے کہا "تم نے جرم کیا اور اس کی سزا تمہیں مل گئی۔ اب اٹھو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسی وقت ایک کام تمہارے سپرد کرنے والا ہوں"

اس نے سہارا دے کر کلیو کو اس کی ڈگمگاتی ہوئی ٹانگوں پر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ اس کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ جیسے کچھ سن رہا ہو۔

کچھ ہی دیر بعد ایک چمگادڑ اندھیرے میں سے نکل کر آئی اور کھڑکی کی دہلیز پر بیٹھ گئی اور کمرے میں اس کا سایہ یوں پھیل گیا جیسے کھڑکی پر پردہ کھینچ لیا گیا۔ ڈراکیولا نے اپنا سر چمگادڑ کی طرف جھکا دیا۔

"ڈراکیولا اور چمگادڑ کے درمیان لفظوں میں گفتگو نہ ہوئی اس کے باوجود جب ڈراکیولا کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر ملازم کے قریب آیا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں صاف ظاہر تھا کہ چمگادڑ نے اسے کوئی خوشخبری سنائی تھی۔

"کلیو! اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا ایک موقع تمہیں دے رہا ہوں" ڈراکیولا

نے اعلان کیا۔

" یہ میرے آقا کا احسان ہے "

" ایک شکار سے تم نے ہمیں محروم رکھا لیکن اس کی جگہ تم دوسرا شکار لا سکتے ہو۔"

" دوسرا شکار آقا؟ "

" ہاں۔ اس وقت وہ شکار شاہراہ پر ہے۔ وہ اپنی بغل میں ایک چھوٹی سی گٹھری دبائے شاہراہ پر جا رہی ہے۔ اس کے تلوے زخمی ہو گئے ہیں اور وہ بے حد تھکی ہوئی ہے چنانچہ اسے راستے میں ایک بگھی مل جائے، جس میں وہ سوار ہو سکے، تو وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھے گی۔ تم میری بات سمجھ گئے ہو کلیو؟ "

" سمجھ گیا آقا "

" تو پھر جاؤ۔ اور یاد رکھو اگر تم اکیلے واپس آئے ہو تو پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

" جانتا ہوں آقا "

اپنے آقا کے اس احسان کا بوجھ اپنے شانوں پر محسوس کرتا ہوا کلیو کمرے سے باہر آیا۔ اس وقت وہ جو تکلیف محسوس کر رہا تھا وہ پچھلی اذیتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک طرح سے وہ ان اذیتوں کا عادی بن گیا تھا اس کتے کی طرح جسے اس کا مالک بلاناغہ پیٹا کرتا ہو اور اسی کتے کی طرح ہی وہ اپنے اس آقا کا وفادار بھی تھا جو بڑا ظالم اور بے درد تھا اس کا آقا جو بھی حکم دے اسے بہر حال اس کی تعمیل کرنا تھی اور اگر اس میں وہ کوتاہی کرتا تو پھر اس کی سزا سے بچنے کی کوشش نہ کرتا اور اگر وہ اپنے آقا کا حکم بجا لانے میں کامیاب ہو جاتا تو انعام کے طور پر اس کا آقا یا تو صرف سر ہلا دیتا یا کلیو کی تعریف میں ایک لفظ، صرف ایک لفظ کہہ دیتا۔

بگھی صحن میں تیار کھڑی تھی جہاں اسے کلیو کا بھتیجہ چھوڑ گیا تھا اس کا یہ بھتیجہ بستی میں ایک توہار کے یہاں ملازم تھا اور کلیو نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ جب بھی اس بگھی کو

خالی اور کلیو کے بغیر دیکھے تو اسے قصر کے پھاٹک تک چھوڑ جائے اور اس کے بھتیجے کو یہ خدمت سال میں ایک دو دفعہ ہی انجام دینا پڑتی تھی۔ یعنی اس وقت جب کونٹ ڈراکیولا کی تدبیر الٹ جاتی اور شکار بچ نکلتا۔

کلیو قصر سے باہر آ کر تیزی سے بگھی کی طرف بڑھا، قدرے تکلیف سے اچک کر بکس پر بیٹھا، لگامیں ہاتھ میں لیں، آہستہ سے گھوڑوں کو ٹٹکارا اور بگھی لے کر شاہراہ کی طرف چلا جہاں وہ لڑکی تھی جس کو اسے اغوا کرنا تھا۔

سرائے سے نکلنے کے ایک ہی گھنٹے بعد جولی اپنی عجلت پر افسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ اس نے سخت حماقت کی تھی۔ اُس وقت تو وہ جوش اور غصّے میں بھری ہوئی تھی اور اس کے خیال میں اس نے جو فیصلہ کیا تھا اور جو قدم اٹھایا تھا وہ نہ صرف مناسب بلکہ اس کے نزدیک ایماندارانہ تھا۔ کیونکہ انسانیت اور انسانی ہمدردی کا تقاضہ بھی تھا۔

لیکن اب جبکہ رات کے اندھیرے نے اسے کالی چادر کی طرح۔ لپیٹ لیا تھا اور اس کے جیلوں کے پھٹے ہوئے تلوؤں میں سے اس کے پیر زخمی ہو رہے تھے تو وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اس نے فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کی ہوتی اور سرائے میں ہی رہی ہوتی یوں ویرانے میں بے مہار اٹھکنے سے تو اچھا تھا کہ وہ دیہاتیوں کی واہیات دست درازیاں سرائے کے مالک کا غصہ برداشت کر لیتی۔ اس کے پیر زرد کرنے لگے تھے اور وہ کسی بھی جگہ پہنچنے کی اُمید چھوڑ چکی تھی کہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے سرے پر پہنچ گئی اور دیکھا کے سامنے ایک چوراہا تھا۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ فیصلہ نہ کر پاتی کہ اسے ان چار راستوں میں سے کون سے راستے جانا ہے یا جانا چاہیئے کیونکہ چاروں ہی راستے ایک سے اور

ویران تھے۔ لیکن اس دفعہ ایک چیز نے اسے الجھن میں پڑنے سے روک دیا۔

عین چوراہے پر اور شمال کی طرف جاتے ہوئے راستے کے سرے پر کالے رنگ کی ایک قیمتی بگھی کھڑی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ بگھی کسی مقامی امیر یا کسی دولت مند زمیندار کی سواری تھی۔ لیکن جولی کو اس کی پروا نہ تھی اگر اس بگھی کے بجائے اس وقت اسے ایک چرچراتا ہوا پرانا چھکڑا مل جاتا تو اس کے لئے اتنا ہی بڑا سہارا ہوتا۔ سامنے جو بگھی تھی وہ بہر حال نیند اور آرام کی علامت تھی — نیند اور آرام جس کی جولی کو سخت ضرورت تھی،

اس کی آنکھیں خوشی سے ڈبڈبا آئیں اور وہ اس بگھی کی طرف بڑھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر بگھی کے مالک نے اسے اپنی بگھی میں "لفٹ" دینے سے انکار کر دیا تو وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دے گی اور اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو اس کے قدموں پر سر رکھ دے گی۔

نا امید وبیم سے دھڑکتا دل لئے بگھی کے قریب پہنچی اور ڈرتے ڈرتے قریب والی کھڑکی میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بگھی میں کوئی نہ تھا۔ اس نے آگے کی طرف نظر کی۔ کوچوان کی نشست بھی خالی تھی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بگھی کا مالک، پھر وہ کوئی بھی تھا، کسی وجہ سے بگھی کو یہیں چھوڑ کر پیدل ہی آگے روانہ ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ شاید ایسا ہو کہ اس میں جُتے ہوئے دونوں گھوڑوں میں سے کسی ایک کا نعل نکل گیا ہو اور وہ چل نہ سکتا ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو بہر حال یہ حقیقت تھی کہ اس وقت تو اس بگھی کا کوئی دھنی نہ تھا چنانچہ ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی۔ جولی اپنے اطمینان سے بگھی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو سکتی اور اس کی گدے دار نشست پر بے خوف ہو کر سو سکتی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر بگھی میں داخل ہو چکی تھی۔

اس نے اپنی گٹھری ایک نشست پر پھینکی اور خود دوسری نشست پر دراز ہوگئی۔ اس نے اس معشوقہ کی طرح ایک لمبا سانس لیا جو دور سے بھاگ کر اپنے عاشق کے گھر پہنچی ہو اور اس کے عاشق نے اس کے نہانے کے گرم حمام تیار کر رکھا ہو۔

جولی کی آنکھیں بند ہونے لگیں، اس کے ہونٹ ذرا سے کھل گئے اور اس کا سینہ اٹھنے اور گرنے لگا۔ گہری نیند اس سے صرف ایک قدم دور تھی کہ کہیں سے کلیو بھوت کی طرح نکل کر اس پر آپڑا اور اپنا ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر سرگوشی میں بولا۔

"خبردار جو شور مچایا تو"

ابتداء میں تو جولی نے سمجھا کہ یہ شخص اس کی عصمت لوٹنے آیا ہے لیکن جب اس نے جولی کے منہ میں ایک بدبودار کپڑا ٹھونس دیا اور ایک رسی سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دئیے تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی عام راہزن نہ تھا بلکہ وہ اسے پکڑ کر کسی کے پاس لے جا رہا تھا۔ شاید تحفے کے طور پر یا شاید اس کی ہوس کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے۔

بعد کا آدھا گھنٹہ اس طرح گزرا کہ بگھی بھاگتی رہی اور جولی اس میں ہاتھ پیر بندھے بے بسی پڑی رہی معلوم ایسا ہوا کہ بگھی عام راستہ چھوڑ کر پہاڑی راستے پر بھاگ رہی اور اوپر چڑھ رہی تھی اور ڈھلان تقریباً عمودی تھی۔

جب بگھی رکی ہے تو اس کی اٹکھیلیوں سے جولی کا جوڑ جوڑ اس طرح درد کر رہا تھا اور اس کی ساری امیدیں اس طرح ختم ہو چکی تھیں کہ اب اسے اس کی پرواہ تھی کہ اس کے ساتھ کون کیا سلوک کرتا ہے۔

اس نے جیسے خواب کے سے عالم میں دیکھا کہ بگھی کا دروازہ کھولا گیا، کسی نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا اور اسے کچھ اٹھاتا اور کچھ گھسیٹتا ہوا ایک سرنگ میں لے

آیا اور وہ اسے اس سرنگ پر گھسیٹنے لگا اور اب وہ اسے ایک بلند چھت والے بڑے سے کمرے میں لے آیا تھا۔

کلیو نے اسے کپڑوں کے گٹھر کی طرح اس صوفے پر ڈال دیا جو آتشدان میں جلتی ہوئی آگ کی تپش سے فرحت بخش حد تک گرم ہو رہا تھا۔

جب جولی کی غشی دور ہوئی، اس کے حواس بجا ہوئے اور اس کی نظر کے سامنے سے دھند ہٹی تو اس نے دیکھا کہ سامنے کالے لباس میں ملبوس ایک دبلا پتلا اور طویل القامت شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے لمبوترے چہرے سے کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہ ہو رہا تھا اور وہ ٹکٹکی لگائے جولی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر کسی نے کہا:۔

"آقا! اس کے ہاتھ پاؤں کھول دوں؟"

کالے لباس والے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ فوراً ہی ایک گھناؤنا کبڑا جولی کی نظر میں آگیا۔ یہ کبڑا جولی کی طرف بڑھا۔ اس کا مٹکے جیسا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا اور اس کے گھناؤنے ہونٹوں پر سفید سفید تھوک کے بلبلے اسے اور بھی مکروہ بنا رہے تھے۔

جب یہ نفرت انگیز کبڑا اس کے ہاتھوں اور پیروں کی رسیاں کھول رہا تھا تو جولی نے متلی روکنے کے لئے دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا۔ وہ بڑے اناڑی پن سے گرہیں کھول رہا تھا اور اس کے بڑھے ہوئے اور میل بھرے ناخن جولی کی کھال میں چبھ رہے تھے۔ جولی کے ہاتھ پاؤں کھولنے کے بعد کبڑے نے خوشی اور اطمینان سے غرا کر اپنے آقا کی طرف دیکھا۔

"آقا! اب آپ خوش ہوئے؟" اس نے پوچھا "میں آپ کی پسند کی چیز لایا ہوں نا آقا؟"

کالے لبادے والے کی آواز جیسے اس کے پیٹ میں سے نکل رہی تھی۔

"ہاں۔ اچھا کام کیا ہے تم نے"

"تو میرا گناہ معاف کر دیا گیا آقا؟"

"ہاں کلیو۔ معاف کر دیا گیا۔ اب تم جا سکتے ہو"

اور خوشی کی ایک غراہٹ کے ساتھ کلیو کمرے سے بھاگ گیا۔

اس کا آقا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ کلیو کے قدموں کی چاپ قصر کی وسعتوں اور مہیب خاموشی میں ڈوب گئی۔ اور پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ کی صورت میں پھیل گئے۔

جولی نے جو آخری بات دیکھی وہ یہ تھی کہ ایک مردے کا سا چہرہ اس پر جھک رہا تھا اس کے ہونٹ دانتوں پر کھنچے ہوئے تھے اور نوکیلے دانت آتشدان کے شعلوں کی روشنی میں بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔

وہ چہرہ اس کے کان کے قریب سے گزر گیا، سرد ہونٹ اس کی گردن سے مس ہو گئے اور پھر اس نے اپنی گردن کے نرم گوشت میں اور عین شہ رگ میں چبھن محسوس کی۔

جولی خوف اور تکلیف سے چیخ اٹھی۔ پھر انبساط سے۔ اور پھر تکلیف سے

تیسواں باب

صبح چوروں کی طرح گرجا میں داخل ہوئی۔ وہ کھڑکیوں میں سے رینگ کر نیچے آئی، کچھ دیر کے لئے قربان گاہ پر رکی اور پھر رینگ کر فرش پر آ گئی اور وہاں سے بنچ کی اگلی قطار پر چڑھ گئی۔ وہ گرجا میں چھائے ہوئے اندھیرے سے دست بگریباں ہو گئی اور کچھ دیر بعد اندھیرا شکست کھا کر یوں بھاگا جیسے اس کا وجود ہی نہ تھا۔

لیکن یہ فاتح صبح سارہ کی نیند میں خلل نہ ڈال سکی جو یوں بے سُدھ سو رہی تھی جیسے اس نے خواب آور گولیاں مقدار سے زیادہ کھائی ہوں۔ لیکن اس نے سائمن کو کروٹ لینے پر ضرور مجبور کر دیا اور پادری کو آنکھیں کھولنے پر جو سویا تو نہ تھا البتہ جس نے اپنی تھکی ہوئی آنکھوں کو آرام دینے کے لئے بند کر لیا تھا۔ روشنی کی پہلی کرن نے اسے چھوا ہی تھا کہ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور پنجوں کے بل اس بنچ کے قریب پہنچا جس پر سائمن بے آرامی سے سو رہا تھا۔ اس نے سائمن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ سے جھنجھوڑا۔

"اٹھو بیٹے" پادری نے کہا "سویرا ہو گیا۔"

سائمن نے کراہ کر کروٹ لی اور چت ہو گیا۔

"کیا ہے؟" وہ بڑبڑایا "کون ہے؟"

"صبح ہو گئی" پادری نے کہا "ہمارے جانے کا وقت آگیا ہے"

دوسرے ہی لمحہ سائمن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اب ہمیں کرنا ہے وہ کام؟" اس نے پوچھا

"ہاں بیٹے میں نے جو کہا ہے اسے تم بھولے تو نہ ہو گے؟"

"وہ ویمپائر کے ختم کرنے کے طریقے کے متعلق؟"

"ہاں"

"نہیں۔ وہ میں بھولا نہیں ہوں"

"اسے ختم کرنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ کھونٹا اس کے دل میں ٹھونک دیا جائے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"یہ کام میں کروں گا مقدس باپ۔"

"انشاء اللہ"

جب وہ دونوں جانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو سائمن سارہ کے قریب پہنچا۔ وہ پرسکون نیند سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسا سکون اور اطمینان تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور پریشانیوں سے وہ کبھی واقف تک نہ رہی ہو۔

سائمن اس کی طرف پیار سے دیکھ کر مسکرایا اور پھر پادری کی طرف گھوم گیا۔

"مقدس باپ! سارہ تو یہاں محفوظ رہے گی؟" اس نے پوچھا۔

"پوری طرح سے"

"لیکن"۔۔۔۔

"دن کی روشنی کے پھیلتے ہی ڈراکیولا کی ساری قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ بے بس ہو جاتا ہے چنانچہ اب وہ رات کا اندھیرا اترنے سے پہلے اپنے بھٹ میں سے نہ نکلے گا"

"تو پھر اپنا کام کرنے کے لئے ہمارے پاس پورے بارہ گھنٹے ہیں"

"آؤ بیٹے۔ چلیں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے"

اور جب وہ پہاڑی راستے کی طرف جا رہے تھے تو سائمن یوں محسوس کر رہا تھا۔ جیسے اس کی ساری عمر کونٹ ڈراکیولا سے جد و جہد بلکہ جنگ کرتے گزری ہو اور یہ کہ اب وہ شاید آخری دفعہ قصر کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی اب تک کی زندگی کا کوئی گھنٹہ بھی ایسا نہیں رہا جو خوف دہراس سے بھرا ہوا نہ رہا ہو۔

ابھی چند دنوں پہلے ہی وہ اور سارہ کلینس برگ سے روانہ ہوئے تھے لیکن کلینس برگ کی گھماگھمی اور دلچسپیاں انھیں بہت پیچھے معلوم ہوتی تھیں جیسے وہ سب کچھ پہلے جنم کے واقعات ہوں۔

پہاڑی راستے پر چلتے ہوئے وہ دونوں خاموش تھے۔ راستہ اتنا چوڑا تھا کہ تین

آدمی شانہ بہ شانہ چل سکتے یا ایک بگھی اس راستے سے آگے جا سکتی یا واپس آ سکتی تھی لیکن اس سے زیادہ راستے کے کناروں پر نہ دائیں طرف جگہ تھی اور نہ بائیں طرف چنانچہ سائمن سوچ رہا تھا کہ اگر سامنے سے کوئی سواری گاڑی یا بگھی آ گئی تو وہ اس سے کس طرح بچ سکیں گے۔ راستے کے ایک طرف چکرا دینے والی گہرائی تھی اور دوسری چٹانی دیوار بلند ہوتی چلی گئی تھی۔ جیسے پادری بھی یہی سوچ رہا ہو، جیسے اسے بھی یہی خوف ہو کہ اگر سامنے سے بگھی بھاگتی ہوئی آئی تو ان کے بچنے کی کیا صورت ہو گی چنانچہ وہ اپنی ناک کی سیدھ میں اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں یہ راستہ سوئی کی طرح جیسے سمٹ گیا تھا۔ یہ نظر کا دھوکا اور فاصلے کا کھیل تھا۔ اور پھر دفعتہ سائمن نے اپنی کہنی پر اس کی انگلیوں کا دباؤ محسوس کیا۔

"وہ دیکھو" پادری نے کہا۔

سائمن نے حیرت و خوف سے ادھر ادھر دیکھا۔

"وہاں۔ سامنے" پادری بولا

سائمن نے اس طرف دیکھا جس طرف پادری دیکھ رہا تھا۔ سامنے، فاصلے پر ایک دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا جو شاید قصر کی فصیل تھی یا پھر دھواں تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے پوچھا "راستہ تو ویران ہے۔ اس پر کچھ بھی نہیں"

"راستہ پر نہیں" پادری کی آواز کانپ رہی تھی۔

"پھر؟"

"اوپر دیکھو۔ آسمان کی طرف"

اور اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی۔ سائمن نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا۔ فضا میں ایک کالا سا داغ تھا جو دم بہ دم نیچے آ رہا تھا اور جیسے جیسے نیچے آ رہا تھا بڑا ہوتا جا رہا تھا۔

"چمگادڑ" وہ خوف سے چیخا "وہی چمگادڑ"

سالمن کو خوف ہوا کہ چمگادڑ ان پر حملہ کرنے والی ہے لیکن وہ ان کے سروں پر اور کوئی پچاس فٹ اوپر آکر رک گئی اور اب وہ وہاں منڈلا رہی تھی اور ان کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے وہ جاسوسی کر رہی ہو۔

"مقدس باپ! آپ اس دوزخی چمگادڑ کے سامنے خوف کا اظہار نہ کیجئے۔ اسے یہاں ہمارے فعل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

لیکن پادری کا منہ لٹک گیا تھا، آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں اور وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں بیٹے" پادری نے کہا "لیکن میں ۔ میں ۔ اس ـــ اس عفریت کے روبرو دوبارہ نہیں جا سکتا۔ میں ۔ میں ۔ پھر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ......"

"مقدس باپ!"

"میں دیکھ چکا ہوں بیٹے کہ اس عفریت نے گاؤں کی عورتوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ مجھے بزدلی کا الزام نہ دینا بیٹے ۔ میں بہرحال ایک انسان ہوں۔ ایک کمزور انسان"

"نہیں مقدس باپ میں آپ کو کوئی الزام نہ دوں گا۔ بے شک یہ جگہ نہ تو آپ کے لئے ہے اور نہ ہی یہ کام آپ کا ہے۔ میں اکیلا ہی آگے جاؤں گا۔"

"میں بے حد شرمندہ ہوں کہ ....."

"شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میری بھی یہی حالت ہو جاتی۔"

"شکریہ میرے بیٹے۔ یہ نہ بھولنا کہ تمہیں کیا کرنا اور کیسے کرنا ہے۔"

"نہ بھولوں گا۔ میری آپ سے ایک درخواست ہے۔

"کہو بیٹے"

"آپ سارہ کے پاس واپس جائیے اور اس کا خیال رکھئے اور اس کی حفاظت کیجئے۔ مقدس باپ!

وہ مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے"

پادری نے بڑے جوش سے سر ہلایا۔

"اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ میں اسے چھوڑ کر نہ جاؤں گا جس طرح تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں"۔

"اس کی حفاظت کرنا مقدس باپ۔ بس یہی میں چاہتا ہوں"

"تم بے فکر رہو۔ یہاں کی بات دوسری ہے اور وہاں کی دوسری"۔

چنانچہ پادری اور سائمن نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور پھر وہ دونوں گھوم کر مختلف سمتوں میں اور اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔ سائمن نے گھوم کر نہ دیکھا لیکن پادری جب تک پہاڑی راستے پر چلتا رہا پلٹ پلٹ کر سائمن کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نوجوان کی ہمت اور بہادری نے اس کے دل میں جذبات کا ایک طوفان بپا کر دیا تھا۔ اور جب سائمن آخری موڑ مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو پادری نے وہیں راستے کے بیچ میں گھٹنوں پر گر کے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔

"پروردگار! اس کی حفاظت کرنا" اس نے کہا "اور اسے صحیح سلامت واپس لانا اور اگر وہ قصر میں مرنے ہی گیا ہے تو اے خدا اس کی موت آسان کرنا۔

چوبیسواں باب

اس دفعہ سائمن قصرِ ڈراکیولا کے صحن میں داخل ہوا تو محتاط تھا۔ وہ دیواروں

کے سائے میں اور حتی الامکان خاموشی سے چل رہا تھا۔ چمگادڑ اب وہاں نہ تھی۔ دیر ہو گئی کہ وہ اس کی آمد کی اطلاع اپنے آقا کو دینے چلی گئی تھی۔ سائمن محتاط تھا اور جہاں تک وہ دیکھ اور معلوم کر سکتا تھا وہاں تک تو وہ مطمئن تھا کہ نہ تو اس پر کوئی نظر رکھے ہوئے تھا اور نہ ہی کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ دفعتہً اسے یاد آیا کہ وہ نہتا تھا ہتھیار کے نام ایک چھڑی تک اس کے پاس نہ تھی۔ اسے گاؤں سے پستول، بندوق یا کم سے کم چاقو تو لے لینا چاہیے تھا۔

اس نے کسی ہتھیار کی یا ایسی چیز کی تلاش میں، جس سے وہ اپنا بچاؤ کر سکے، ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ لیکن وہاں کچھ نہ تھا سوائے پتھروں کے جو صحن میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ پتھر بھی وقت پڑنے پر کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔

اس نے ایک پتھر اٹھا کر ہاتھ میں تولا۔ یہ پتھر کرکٹ کی گیند جتنا اور تقریباً اتنا ہی وزنی تھا (اپنے بچپن میں سائمن ایک دفعہ لندن گیا تھا اور وہاں اس نے کرکٹ میچ دیکھا تھا)۔ اس نے یہ پتھر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ اتنا سا سہارا ابھی کافی تھا۔ چنانچہ اب وہ بے دھڑک اس دروازے کی طرف بڑھا جو قصر کی دیوار میں تھا۔ اس نے دروازے پر ایک زور کی لات ماری۔

"کلیو!" وہ چیخا۔ "دروازہ کھولو۔ یہ میں ہوں اور اب تم میری مدد کر سکتے ہو"

اب اس کی آمد کو چھپانا ضروری نہ تھا چنانچہ اب مناسب یہی تھا کہ وہ کلیو کو اپنے ساتھ ملا کر ڈراکیولا سے کھلم کھلا مقابلہ کرے۔

ایک بار پھر اس نے دروازے پر لات ماری۔

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا اور پھر اس نے دروازے کے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بڑی کوشش سے اپنے آپ کو فرش پر گھسیٹ رہا ہو۔ یہ کلیو تھا۔ ایک ہی منٹ بعد وہ دروازے کے پیچھے سے اسے پکار کر کہہ رہا تھا:۔

"چلے جاؤ" اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی" اب بھی وقت ہے۔ چلے جاؤ"

"مجھے اندر نہیں آنے دو گے کلیو؟"

"نہیں۔ کبھی نہیں"

سائمن کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ کلیو کو رضامند کرنے کی صرف ایک ہی ترکیب تھی اور وہ اُسے آزماتے ذرا بھی نہ جھجکا۔

"کلیو۔ ہمیں اندر آنے دو۔ سارہ میرے ساتھ ہے"

"وہ۔ تمھارے ساتھ۔ تم اسے اپنے ساتھ لائے ہو"

"ہاں"

"کیوں؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا" دروازہ کھولو کلیو"

بند دروازے کے دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

"سارہ کے لئے دروازہ نہ کھولو گے کلیو؟"

اس کے بعد جو خاموشی کا وقفہ رہا اس میں سائمن دروازے کے دوسری طرف کھڑے ہوئے کلیو کے دماغ کو کام کرتے قریباً سن رہا تھا۔ کیا وہ اس جوڑے کو اندر آنے دے؟ کیا اس شام ڈراکیولا کے غصے کا مقابلہ وہ دونوں کر سکیں گے؟۔ اگر وہ دونوں گھر سے باہر رہے تو زیادہ محفوظ رہیں گے؟

سارہ کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش آخر کار اس کی ساری احتیاط اور سارے خیالات پر غالب آگئی۔ اس نے کھٹکا کھولا، آڑ اٹھائی اور دروازہ کھول کر مشکوک نظروں سے باہر دیکھا

"کہاں ہے وہ؟" اس نے پوچھا۔

"وہاں" سائمن نے اپنے پیچھے اشارہ کیا۔

کلیو نے پھاٹک کی طرف دیکھا۔ عین اس وقت سائمن نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اس

کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے ڈھکیل دیا۔ کلیو لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فوراً ہی سائمن دروازے میں سے گزر کر گزرگاہ میں آگیا اور اس سے پہلے کہ کلیو بھاگ سکتا اس کی گردن سائمن کی گرفت میں تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے کلیو کا بازو پکڑ کر مروڑا تو وہ تڑپ گیا۔

"نہیں" وہ گڑگڑایا "نہیں"

"میں تمھیں تکلیف دینا نہیں چاہتا کلیو" سائمن نے کہا اور اسے چھوڑ دیا" مجھے تو تمھاری مدد کی ضرورت ہے"

"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"یہ بتاؤ کہ میرا بھائی کہاں ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں کہ وہ یہاں سے بھاگ گیا"

سائمن نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ لاکٹ نکال لیا جو دراصل اس بونے کی زبان کھلوانے کی کنجی تھی۔ کلیو سارہ کی تصویر کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ایک دم سے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ — یہ مجھے دو —" وہ بولا۔

"نہیں" سائمن نے سر ہلایا

"یہ مجھے دے دو اور تم جو کہو گے میں کروں گا"

"ہاں۔ اب آئے راہ پر" سائمن مسکرا کر دل میں بولا

پھر وہ لاکٹ کو کلیو کے آنکھوں کے قریب لے گیا اور پھر وہ فوراً ہی اس نے لاکٹ کو مٹھی میں بند کر لیا۔

"لاؤ — لاؤ —" کلیو بے تابی سے چیخا۔

"بعد میں" سائمن نے کہا" پہلے یہ بتاؤ کہ میرا بھائی کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا واقعہ ہوا"

کیلو اپنا سر کھجانے لگا۔

"جلدی بتاؤ ورنہ سارہ کی تصویر تمھیں کبھی نہ ملے گی"

"تمھارا بھائی — بشرطیکہ وہ تمھارا بھائی ہی ہو — یہاں آیا تھا"

"پھر؟"

"میں نے اُسے آخری دفعہ دیکھا تو وہ زندہ تھا"

"اور تم نے اُسے آخری دفعہ کب دیکھا تھا؟"

"جب وہ کھڑکی سے نیچے اتر گیا تھا ......"

"کہاں؟"

"جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ بستر کی چادروں اور پردوں کی گرہیں لگا کر جوڑا گیا تھا اور یہ رسّہ کھڑکی سے باہر نیچے لٹک رہا تھا"

"اور پاؤل وہاں نہ تھا؟"

"نہیں۔ وہ اس رسّے سے لٹک کر نیچے اتر گیا تھا"

"نیچے کہاں؟"

"وہ اس کمرے میں چلا گیا تھا جہاں میرا آقا سوتا ہے۔ بس اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ لاؤ۔ اب وہ تصویر مجھے دے دو"

سائمن نے اپنا وہ ہاتھ، جس کی مٹھی میں لاکٹ تھا، اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا۔

"نہیں" وہ بولا "جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ گے کہ تمھارا آقا کہاں سوتا ہے تب تک یہ تصویر میں تمھیں نہ دوں گا"

"میں تمھیں اس کمرے کا صرف دروازہ بتا سکتا ہوں۔ کمرہ اندر سے بند رہتا ہے اور اسے سوائے کونٹ کے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔

سائمن چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔

۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مجھے اس خوابگاہ میں لے جاؤ جہاں سے پاؤل اتر کر ڈراکیولا کے کمرے میں گیا تھا۔

۔ جیسی تمہاری مرضی لیکن یہ سوچ لو کہ تمہارا ابھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے بھائی کا ہوا ہے۔"

اپنے آپ بڑبڑاتا اور سر ہلاتا ہوا کلیو سائمن کو قصر کی اندھیری اور خاموش گزرگاہوں میں لے چلا اور قصر کے مغربی بازو میں آگیا۔ جب وہ دونوں اس کمرے میں، جہاں سے پاؤل نیچے اترا تھا، داخل ہوئے تو دور سے طوفان کی گرج سنائی دی۔ طوفان بہت دور تھا لیکن اسی طرف بڑھ رہا تھا۔

کلیو نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔

یہاں سے وہ نیچے اترا تھا۔ تم خود دیکھ لو۔"

سائمن آگے بڑھا اور کھڑکی میں سے جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ گہرائی ایسی تھی کہ اسے چکر آگئے۔ عین اس وقت اس نے کلیو کے پیروں کی چاپ سنی جو اس کی طرف گھوم گیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" وہ بولا۔

کلیو خاموش رہا۔

"یہ ناممکن ہے" اس نے پھر کہا "پاؤل اتنے نیچے تک لٹک کر نہیں اتر سکتا۔ کوئی بھی نہیں اتر سکتا۔ کہاں گیا وہ؟"

"کونٹ زن کے وقت اس کمرے میں سوتا ہے جو اس کمرے کے عین نیچے ہے"

"اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ؟"

"صرف ایک راستہ ہے"

"کھڑکی کے ذریعہ؟"

کلیو نے سر ہلا دیا۔

"جب وہ سوتا ہے تو اسی کمرے میں رہتا ہے کیونکہ وہیں وہ محفوظ رہتا ہے دن کے وقت" اس نے کہا

کلیو کو مضبوطی سے پکڑ کر سائمن ایک بار پھر کھڑکی میں سے جھک گیا۔ وہ اپنا اوپر کا جسم باہر لٹکا چکا تھا جب اسے نیچے ایک کھڑکی دکھائی دی۔ اس کھڑکی اور اوپر کی کھڑکی کے درمیان چکرا دینے والا فاصلہ تھا اور یہ فاصلہ طے کرنے کا صرف ایک ذریعہ تھا۔

وہ کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر کمرے میں آ گیا۔

"رسّہ" وہ بولا "ایک رسّہ لا دو کلیو"

کلیو نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو

"تم وہاں نہیں جا سکتے" اس نے کہا "نہیں ــــ وہاں نہیں جہاں میرا آقا سو رہا ہے ــــ اگر تم وہاں پہنچ بھی گئے تو پھر زندہ باہر نہ آ سکو گے"

"لیکن ہاؤل وہاں گیا تھا اور یقیناً وہاں سے زندہ نکل بھی گیا ہو گا"

"شاید نکل گیا ہو گا۔ شاید نہ نکلا ہو گا"

سائمن کا چہرہ غصّے سے بگڑ گیا۔ اس نے اپنا گھونسہ کلیو کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیا۔

"کلیو" وہ دانت پیس کر بولا۔ "تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے یا کوئی بات چھپا رہے ہو؟"

کلیو کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔

"بتاؤ جلدی کرو ورنہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا" سائمن نے اپنا گھونسہ ہلایا۔

"کمرہ اندر سے بند ہے" اس نے کہا۔

"یہ تم بتا چکے ہو۔ آگے کہو۔"

"اس میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں اندر کی طرف۔ آہنی، مضبوط سلاخیں"

"اور؟"

"اور ایک بہت مضبوط تالا پڑا ہوا ہے"

"کنجی کہاں ہے ؟"

" یہ صرف میرا آقا جانتا ہے ۔ اب اگر تمھارے بھائی کو وہ کنجی مل گئی تھی تو بیشک وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہوگا "

" اور اگر اسے کنجی نہ ملی ہوگی تب ؟ "

کلبو نے اپنے شانے اچکائے

" تو پھر کیا ہوا ہوگا اس کے متعلق نہ سوچنا ہی بہتر ہے " اس نے کہا

" تم رسّے لے آؤ ۔ سائمن نے بگڑ کر کہا " اور سوچنے وغیرہ کا کام تم میرے لئے ہی چھوڑ دو "

کلبو تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا ۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو دیکھا کہ سائمن اپنا کوٹ اور جاکٹ اتار چکا تھا ۔ وہ تیار کھڑا تھا اور اس کے بشرے سے پختہ عزم کر دینے والا عزم عیاں تھا ۔

کلبو بہت سے چھوٹے چھوٹے رسّے لایا تھا اور اب وہ ان رسوں کو گرہیں لگاکر آپس میں جوڑنے میں سائمن کا ہاتھ بٹا رہا تھا ۔ جب لمبا رسّہ تیار ہوگیا تو اس کا ایک سرا وزنی پلنگ کے پائے سے باندھ کر دوسرا سرا کھڑکی سے باہر لٹکا دیا گیا ۔ رسّہ کھینچکر دیکھنے اور اس کی مضبوطی سے مطمئن ہونے کے بعد سائمن نیچے اترنے کے لئے تیار ہوگیا ۔

پہلے اس نے یہ اطمینان کیا کہ صحن سے اٹھایا ہوا پتھر اب بھی اس کی پتلون کی جیب میں تھا ۔ پھر وہ منہ دھونے کے پیالے کے قریب پہنچا ۔ پیالا ایک تپائی پر رکھا ہوا تھا ۔ سائمن نے تپائی کی دو ٹانگیں ایک ایک جھٹکے میں توڑ لیں اور رسّے کے بچے ہوئے ٹکڑے سے ان دونوں ٹانگوں کو جوڑ کر صلیب بنانے لگا ۔ کلبو حیرت سے اسکی کارروائی دیکھتا رہا ۔ صلیب بن گئی تو یہ اس نے اپنے پٹکے میں اڑس لی اور پھر یاد کرنے لگا کہ وہ کچھ بھول تو نہیں رہا ۔

" یہ — یہ — صلیب ؟ کلبو نے پوچھا " یہ کس لئے ہے ؟ "

سائمن نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ بھی مجھے ہی بتانا پڑے گا کلیو؟ تم جانتے نہیں؟"

"لیکن — آقا — کا حکم ہے کہ صلیب قصر میں نہ لائی جائے"

سائمن نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیوں کہ تم جانو ویمپائروں کو ایسی چیزیں پسند نہیں آتیں"

"ویمپائر!" کلیو چونکا "تو تم جانتے ہو یہ بات؟"

"میں ہر وہ بات جانتا ہوں جو اس علاقے کے لوگ جانتے ہیں"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ تمھارا آقا عفریت ہے، زندہ مردہ ہے اور انسانیت سوز ہے، اور اس کا خاتمہ کر دینا ضروری ہے کیونکہ اس کا وجود نہ صرف دوسروں کے لئے بلکہ خود اس کے لئے بھی ایک لعنت ہے۔ چنانچہ اس کا خاتمہ نہ صرف دوسروں کے لئے بلکہ خود اس کے لئے بھی بہتر ثابت ہوگا۔

"لیکن — لیکن — تم اس کا خاتمہ کر دو گے؟" گلیو گڑگڑایا۔

"ہاں۔ اگر کر سکا۔ لیکن اس کی تمہیں کیا پڑی؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تمھیں بھی ڈراکیولا سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی کہ ہم سب کو"

"نفرت تو ہے — لیکن — لیکن — اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ کیا ہوگا میرا اس کے بغیر؟"

"اس کے بعد تم آزاد ہو گے اور اس کے بغیر تم ایک آزاد آدمی کی زندگی بسر کرو گے بشرطیکہ تم کبھی آزاد رہے ہو اور آزادی کے نام اور اس کی لذتوں سے واقف ہو"

کلیو کی آنکھوں میں بادل سے منڈلانے لگے۔ اسے وہ زمانہ یاد آگیا تھا بہت

پہلے کا خوشگوار زمانہ جب وہ کونٹ ڈراکیولا کے اختیار میں نہ تھا۔

"ہاں۔ کبھی میں آزاد تھا" وہ بولا "بہت برسوں پہلے ــــ وہاں کلینس برگ میں ــــ جب میں ایک دکان میں کام کرتا تھا اور جوان تھا"

"دکان میں؟"

"ہاں۔ میں بیوپاری تھا ــــ لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے جب کونٹ نے مجھے خریدا نہ تھا"

"تمہارا مطلب ہے ڈراکیولا نے تمہیں روپے دے کر باقاعدہ خرید لیا تھا؟"

"ہاں اس زمانے میں ایسا کرنا ممکن تھا۔ اس نے مجھے خرید لیا اور غلام بنا کر لے آیا۔ لیکن اس زمانے کی بہت سی خوشگوار یادیں میرے دماغ میں اب تک محفوظ ہیں"

"اور ان یادوں میں ایک سارہ بھی ہے؟" سائمن نے ملائمت سے پوچھا۔

کلیو مسکرایا۔

"ہاں۔ اس وقت وہ چھوٹی سی تھی اور میں اسے روزانہ دیکھا کرتا تھا۔ جس دکان میں میں کام کرتا تھا اس کے سامنے سے وہ اسکول جاتے ہوئے روزانہ گزرا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے اس سے بات کی تھی اور اسے مٹھائی بھی دی تھی۔ اس نے وہ مٹھائی کھائی ہوتی ــــ"

"کیوں نہ کھائی اس نے مٹھائی؟ کیا ہوا" سائمن ایک عجیب طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"اس کی اتا نے مٹھائی اس کے ہاتھ سے گھسیٹ لی اور لڑکی کو ڈانٹنے لگی اور کہا کہ اسے اجنبیوں کی دی ہوئی مٹھائی یا کوئی بھی چیز کبھی نہ لینی اور کھانی چاہئے خصوصاً ایسے اجنبیوں سے جو میری طرح بدصورت اور بد ہیئت ہوں"

"اس کے بعد بھی تم نے اسے کبھی دیکھا؟"

"کبھی کبھی ۔ میں اپنے آقا ڈراکیولا کے ساتھ کبھی کبھار کلینس برگ آجاتا تھا ایک دفعہ وہ لباسوں کی ایک دکان میں سے نکل رہی تھی تو میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی ۔ دوسری دفعہ وہ مجھے ایک کیفے میں بیٹھی اور چائے پیتی نظر آئی تھی "۔

"اور تب سے لے کر اب تک تم اس کے متعلق سوچتے رہے "۔

"ہر روز اور ہر پل"

سائمن کو احساس ہوا کہ ڈراکیولا کا یہ بونا غلام بھی اپنے طور پر سارہ کو اتنا ہی چاہتا ہے جتنا کہ وہ خود اور پاول اسے چاہتے تھے ۔ کبڑے کی کہانی سننے میں وہ اتنا مصروف تھا کہ وہ یہ بھول ہی گیا تھا کہ اس بھیانک قصر میں کیوں آیا تھا ۔ اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ اس کا بھائی اب بھی زندہ تھا یا نہیں وہ گھوم کر کھڑکی کی طرف چلا تو کلیو اس کے پیچھے لپکا ۔

"کیوں ؟" سائمن نے ڈپٹ کر پوچھا ۔

" وہ لاکٹ " کلیو نے کہا" اب تو وہ مجھے دے دو"

کچھ کہے بغیر سائمن نے لاکٹ کلیو کو دے دیا ۔ کلیو اسے اپنے ہاتھوں سے یوں سہلانے لگا جیسے وہ زخمی پرندہ ہو ۔ وہ سائمن اور اس کی معروفیت کو یکسر بھول گیا ۔ اب اسے کسی سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ وہ منہ سے عجیب آواز نکالتا کمرے سے چلا گیا اس کی یہ آواز دیر تک خالی کمرے اور اندھیرے گزرگاہ میں گونجتی رہی ۔

سائمن منتظر رہا یہاں تک کہ کلیو کے قدموں کی چاپ مدھم ہو کر ڈوب گئی ۔ مزید احتیاط کے لئے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے اور چابی گھما کر اندر سے مقفل کر دیا ۔

وہ اپنے معدے کی تہہ میں خوف کا سرد گولا سا محسوس کر رہا تھا ۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک لمبا سانس لیا اور ایک پیر اٹھا کر کھڑکی کی دہلیز پر رکھ دیا ۔ اس حالت میں ایک ثانئے کے لئے رک کر اس نے دیکھا کہ پادری کی دی ہوئی صلیب اب بھی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی ۔ پھر وہ کھڑکی پر چڑھ گیا اور دل مضبوط کر کے رستہ

پکڑ کر آہستہ سے نیچے لٹک گیا۔

ایک بار پھر دور سے گرج کی آواز سنائی دی اور ایک بجلی نے خاموشی سے آسمان کو یہاں سے وہاں تک چیر دیا۔

پچیسواں باب

ابتدائی چند لمحوں تک، جو سائمن کو لامتناہی معلوم ہوئے، وہ کھڑکی سے لٹکتا رہا۔ خوف سے اس کے اعضا مفلوج سے ہو گئے تھے۔ وہ جنبش تک نہ کر سکتا تھا اور اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے نیچے، گہرائی کی طرف دیکھا تو اسے چکر آ جائیں گے اور وہ شاید نیچے گرنے سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے گا۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نیچے بار بار دیکھنے سے روک نہ سکا۔ اس کی لٹکتی ہوئی ٹانگوں سے سینکڑوں فٹ نیچے ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی سڑکوں، پگڈنڈیوں، کھیتوں اور ان کی مینڈوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔

خوفناک گہرائی کا یہ لرزہ دینے والا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تیزی سے گھومنے لگا اور گھومتا چلا گیا یہاں تک کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ حقیقت میں نیچے گر رہا تھا اور یہ کہ وادی ایک دم سے اوپر اٹھ کر اس کی طرف آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک جناتی ہاتھ مکھی اڑانے کے لئے اوپر اٹھ رہا ہو

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یہ چکرا دینے والا منظر ایک دم سے غائب ہو گیا۔ حالانکہ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا لیکن اس کے ہونٹ حیرت انگیز حد تک ہاتھ خشک تھے۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک کانپتے ہاتھ پر دوسرا کانپتا رکھ کر نیچے سرکا۔ اس کھڑکی کی طرف جو نظر نہ آ رہی تھی۔

سائمن وقت کا احساس کھو چکا تھا وہ جانتا ہی نہ تھا کہ وہ کب سے یوں لٹک کر نیچے اتر رہا تھا۔ شاید پانچ منٹ سے یا شاید ایک گھنٹے سے۔ اسے یاد آیا کہ وہ کس طرح بچپن میں پاؤل کے ساتھ درختوں اور بلندیوں پر چڑھا کرتا تھا۔ پاؤل کو بلندی کا خوف نہ تھا اس کے برخلاف خود سائمن کا سر گھومنے لگتا تھا۔ اس کی جگہ اگر پاؤل ہوتا اس وقت تو یہ اتار اس کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ اتنی دیر میں تو وہ تین چار دفعہ نچلی کھڑکی تک اتر کر وہاں سے پھر اوپر آ چکا ہوتا اور یہ اس نے بڑی بے پروائی سے، بڑی دلچسپی سے اور خوشی کے قہقہے لگا کر کیا ہوتا۔

سائمن نے اپنے دانت بھینچ لئے اور بڑی کوششوں کے بعد مزید ایک آدھ فٹ نیچے سرک آیا۔

اور اب وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پسینے سے ایسے چکنے ہو رہے تھے کہ رسے پر سے پھسل پھسل جاتے تھے۔ اس نے پہلے ایک ہاتھ اور پھر دوسرا ہاتھ رسے پر سے اٹھا کر جلدی سے اپنی پتلون پر رگڑ کر پسینہ پونچھ لیا۔ اس طرح ہاتھوں سے رسے کے پھسل جانے کا خطرہ تو کم ہو گیا لیکن اب بھی یہ خطرہ تو موجود تھا کہ ذرا سی غلطی، ذرا سی گھبراہٹ اسے سینکڑوں فٹ نیچے وادی میں گرا دے سکتی تھی۔

اس خیال سے وہ کانپ گیا اور دفعتہً اس نے رسے کو نیچے کھسکتے محسوس کیا۔ وہ خود نہ کھسکا تھا لیکن رسہ ایک ہی وقت میں اور ایک جھٹکے کے ساتھ چھ انچ نیچے اتر آیا تھا۔ سائمن رسے کے ساتھ چھ انچ نیچے آیا اور پھر رسے کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ سزائے موت پانے والے مجرم کے گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد جلاد اسکے پیروں تلے سے تختہ کھینچ لیتا ہے تو پھانسی پانے والا ایک دم سے نیچے گر کر ایک جھٹکے کے ساتھ ٹھہر گیا تو اس نے سمجھ لیا کہ اس کے بوجھ کی وجہ سے وہ پلنگ تھوڑی دور طرف اور کمرے کے فرش پر پھسل رہا تھا جس کے ایک

پائے سے اس نے رسے کا ایک سرا باندھا تھا۔

بہرحال اس دفعہ جھٹکا ایسا تھا کہ اس کے ہاتھ سے رسّہ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ بلندیوں پر لٹکتا اور پنڈولم کی طرح ہلتا رہا۔ اس کے پیٹ میں سرد گولے لڑھک رہے تھے اور اس کا سانس سیٹی بجا رہا تھا۔

"خدایا" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "خدایا!"

اور چند لمحوں کے لئے اس پر غشی سی طاری ہو گئی۔ اور اسے کچھ ہوش نہ رہا کہ اس کے آس پاس کیا ہو رہا تھا۔

اور اگر اسے ہوش ہوتا تب بھی وہ کلیو کو نہ دیکھ سکتا جو واپس خوابگاہ کی طرف آ رہا تھا۔ اپنے حجرے میں پہونچ کر اور لاکٹ کو ایک محفوظ جگہ رکھنے کے بعد اس نے خوابگاہ کی زائد کنجی نکالی اور بند دروازے تک آ گیا۔ اندر کی طرف سے کنجی اب بھی قفل میں ہی تھی کلیو نے تار کا ایک ٹکڑا باہر کی طرف سے قفل کے سوراخ میں ڈالا اور کنجی کو دھکیلنے لگا یہاں تک کہ کنجی قفل میں سے فرش پر گری۔ کلیو مسکرایا اپنی لائی ہوئی کنجی سے قفل کھولا اور دبے پاؤں کھڑکی تک پہنچ گیا۔

عین اس وقت سائمن کو ہوش آ گیا۔ اس نے نیچے کھسکنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اس کی مٹھی رسّے پر یوں مضبوطی سے بند ہو گئی تھی کہ اس کی انگلیاں کھلتی نہ تھیں۔

"حاضر دماغی اور ہمت" اس نے اپنے آپ سے کہا" حاضر دماغی اور ہمت سے کام لو اور مشکل آسان ہو گی"

اور پھر اس نے اپنے ہاتھوں کو مخاطب کیا:۔

"یہ کیا دھوکا دے رہے ہو عین وقت پر ۹ ساتھ دو۔ شاباش"

عین اس وقت اس کی نظر اوپر اٹھ گئی۔ کلیو کھڑکی میں سے جھکا ہوا تھا اور اندھیرے ہوتے ہوئے آسمان کے پس منظر میں اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو نظر آ رہا تھا۔

"نہیں" سائمن خوف سے چیخا "نہیں"

لیکن اس کی چیخ کا کبڑے پر کوئی اثر نہ ہوا اور اگر ہوا تو یہ کہ کبڑے نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ اور چاقو سے رسّہ کاٹنے لگا۔ ایک لمحہ تک تو رسہ چاقو کی تیزی برداشت کرتا رہا لیکن پھر اس کے ریشے کٹنے اور ٹوٹنے لگے۔

اور پھر رسّہ کٹ گیا۔

سائمن نیچے گرا تو اس کے منہ سے ایک فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ چلا رہا تھا اور اس کی انگلیاں دیوار میں کوئی سہارا، کوئی پکڑنے کی جگہ تلاش کر رہی تھیں۔ لیکن وہاں کوئی سہارا، کوئی پکڑ نہ تھی۔ وہ نیچے گر رہا تھا اور یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے ٹخنوں سے وزنی پتھر لٹکا دئیے گئے ہوں۔

اور تب ایک معجزہ ہوا۔

اتفاقاً — اور ایسا اتفاق لاکھوں میں ایک دفعہ ہوتا ہے — وہ زنجیر، جو اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی اور جس کے سرے سے صلیب لٹک رہی تھی، اس آہنی انکڑے میں آگئی جو نچلی کھڑکی کے قریب دیوار میں لگا ہوا تھا۔

سائمن ٹوٹی ہوئی کٹھ پتلی کی طرح لٹک رہا اور کسی چیز کو پکڑنے کے لئے بے تحاشہ ہاتھ چلا رہا تھا۔

پتھروں کی پرانی دیوار میں اس کے ہاتھوں نے کہیں ایک پکڑ تلاش کر لی اور ہاتھ اس پر جم گئے سائمن نے لاتیں چلائیں، اپنا جسم ہاتھوں کے سہارے اوپر اٹھایا۔ اور کھڑکی کی دہلیز پر آگیا۔ عین اس وقت زنجیر ٹوٹ کر اس نیلے اور بھورے کھڈ میں گری جو زمین تھی اور یہ سب کچھ ایک سکنڈ سے بھی کم وقت میں ہو گیا۔ اس نقصان پر افسوس کرنے کی فرصت اسے نہ تھی۔ وہ اپنے بدن کی پوری قوت صرف کر کے اندر کی طرف جھکا اور کمرے کے نیم فرش پر جا پڑا۔

خود وہ نہ جانتا تھا کہ وہ کب تک فرش پڑا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتا اور ٹٹولتا ہوا کمرے کے اندھیرے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ دفعتہ ایک احساس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی ناقابل برداشت لہر دوڑا دی اور اس کے ہر بن مو سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ اس طرف دیکھتے بھی ڈرتا تھا اس نے دل پر جبر کر کے اس طرف دیکھا اس کا ہاتھ ایک قبر کے کنارے کو چھو رہا تھا اور اس پر ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ تابوت کا ڈھکن نصف کے قریب کھلا ہوا تھا۔ سائمن نے ڈرتے ڈرتے تابوت کو دیکھا تو سرد پڑ گیا۔

تابوت میں نیم زندہ، نیم مردہ کاؤنٹ ڈراکیولا لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا جیسے اس کا ایک ایک سانس گنا ہوا ہو اور وہ سانسوں کی مقررہ مقدار سے ایک بھی سانس زیادہ نہ لے سکتا ہو۔

سائمن بُت بنا تابوت میں لیٹے ہوئے دیمپائر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اسے یاد آیا کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا اور اسے کیا کرنا تھا۔ وہ سنبھلا اور قدرے بلند آواز میں دعا پڑھنے لگا لیکن بادل کی گرج میں اس کی آواز ڈوب کر رہ گئی۔ اس دفعہ طوفان قریب ہی گر جا تھا۔ گرج نے لمحہ بھر کے لئے سائمن کو گڑبڑا کر اس کا دھیان بٹا دیا۔

ایک بار پھر سائمن نے اپنے حواس بجا کرے، اپنے تھیلے میں اڑسا ہوا چوبی کھونٹا نکالا اور اس کی نوک ڈراکیولا کے سینے پر رکھ دی۔ ٹھیک اس جگہ جہاں اس زندہ مردے کا دل ہونا چاہئے۔ اپنا دوسرا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال کر اس نے وہ پتھر نکال لیا جو اس نے قصر کے صحن میں سے اٹھایا تھا۔ اس نے اپنا پتھر والا ہاتھ بلند کیا، وہ اپنے سر تک لے گیا جیسے یہ پتھر وہ ہتھوڑا ہو جس سے وہ کھونٹے کے سر پر ضرب لگاتا اور ایک ہی ضرب میں کھونٹے کو ڈراکیولا کے دل کے آر پار کر دیتا

چاہتا ہو۔

بادل پھر گرجا اور اتنے قریب سے کہ سائمن کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کے دماغ میں گرج رہا ہو۔ طوفانی بادلوں نے رہی سہی روشنی بھی بجھا دی اور کمرے کی تاریکی گاڑھی ہو گئی۔ سائمن نے آخری دفعہ اپنے اور بنی نوع انسان کی طرف دیکھا تو خوف سے اس کا جسم اکڑ گیا۔

حالانکہ ڈراکیولا کی آنکھیں بند تھیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے سُرخ، ناپاک بلکہ دوزخی روشنی نکل رہی تھی۔ سائمن کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں دو سوراخوں میں تبدیل ہو گئیں اور ان سوراخوں میں جلتا ہوا خون بھرا ہوا تھا۔

دفعتہً سائمن نے محسوس کیا کہ کوئی چیز۔۔۔ کوئی انجانی قوت اس کی قوت ارادی کو اپنے قبضے میں کر کے اسے اپنا غلام بنا چکی تھی اور اس سے کہہ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسے اپنا ہاتھ جھکانا تھا۔ اسے پتھر فرش پر پھینک دینا تھا۔ اسے پیچھے ہٹ کر تابوت سے دور ہونا تھا۔۔۔ اور پھر فرش پر چت اور بے بس لیٹ جانا تھا۔

اس نے پہلے حکم کی تعمیل کی اور ہاتھ جھکا دیا اس نے دوسرے حکم کی تعمیل کی اور اس کی انگلیوں نے پتھر چھوڑ دیا اور وہ آخری دو احکام کی تعمیل کرنے ہی والا تھا کہ اس کے منہ سے ایک آہ نکلی اور وہ بیہوش ہو کر گرا۔

اور یہ بجلی تھی جو اسے بعد میں، بہت بعد میں ہوش میں لے آئی۔

بجلی پر بجلی چمک رہی تھی اور کڑک پر کڑک ہو رہی تھی۔ کمرے میں بجلی کوند رہی تھی اور کمرے ہی میں کڑک ہو رہی تھی۔

سائمن جہاں تھا وہیں اور جس حالت میں تھا اسی حالت میں چند سکنڈ تک پڑا رہا۔ اس کے اعصاب کھنچ گئے تھے اور وہ انگلی تک ہلاتے ڈرتا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے

قدموں سے تابوت تک پہنچا اور جھک کر اندر دیکھا۔ اور اس نے جو کچھ دیکھا اس نے اس کا خوف دوچند کر دیا۔

تابوت خالی تھا۔

اس وقت سائمن کے منہ سے جو چیخ نکلی وہ ایسی تھی کہ اس سے وہ خود بھی سہم گیا۔ وہ یوں پیچھے ہٹا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ زمین پر پڑی ہوئی کسی چیز سے اس نے ٹھوکر کھائی اور الٹ کر گرا۔ اور اب اس نے دیکھا کہ وہ کمرے کی دیوار میں بنے ہوئے تابوت رکھنے کے لمبے طاق میں گرا تھا۔

کمرے کے اندھیرے میں بجلی کی لکیریں ناچ گئیں تو سائمن کو کچھ شک سا ہوا کہ اس کے قریب ہی کوئی کھڑا ہوا تھا۔ شاید ڈراکیولا — اس نے غور سے دیکھا۔ نہیں یہ ڈراکیولا نہ تھا بلکہ یہ تو کسی کی لاش تھی۔ خون نچڑی ہوئی زرد لاش۔ اور یہ لاش طاق میں لگے ہوئے ایک بڑے سے آہنی ہک سے لٹک رہی تھی۔

یہ لاش اس کے بھائی پاؤل کی تھی۔

پاؤل کی بگڑی ہوئی اور بھیانک اور بے جان شبیہ جس کی ایک ایک رگ میں سے خون کھینچ لیا گیا ہو۔ خدا جانے کتنے گھنٹوں تک، کتنے دنوں تک ڈراکیولا اس کے بھائی کا خون پیتا رہا تھا۔ ایک زبردست متلی نے پاؤل کی آنتیں الٹ دیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر قے کر دی۔

"پاؤل۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، "پاؤل"

وہ غم سے ہچکیاں لے رہا اور کانپ رہا تھا کہ ایک دوسری آواز کمرے میں گونج گئی۔

"تو — اپنے بھائی سے تمہارا ملاپ ہو گیا آخر کار۔"

سائمن نے چونک کر سامنے دیکھا۔ تابوت کے قریب ڈراکیولا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی یاقوت کی طرح سرخ تھیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھاری ملاقات اپنے بھائی سے اس وقت ہوئی ہے جب وہ مردہ اور گھناؤنا بن گیا ہے" ڈراکیولا نے کہا۔ "اس قدر گھناؤنا کہ بھائی کو دیکھ کر بھائی نے قے کر دی۔"

"کیوں؟" سائمن چیخا "کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ احمق تھا بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت خود تم نے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ وہ باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا جن سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ شوق تجسس بری بلا ہے۔ ہے کہ نہیں"

"لیکن — لیکن — تم بھی نہ بچ سکو گے" سائمن نے اپنے حواس بجا کر کے کہا "بہت سے لوگ تمھارے متعلق جانتے ہیں۔ بہت سے لوگ تمھارا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔"

سائمن کی اس بات سے ڈراکیولا اس قدر محظوظ ہوا کہ وہ تقریباً ہنس پڑا۔

"ناممکن" وہ بولا

"ناممکن؟"

"ہاں۔ ناممکن — میرا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ناممکن ہے اور یہ بات اب تو تمھیں بھی معلوم ہو چکی ہے"

"میں کمزور ہوں اس لئے ہار گیا۔ لیکن دوسرے میری طرح نہ ہوں گے۔ وہ نہ ہارینگے"

"یہ طفل تسلی ہے۔ وہ سب کے سب کمزور ہیں کیونکہ وہ بھی انسان ہیں۔ تمھاری طرح"

"میرے دوست یہاں آئیں گے۔ وہ تمھارا خاتمہ کر دیں گے"

"او — ہو — تو یہاں تم اکیلے آئے ہو؟ کوئی نہیں ہے تمھارے ساتھ مثلاً وہ لڑکی جو پچھلی دفعہ تمھارے ساتھ تھی؟"

"نہیں"

"کہاں ہے وہ؟"

"وہ میرے ایک دوست کے پاس ہے۔ ایک ایسے دوست کے پاس جس کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

ڈراکیولا کے ہونٹ بھنچ گئے۔

"تو تم سمجھتے ہو کہ وہ پست قامت پادری اس کی حفاظت کر سکے گا؟" وہ بولا۔

"ہاں۔ اس کا مجھے یقین ہے"

"اچھا تو کہاں ہیں وہ؟ سرائے میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ اور پتا بھی کھڑکتا ہے تو اچھل پڑتا ہے۔ کیوں؟"

"شاید"

"نہیں۔ وہ سرائے میں نہیں ہیں"

سائمن نے حیرت و خوف سے ڈراکیولا کی طرف دیکھا۔

"نہیں" ڈراکیولا نے پھر کہا "وہ گرجا میں ہیں۔ یقیناً وہیں ہیں۔ وہی ایک جگہ ایسی ہے جہاں وہ پناہ لے سکتے ہیں"

سائمن نے اپنے حریف کو دھوکا دینے کے لئے اپنی کانپتی ہوئی آواز کو قابو میں کر کے کہا "بہر حال وہ جہاں بھی ہیں تمہاری دسترس سے باہر ہے۔"

"اچھا!" ڈراکیولا نے کہا "دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں تک میری دسترس سے باہر ہے۔ اجازت ہے؟"

اور وہ سائمن کے سامنے جھک گیا اور پھر بلی کی سی تیزی سے کمرہ عبور کر کے کھڑکی کے قریب پہونچا۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ کھڑکی کی دہلیز پر تھا اس نے گھوم کر ایک دفعہ سائمن کی طرف دیکھا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ باہر کود گیا۔

سائمن بت بنا کھڑا رہا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ فوق الفطرت قوتوں کا مالک کونٹ ڈراکیولا کھڑکی میں سے سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں کود کر اپنا خاتمہ کر لے گا۔

وہ سنبھل کر کھڑکی کی طرف لپکا ۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ خدا کرے کہ ڈیمپائر نے اپنی قوتوں کا غلط اندازہ لگا کر کھڑکی سے چھلانگ لگا دی ہو اور خدا کرے کہ اس وقت وہ سینکڑوں فٹ نیچے مردہ پڑا ہو ۔

لیکن جب اس نے کھڑکی سے جھانک کر نیچے دیکھا تو پتہ چلا کہ اسکی دعا قبول نہ ہوئی تھی ایک زبردست چھپکلی کی طرح کونٹ ڈراکیولا قصر کی عمودی دیوار پہ بھاگا جا رہا تھا اور تیز طوفانی ہوا میں اس کا کالا لبادہ اس کے پیچھے اڑ رہا تھا اور یہیں ہوا ڈراکیولا کا بھیانک قہقہہ سائمن کے کانوں تک پہنچا کر اس کا خون منجمد کر رہی تھی ۔

چھبیسواں باب

وہی بجلیاں تھیں اور گرج کی وہی آوازیں تھیں جنھوں نے قصر سے دور دو دوسری ہستیوں کو بھی خوفزدہ کر دیا ۔ اور یہ دونوں تھے پادری اور سارہ ۔

ان دونوں کے دن کا زیادہ تر حصہ گرجا میں ہی گزرا تھا جہاں وہ بیٹھے سائمن کی واپسی کا انتظار کرتے رہے ۔ لیکن جب دن ختم ہوا شام کا دھندلکا اتر کر گہرا ہو گیا اور سائمن واپس نہ آیا تو انھوں نے سمجھ لیا کہ سائمن کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا ۔ پادری کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا تو وہ قربان گاہ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعا میں مصروف ہو گیا ۔

سارہ جہاں تھی وہیں خاموش بیٹھی رہی ۔ وہ کوشش کے باوجود پادری سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکی کہ سائمن کے ساتھ کیا واقعہ ہوا ہو گا کیونکہ اسے خوف تھا کہ اس کے اس سوال کا پادری جو جواب دے گا اس کی تاب وہ نہ لا سکے گی اور نہ ہی وہ یہ پوچھنے کی جرأت کر سکی کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیے ۔

چند منٹ گزر گئے ۔ قیامت کے چند منٹ ۔ آخر کار سارہ کے بے چینی ناقابل برداشت

ہو گئی ۔

" مقدس باپ!" آخر کار اس نے ہمت کر کے پوچھا " آپ کے خیال میں کیا واقعہ ہوا ہو گا سائمن کے ساتھ ؟ کیا وہ پاؤل کے پاس پہنچ گیا ہو گا ؟ کیا وہ دونوں قصر میں قید ہوں گے یا ۔ مر چکے ہوں گے ؟"

پادری نے اپنی دعا ختم کر لی لیکن اٹھا نہیں ۔

" بیٹی!" اس نے کہا " کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن ہمیں ان دونوں کی ہمت و بہادری اور خدا کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہئے "

" لیکن ۔ کیا ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں ؟"

پادری نے کوئی جواب نہ دیا ۔

" کیا ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے ؟" سارہ نے پوچھا ۔

" بیٹی ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ خدا سے بہتری کی اُمید رکھیں "

سارہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی

" صرف بہتری کی اُمید رکھنا ہی کافی نہیں ہے " وہ بولی ۔

" اور ہم کیا کر سکتے ہیں ؟"

" قصر میں تو جا سکتے ہیں "

پادری کانپ گیا ،

" لیکن جب ہم کچھ کر نہیں سکتے تو وہاں جانے سے فائدہ ؟"

" کم سے کم یہ تو ہو گا کہ حقیقت معلوم ہو جائے گی "

" نہیں بیٹی ۔ تم میری حفاظت میں ہو ۔ اس نے تمہیں میرے سپرد کیا ہے چنانچہ جب تک سائمن کی کوئی خبر نہیں آجاتی میں تمہیں اس گرجا سے باہر قدم بھی رکھنے نہ دوں گا "

سارہ پادری کو جواب دینے ہی والی تھی کہ اس نے اپنے پیچھے سے سائیں سائیں

کی آواز سُنی جیسے کوئی بڑا سا پرندہ اپنے بازو ہلا رہا ہو۔

اس نے اپنا سر گھما کر اس طرف دیکھا تو اس چمگادڑ کے حملے سے بچ گئی جو جا کی ایک کھڑکی ہیں سے اندر آگئی تھی۔ چمگادڑ اس کے قریب سے نکل چلی گئی۔ اتنے قریب سے کہ اس کا ایک گھناؤنا بازو سارہ کے بالوں سے چھو گیا۔

اپنے پہلے شکار پر قابو حاصل نہ کرسکی تو چمگادڑ اوپر اٹھ گئی، اس نے فضا میں دو تین چکر لگائے اور پھر تیر کی طرح سیدھے ہوئے پادری کی طرف لپکی۔

سرخ آنکھوں والی خونی چمگادڑ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پادری نے اپنے حواس سمیٹے اور اس وحشی حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ چیز اٹھائی جو قریب ہی دھری ہوئی تھی۔ یہ چاندی کی موم بتی دان تھی جو قربان گاہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اس سے پادری نے حملہ آور کو بھگانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

چمگادڑ کا پہلا ہی حملہ کامیاب رہا۔ اس نے اپنے خوفناک پنجوں سے پادری کا ایک گال ادھیڑ دیا۔ پادری کے منہ سے درد و تکلیف کی چیخ نکل گئی اور اس کے گال سے خون کے فوارے سے ابل پڑے۔ یہ دیکھ چمگادڑ کی خون کی پیاس ایک دم سے بڑھ گئی اور اب وہ متواتر حملے کر رہی تھی۔ پادری موم بتی دان سے اسے مار رہا تھا لیکن چمگادڑ کے حملوں میں کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ اس کے پنجے پادری کے جسم کے مختلف حصوں کو نوچ اور ادھیڑ رہے تھے یہاں تک کہ پادری کے منہ سے ایک آخری چیخ نکلی اور وہ گرا۔ اور اب فرش پر ایک بے حس اور خون میں لت پت گٹھری سی پڑی تھی۔ پادری مر چکا تھا لیکن چمگادڑ نے اب بھی اسے نہ بخشا۔ اب وہ اپنے پنجوں سے، جن سے خون ٹپک رہا تھا، مردہ پادری کا پیٹ پھاڑ کر اس کے احشاء باہر گھسیٹ رہی تھی۔

سارہ اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ اس کے منہ سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی اور یہ سوچے بغیر کہ وہ کیا کر رہی وہ بھاگی، اس نے دروازہ کھولا اور گرجا سے باہر نکل کر

طوفانی رات میں آگئی۔

بعد میں جب پولس نے اس سے پوچھا کہ وہ قصر میں کیسے پہنچ گئی تو وہ کوئی واضح جواب نہ دے سکی۔

اسے جو کچھ یاد تھا وہ بھی مبہم تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ سرائے کے دروازے پر اندھا دھند گھونسے برسا رہی اور چیخ رہی تھی کہ پادری کا خون کر دیا گیا ہے۔ پھر اسے یاد تھا کہ کسی نے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اب وہ یہ نہ بتا سکی کہ اسے یوں باقاعدہ اٹھا کر باہر پھینک دینے والا کون تھا۔ وہ یا تو خود سرائے کا مالک تھا یا شاید کوئی دیہاتی تھا۔ بہرحال وہ یقین سے کچھ نہ کہہ سکی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اسے اگر باہر پھینکنا تھا تو پھر اس کے لئے دروازہ کیوں کھولا گیا اور اسے سرائے میں داخل ہی کیوں ہونے دیا گیا تو اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ شاید اس لئے کہ سرائے کے مالک نے اسے جوئی سمجھا تھا۔ لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ سارہ تھی تو وہ لوگ اس پر برس پڑے۔ اس سے کہا ان کی مصیبتوں کی جڑ وہی ہے اور یہ کہ انھوں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ کبھی کوئی بڑے سے بڑے مجرم کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہ کرتا ہوگا۔

اس کے بعد، اسے یاد تھا کہ وہ ایک مستعار لئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے اندھا دھند بھگا رہی تھی یا خدا جانے خود گھوڑا اس طرح بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ آٹھ سال کی عمر سے وہ گھوڑے پر سواری کرنا جانتی تھی۔ ابتدا میں اس نے ٹٹوؤں پر سواری کی تھی اور پھر قد آور گھوڑوں پر۔ وہ گھوڑے پر اس طرح بھی بیٹھ سکتی تھی جس طرح عورتیں بیٹھتی ہیں۔ یعنی ایک ہی طرف دونوں ٹانگیں لٹکا کر اور اس طرح بھی جس طرح کہ مرد سواری کرتے ہیں۔ یعنی ایک ٹانگ ادھر اور ایک ادھر لٹکا کر۔

اس رات اس نے گھوڑے پر کس طرح سفر کیا اس کی یادیں دھندلی تھیں اسے تو

صرف اتنا یاد تھا کہ بجلی چمک رہی تھی، طوفان گرج رہا تھا، ہوا اس کے بال اور کپڑے نوچ رہی تھی، درخت اور ٹیلے پیچھے بھاگے جا رہے تھے اور اس کا گھوڑا اڑا جا رہا تھا۔

جب وہ قصر کے صحن میں پہنچی ہے تو گھوڑا ابھی اتنا ہی تھکا ہوا تھا جتنی کہ شاید وہ خود۔ گھوڑے کے منھ اور نتھنوں کے رال کا تار سا بندھا ہوا تھا، اس کا پیٹ دھونکنی کی طرح اٹھ اور گر رہا تھا اور اس کی آنکھوں پر ایک زرد جھلی سی نظر آ رہی تھی۔

سارہ نے تھکے ہوئے گھوڑے کو صحن میں ہی چھوڑا اور دروازے اور گزرگاہ میں سے گزر کر قصر کے اس ہال میں پہنچ گئی جو اب خالی تھا۔ طوفان اب اپنے عروج پر پہنچ رہا تھا اور بجلی کی سبز و سفید روشنی ہال میں کوند کوند جاتی تھی۔ باہر قصر کی سنگی دیواروں سے ہوا سر پھوڑ پھوڑ کر چیخ رہی تھی۔

"سائمن!" سارہ نے آواز دی۔

جواب بجلی کی کڑک نے دیا۔

"کلیو!" اس نے پھر آواز دی۔

جواب پھر گرج نے دیا۔

"سائمن ___ کلیو ___ کوئی ہے؟"

نہ سائمن نے کہیں سے جواب دیا اور نہ کلیو نے۔

لیکن کہیں اوپر سے دروازہ بند ہونے کی اور پھر چلنے کی آواز جاری رہی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اوپر والے کمرے میں کوئی کسی وزنی چیز کو گھسیٹ رہا تھا۔ اگر وہ سائمن کو تلاش ہی کرنا چاہتی تھی تو اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ کہ اس آواز کی سمت میں چل پڑے۔ پھر یہ آواز اسے کہیں کیوں نہ پہنچا دے۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اندھیرا زینہ چڑھنے کی ہمت نہ کرتی۔ لیکن سائمن

کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

اس نے اپنے گلے سے لٹکتی ہوئی صلیب کو چھوا اور ہمت سمیٹ کر ہال سے باہر آئی اور زینہ طے کرکے اوپر پہونچی تو سامنے ایک تنگ اور اندھیری گزرگاہ تھی۔ اس گزرگاہ کے سامنے والے موڑ کی طرف سے وہ آواز آرہی تھی جو اس بھیانک اور پراسرار قصر میں اس کی راہبر تھی۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اس کی انگلیوں نے چھوٹی سی سنہری صلیب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس نے دوسرے دروازے کو چرچراتے سنا۔

وہ گزرگاہ کے موڑ مڑی تو ایک خوابگاہ کے سامنے تھی جس کے کھلے ہوئے کواڑ اب بھی چولوں پر جھول رہے تھے۔ وہ قدرے ہچکچاہٹ کے بعد دروازے کے قریب پہونچی اور جھانک کر اندر دیکھا۔

وہاں کوئی ایسی بات نہ تھی جو اس ڈرامے کا پتہ دیتی جو ابھی ابھی وہاں کھیلا گیا تھا۔ جہازی پلنگ کو گھسیٹ کر واپس اس جگہ رکھ دیا گیا تھا جہاں وہ پہلے تھا اور اس راستے کا کہیں پتہ نہ تھا جس کے ذریعہ سائمن نیچے اترا تھا۔

یہ اطمینان کرنے کے بعد وہ کمرہ خالی تھا اور اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی وہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس چیز کو تلاش کرنے لگی جس کی آواز اسے اوپر کھینچ لائی تھی

دوسرے ہی لمحے اسے اپنے پیچھے سے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ سارہ ایکدم سے اس طرف گھوم گئی۔ اس کے عین پیچھے کلیو کھڑا ہوا تھا جس کے ہونٹوں پر دیوانوں کی سی مسکراہٹ تھی۔

"گھبراؤ نہیں" سارہ بے اختیار پیچھے ہٹ گئی تو کلیو بولا "میں تمھیں کوئی تکلیف نہ دونگا"

اور اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف یوں بڑھا دیا جیسے اس کے گال پر پھیرنا چاہتا ہو۔

"میں تو صرف — میں تو صرف — تمھیں چاہتا ہوں"

کلیو اس کی طرف بڑھا تو وہ چیخ اٹھی ۔

"دور ہو" — دور رہو مجھ سے "

لیکن گیبرٹ کلیو پر اس کے وہ جذبات قابو حاصل کر چکے تھے جنھیں وہ ایک مدت سے دباتا آیا تھا ۔

"بھول گئیں مجھے ؟ میں کلیو ہوں"

سارہ خاموش رہی ۔

"میں کلینس برگ کی ایک دکان میں کام کرتا تھا اور اس کی ایک کھڑکی میں سے ہر روز تمھیں دیکھا کرتا تھا ۔ بہت خوبصورت تھیں تم ۔ بہت نازک تھیں تم ۔ اس وقت تم یا تو آسمانی رنگ کے کپڑے پہنا کرتی تھیں یا پھر بسنتی رنگ کے ۔"

"نہیں" سارہ نے کہا " میں نے تمھیں پہلی دفعہ اس قصر میں ہی دیکھا ہے اس سے پہلے کسی جگہ نہیں دیکھا ۔ نہ کلینس برگ کی کسی دکان میں اور نہ کہیں اور "

"لیکن ایک دفعہ میں نے تمھیں مٹھائی دی تھی ۔ وہ تو تمھیں یاد ہوگا "

"نہیں"

"نہیں ؟"

"ہاں — نہیں — سو دفعہ نہیں — تم پاگل ہو"

"میں پاگل نہیں ہوں — مجنوں ہوں — تمھارا دیوانہ — آؤ — میرے قریب آؤ — میں تمھیں چھونا چاہتا ہوں "

سارہ پیچھے ہٹی ۔ کلیو آگے بڑھا ۔ اس کا ہاتھ آگے بڑھا ہوا تھا اور اس کی انگلیاں جیسے اپنے آپ ہی گھناؤنے کیڑوں کی طرح کلبلا رہی تھی ۔

"تمھاری جلد — بہت سفید ہے — بہت ملائم ہے ۔ مجھے اسے چھونے دو

وہ گڑگڑایا۔

اور اب سارہ پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ وہ دیوار سے ٹکرا گئی تھی اور اب دیوار سے یوں لگی کھڑی تھی جیسے امید ہو کہ دیوار کھل کر اسے راستہ دے دے گی۔

"گھبراؤ نہیں"، کلیو نے کہا اور اس کی متعفن سانس سارہ کے چہرے سے ٹکرائی "میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ میری منی منی سارہ"

اس کا آگے بڑھا ہوا ہاتھ سارہ کے سر پر ٹک گیا اور پھر پھسل کر اس کے شانے پر آ گیا۔ اس کے ہاتھ نے سارہ کے لبادے کا گریبان نیچے سرکا کر اس کے دودھیا شانوں کو برہنہ کر دیا۔ گھن اور نفرت نے سارہ کو مفلوج کر دیا۔ کلیو کا سر جھکا اور اس کے موٹے ہونٹ دودھیا شانے پر ٹکے ہی تھے کہ اس کا سر ایک زبردست جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور پھر اسی طرح جھٹکے سے پیچھے کی طرف گھوم گیا۔

سارہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔

کونٹ ڈراکیولا ایسی خاموشی سے کمرے میں آ گیا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کو پتہ نہ چلا تھا اور اب وہ اپنی مٹھی میں کلیو کے بال پکڑے ہوئے تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ اس کی گردن توڑ دے گا۔ لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ بدل کر کلیو کو ایک طرف پھینک دیا اور خود سارہ کی طرف گھوم گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔ "خود اپنی مرضی اور خوشی سے مجھ سے ملنے آئی ہو؟"

سارہ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کلیو نے، جہاں وہ گرا تھا وہیں سے، پڑے پڑے کہا:۔

"آقا! اسے میں لایا ہوں آپ کے لئے۔ کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا؟"

"بکو مت" ڈراکیولا نے غصے سے کہا۔ "یہ خود آئی ہے میرے پاس۔ کیوں کہ آنا چاہتی تھی"

ڈراکیولا نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر اس کی تپلی اور سفید شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔"

سارہ نے اس کی نظر سے اپنی نظر چرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی ڈراکیولا کی آنکھیں اسے جکڑے ہوئے تھیں۔ اس کی نظر نے سارہ پر جیسے سحر طاری کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ آپ ہی آپ گلے سے لٹکتی ہوئی صلیب کی طرف اٹھ گیا۔ اور اس نے صلیب یوں پکڑ لی جیسے ڈوبتا ہوا آدمی تنکا پکڑ لیتا ہے۔

اور ڈراکیولا کی آنکھوں کا اثر عارضی طور پر زائل ہو گیا۔

بس یہی سارہ چاہتی تھی، تیر کی طرح ڈراکیولا کے قریب سے نکلی اور بھاگ کر کمرے سے نکل کر گزرگاہ میں آگئی۔

یہ دیکھے بغیر اور یہ سوچے بغیر کہ وہ کہاں جا رہی تھی وہ بھاگتی رہی اور کچھ دیر بعد ایک چکر دار زینے کے قدموں میں تھی۔ وہ اندھا دھند چڑھ گئی اور جب زینہ ختم ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ قصر کی ہموار چھت پر تھی جس کے چاروں طرف فصیل نما دیوار اور برجیاں تھیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ قصر کے مغربی بازو کی، جو جلنے سے بچ رہا تھا، چھت پر تھی۔ لیکن اب وہ نہ جانتی تھی کہ کیا کرے اور کس طرف جائے۔

وہ دوڑ کر ایک برجی میں پہنچی اور جھک کر نیچے دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کلیو اس کمرے کی کھڑکی میں سے باہر جھکا ہوا تھا جس میں سے بھاگ کر وہ خود آئی تھی۔ کلیو ایک رسہ نیچے اور اس کھڑکی کی طرف لٹکا رہا تھا جو اوپر کی کھڑکی کے نیچے اور کچھ فاصلے پر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا جو نچلے کمرے میں پھنس گیا تھا۔ کون ہو سکتا تھا وہ؟ شاید سائمن یا بادل؟

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ معلوم کر سکتی اس نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی۔

"یہ بھاگ دوڑ بیکار ہے۔" ڈریکولا نے کہا۔ "تم مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتیں اور یہ تم بھی جانتی ہو۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ صلیب کی طرف اٹھ گیا۔

"اور اب یہ چیز بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔" ڈریکولا "بے شک اس کے قریب نہیں آسکتا لیکن وہ آسکتے ہیں جو میرے غلام ہیں۔"

سارہ سمجھی کہ یہ ڈریکولا اسے ڈرانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن نہیں ——— اس نے اس رات دوسری دفعہ خوفناک بازوؤں کی قریب آتی ہوئی آواز سنی۔

ڈریکولا آسمان کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی کو کچھ حکم دے رہا ہو۔ سارہ نے سہم کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے تھے کہ خلائے اندھیرے میں سے چمگادڑ زور سے نیچے آئی۔ اس کے خونی پنجے آگے بڑھے ہوئے تھے۔

لیکن اس چمگادڑ نے سارہ پر حملہ نہ کیا۔ اس کے بجائے اس نے اپنے پنجوں میں وہ زنجیر پکڑ لی جو اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی اور جس کے ایک سرے سے صلیب لٹک رہی تھی۔ چمگادڑ نے ایک جھٹکا دیا تو سارہ نے پتلی سنہری زنجیر اپنی گردن کے گوشت میں اترتی محسوس کی اور پھر اس نے خون بہتا محسوس کیا۔

ایک آخری جھٹکا ——— اور زنجیر ٹوٹ چکی تھی۔ چمگادڑ سارہ کے قریب سے ہٹ گئی۔ صلیب ٹوٹی ہوئی زنجیر کے سرے سے اس کے پنجوں میں لٹک رہی تھی۔ چمگادڑ چھت کی دیوار عبور کر گئی اور پھر اس نے صلیب والی زنجیر چھوڑ دی۔

سنہری صلیب اندھیری گہرائیوں میں غائب ہو گئی تو سارہ کے منہ سے مایوسی کی چیخ نکل گئی۔ ڈریکولا بھی صلیب کو گرتے دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کے بشرے سے بھیانک فتحمندی عیاں تھی۔

"فتح میری ہوئی" وہ بولا "چنانچہ اب میں مالِ غنیمت حاصل کر سکتا ہوں"
سارہ کی گردن سے پھوٹتے ہوئے خون نے ڈراکیولا کو بے تاب کر دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کا خون پینے کے لئے بے چین تھا۔

وہ سارہ کی طرف یوں لپکا جیسے عقاب اپنے شکار کی طرف۔

"نہیں" سارہ چیخی۔

لیکن اب خون کے پیاسے ڈراکیولا کو کوئی روک نہ سکتا تھا۔ اس کے اور اس کے شکار کے درمیان اب کوئی چیز حائل نہ تھی۔

اس نے ایک ہاتھ سے سارہ کا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو وہ اس کے سینے تک پھٹ گیا۔ سارہ کا اوپر جسم چھاتیوں تک برہنہ تھا۔

ڈراکیولا نے اپنا سر جھکایا، اس کے نکیلے دانت اس کے ہونٹوں میں سے نکل آئے۔ سارہ نے اس کے دانتوں کی نوکوں کو اپنی شہ رگ پر محسوس کیا ہی تھا کہ کسی نے چیخ کر کہا:۔

"نہیں۔ مت چھوؤ اسے"

ڈراکیولا کا لمبا جسم تن گیا، اس نے اپنا سر اٹھایا اور پیچھے کی طرف گھوم گیا پیچھے کلیو کھڑا ہوا تھا۔ وہ ڈراکیولا پر چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ چنانچہ اس کا کبڑا جسم اور بھی جھک گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی چاقو تھا جس سے اس نے سائمن کا رستہ کاٹا تھا۔

"رک جاؤ" وہ چیخا۔

ڈراکیولا نے نفرت اور حقارت سے اس کی طرف دیکھا گویا وہ بند کھڑکی کے شیشوں سے ٹکراتی ہوئی مکھی کی طرح بے حقیقت تھا۔

وہ غرا کر ایک بار پھر سارہ کی طرف گھوم گیا اور اس کا خون پینے کی تیاری کرنے لگا

عین اسی وقت کلیو ایک چیخ کے ساتھ اپنے آقا پر ٹوٹ پڑا۔ ڈراکیولا ہنسا۔ اس نے کلیو کو اپنے ایک ہاتھ سے اٹھالیا۔ وہ اس کی گرفت میں لٹک کر بلی کے منہ میں دبے ہوئے چوہے کی طرح تڑپنے لگا۔

وہ اسے اٹھاکر چھت کے کنارے پر بنی ہوئی دیوار تک لے گیا۔ یہ دیکھ کر ڈراکیولا کیا کرنے والا ہے سارہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن ڈراکیولا نے دوسرے ہاتھ سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"چھوڑ دو اسے" وہ گڑگڑائی "نہ مارو اسے"

لیکن یہ التجا جیسے اس نے پتھر سے کی تھی۔ ڈراکیولا نے اپنی انگلیاں کھول دیں اور کلیو ایک دم سے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سارہ دوڑ کر دیوار کے قریب پہنچی اور جھک کر دیکھا کہ کلیو گہرائی میں گرا جا رہا تھا اور دم بدم چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اور ٹانگیں بے بسی سے ہل رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تیرنا نہ جانتا ہو اور ہوا، دھند اور بارش کے بھنور میں ڈوب رہا ہو۔

ستائیسواں باب

سائمن نے جب رسیّ کو کھڑکی کے سامنے گزرتے اور پھر رات کے اندھیرے پردے سے ٹوٹ کر الگ لٹکتے ہوئے دھاگے کی طرح لٹکتے دیکھا تو پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ یہ حقیقت تھی۔ لیکن جب اس نے بار بار آنکھیں مل کر دیکھا تو اسے یقین کرنا ہی پڑا کہ یہ اس کے پریشان اور خوفزدہ دماغ کا پر امید تصور نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔

یہ شاید کلیو تھا جو کسی خاص وجہ سے اس کی مدد کر رہا تھا اور اگر یہ کلیو نہ تھا تو پھر

ڈراکیولا تھا جو یا تو اسے اُلجھا رہا تھا یا پھر محض اپنے تفنن طبع کی خاطر اس سے کھیل رہا تھا چوہے بلی کا سا کھیل۔ بہر حال یہ رستہ چاہے کلیو نے لٹکایا ہو چاہے ڈراکیولا نے سائمن جانتا تھا کہ اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ رستہ پکڑے اور قصر کی دیوار پر پیر لگا کر ایک ماہر کوہ پیما کی طرح اوپر خوابگاہ میں پہنچ جائے۔

اور ایک بار پھر وہ حجرے کی کھڑکی کی دہلیز پر کھڑا تھا اور اس دفعہ وہ یہ احتیاط برت رہا تھا کہ نیچے نہ دیکھ رہا تھا۔ اس کا سر اوپر اٹھا ہوا تھا، اس کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے رستہ پکڑ کر اور دونوں پیروں کے پنجے قصر کی دیوار پر لٹکا کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کھڑکی کی طرف جو اندھیرے میں کہیں اوپر تھی۔

گھور اندھیرے میں کچھ دیکھنا بہت مشکل تھا۔ بجلی چمکتی اور فوراً بجھ جاتی تھی۔ ایک دفعہ بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں سائمن کو چھت پر ڈراکیولا کی ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ چھت کے کنارے پر کسی سے ہاتھا پائی کر رہا تھا۔ سائمن اس خیال سے لرز اٹھا کہ ڈراکیولا کے ہاتھ میں جو انسانی سایہ چوہے کی طرح لٹکا تڑپ رہا تھا وہ سارہ تھی۔ لیکن دوسری دفعہ بجلی چمکی تو اس نے دیکھا کہ وہ کلیو تھا۔

اور پھر اس نے کلیو کو گرتے دیکھا۔

کلیو گرا اور اس کا کوٹ لٹکتے ہوئے جنگلے کی ایک ٹوٹی ہوئی سلاخ میں اٹک گیا۔ وہ ایک ثانئے تک وہاں لٹکتا رہا اور سائمن نے سمجھا کہ وہ بچ جائے گا لیکن پھر سلاخ کمزور ٹین کی طرح نیچے کی طرف مڑ گئی اور کلیو تیزی سے نیچے آیا۔ اس کی فلک شگاف چیخ رات کے اندھیرے کو دور تک چیرتی چلی گئی۔

سائمن اپنا سانس روک کر چھپکلی کی طرح دیوار سے چپک گیا اس کے باوجود کلیو کا جسم اس سے ٹکرا گیا اور اتنے زور سے کہ سائمن کا ایک ہاتھ رسے پر سے چھوٹ گیا اور وہ اپنا توازن اس بری طرح سے کھو بیٹھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی کلیو کے پیچھے ہی پیچھے سینکڑوں فٹ

نیچے جا پڑے گا۔

لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح اپنا توازن برقرار کیا، سنبھلا اور چند لمحوں تک وہیں لٹکتا رہا، اس کا دل پسلیوں سے ٹکرا رہا تھا، ہوا اس کے کپڑے نوچ رہی تھی اور بارش اس کے پسینے سے مل رہی تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس وقت کھولیں جب اس نے ایک چیخ سنی یہ کوئی عورت تھی اور آواز چھت پر سے آئی تھی۔

"میرے خدا! سارہ!"

اور اس خیال نے اس کے جسم میں حیات و قوت کی نئی رو دوڑا دی۔

اور اس کی ٹانگیں دیواروں پر چلنے لگیں اور اس کی انگلیاں جونکوں کی طرح تیزی سے رستے پر رینگنے لگیں۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے یوں چڑھتے ہوئے اس کی ایک عمر گزر گئی۔ آخر کار پہلے اس کی ٹھوڑی، پھر اس کا سینہ اور پھر اس کے پیر اوپری کھڑکی کی دہلیز کے برابر آگئے۔

اب بجلی بار بار چمک رہی تھی اور اس کی روشنی سائمن کی راہبری کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ڈراکیولا سارہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور سارہ بے بس سی کھڑی تھی۔

سائمن کے لئے اب گہرائی میں گرنے کا خوف کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ کھڑکی کی دہلیز پر کھڑے ہو کر ہاتھ بڑھایا، ٹوٹ کر نیچے کی طرف جھکے ہوئے زنگ آلود جنگلے کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو اوپر اٹھایا۔

کونٹ ڈراکیولا سارہ کے قریب پہونچ کر رک گیا۔ ایک سکنڈ اور — اور سارہ یا تو مر چکی ہو گی یا پھر خود ڈراکیولا کی طرح زندہ مردہ بن جائے گی۔

سائمن اوپر پہنچ گیا وہ دیوار پھلانگ کر چھت پر اور ڈراکیولا کے عین پیچھے دبک گیا۔ اس عفریت کو للکارنے سے پہلے وہ کوئی ہتھیار حاصل کرنا چاہتا۔ وہاں کچھ نہ تھا

سوائے ٹوٹے ہوئے جنگلے کے۔ اس وقت بس یہی ہتھیار دستیاب تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جنگلے میں سے ایک آہنی سلاخ توڑلی اور اسے یوں پکڑ لیا جیسے وہ بھالا ہو۔ اور اب اسے کونٹ ڈراکیولا کی توجہ سارہ پر سے ہٹانا تھی۔

"ڈراکیولا" وہ اپنی آواز ہوا کی آواز سے بلند کرکے چیخا "ڈراکیولا! اس طرف"

ویمپائر مرغ بادنما کی طرح گھوم گیا اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے چمک رہی تھیں اس نے سائمن کو دیکھا تو اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگارے بن گئیں اور اس کا چہرہ غصے سے بگڑ کر بھیانک بن گیا۔

ڈراکیولا ایک لمحے تک بے حرکت کھڑا رہا اور پھر وہ سر جھکا کر سائمن کی طرف یوں لپکا جیسے سر سے ٹکر مار کر سائمن کو چھت سے نیچے گرا دینا چاہتا ہو۔

سائمن اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈراکیولا اپنے زور میں آگے بڑھ کر چھت پر سے نیچے جا پڑے گا۔ لیکن ڈراکیولا عین چھت کے کنارے پر پہنچ کر رک گیا اور اس موقع کو غنیمت جان کر سائمن بھاگ کر چھت کے بیچ میں جا کھڑا ہوا۔

ڈراکیولا پلٹ کر دوسری دفعہ اس کی طرف آیا تو سائمن نے زنگ آلود سلاخ اسکی طرف یوں پھینک کر ماری جیسے وہ برچھا ہو۔ اس کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ سلاخ ڈراکیولا کے سینے پر لگی اور اس کے دل کے قریب سے گزرتی ہوئی پیٹھ میں سے باہر نکل آئی۔

ڈراکیولا نے ایک قہقہہ لگایا اور سلاخ اپنے سینے میں سے کھینچ لی۔ اب اس نے سلاخ اپنے سر سے بلند کی کہ سائمن کے سینے میں اتار دے۔

سارہ خوف سے چیخ اٹھی اور عین اسی وقت، جیسے اس کی چیخ کے جواب میں، عین چھت پر سے بجلی چمک گئی۔ اور پھر جیسے مقناطیس نے اسے کھینچ لیا ہو وہ اس سلاخ پر گری جو ڈراکیولا بلند کیے ہوئے تھا۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی کڑک کے ساتھ بے شمار چنگاریاں سلاخ سے جھڑ کر چھت پر بکھر گئیں۔

اور ڈراکیولا انسانی پھلجھڑی کی طرح سلگنے لگا۔

سارہ اور سائمن دم بخود کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ڈراکیولا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا۔ اس کی کھال کوئلہ ہو کر اترنے لگی تھی اور اس کے خدوخال اخروٹ کے خول کی طرح پھٹ رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی پھٹ گئی اور حلق تک دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جیسے کسی نے کلہاڑی مار کر اس کے دو حصے کر دئے ہوں اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں کے درمیان سے جو آوازیں نکل رہی تھیں وہ نہ تو انسانی تھیں اور نہ حیوانی۔ یہ بھیانک آوازیں کسی دوسری دنیا کی ہستی کی تھیں۔

اور پھر اس کے ہاتھ موم بتی کی طرح پگھل گئے اور اب اس کے شانوں سے دو سیاہ ٹھنٹھ نکلے ہوئے تھے۔ اب وہ سر سے پیر تک چوب خشک کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ وہ چک پھیریاں کھا رہا تھا اور یوں چک پھیریاں کھاتا اور سلگتا ہوا کونٹ ڈراکیولا چھت کے کنارے کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ایک آخری چک پھیری کھائی اور پھر وہ —— سلگتا ہوا —— گہرائی میں گرا۔

جب سارہ اور سائمن دوڑ کر کنارے پر پہنچے تو نیچے، بہت نیچے سلگتا ہوا ڈراکیولا اس تیلی کی طرح معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے سلگا کر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا ہو۔

دفعتہً طوفانی بادلوں میں سے ایک چمگادڑ نکل کر اپنے سلگتے ہوئے آقا کے پیچھے گہرائیوں میں اتر گئی۔

سائمن نے سارہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے چھت کے کنارے کے قریب سے ہٹا لایا۔ اب وہ محفوظ تھے بہت دیر تک وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔

پھر سارہ نے سر اٹھا کر سائمن کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے ایک خاموش سوال

پوچھا۔ سائمن نے غمناک انداز سے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی کہ پاؤل مر چکا تھا۔ سارہ نے خاموش سوال پوچھا جو سائمن نے سمجھ لیا تھا اور اس نے سر ہلا کر خاموش ہی جواب دیا جو سارہ نے سمجھ لیا۔ اب کچھ کہنے اور کچھ سننے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنی زندگی شروع کرنے سے پہلے انھیں یہ غم برداشت کرنا تھا۔

"سارہ!" سائمن نے آہستہ سے کہا "آؤ۔ اب گھر چلیں۔"

ختم شد

ظفر الحق علوی

کے اڈونچرس ہیبتناک اور حیرتناک ناول

• آدم خور	*	ولسن میک آرتھر	۶/۵۰
• بھیڑیا	*	گالی اند	۹/-
• جوش محبت	*	سی، ایف زموز	۴/-
• تیغ زن کامل	*	الگزنڈر ڈوما	۱۴/-
• خوابوں کے شکاری	*	رائیڈر ہیگرڈ	۱۵/-
• خونریز	*	" "	۸/-
• دختر شب	*	" "	۹/-
• ڈراکیولا	*	بروم اسٹوکر	۹/-
• ڈراکیولا کی واپسی	*	جون برکلے	۵/-
• رات کا کالا کفن	*	اسٹر میکلین	۸/-
• سونا سمندر	*	ڈینس وہٹلی	۸/-
• سایہ شیطان	*	" "	۱۵/-
• شہر خموشاں	*	رائیڈر ہیگرڈ	۵/-
• ظل ہما	*	الگزنڈر ڈوما	۱۵/-
• عالم اسفل	*	آرتھر کانن ڈائل	۵/-
• عالم گم گشتہ	*	" "	۳/۵۰
• غلاموں کے سوداگر	*	دانیال پی مانکس	زیر طبع
• آواز کے جنگل	*	برکلے ماتھر	۶/-